عہدِ نبویؐ کی اسلامی سیاست

تالیف

عبد المتعال الصّعیدیؒ

پروفیسر جامعۃ الازہر۔ قاہرہ (مصر)

مترجمہ

شیخ محمّد احمد پانی پتی

ادارۂ فروغِ اردو، لاہور

بار اول	۱۹۶۰ء
تعداد	ایک ہزار
قیمت	[illegible] روپے
ناشر	ادارہ فروغِ اردو، لاہور
مطبع	نقوش پریس، لاہور

ترتیب

عنوان	صفحہ
(۹) حاکمِ مصر کے ساتھ خط و کتابت	۲۶۳
(۱۰) شہنشاہِ ایران سے خط و کتابت	۲۶۶
(۱۱) اس خط و کتابت کا اثر	۲۷۱
داخلی سیاست۔ فتحِ مکّہ سے وفات تک کے درمیانی عرصے میں	۲۷۴
(۱) مسلمانوں اور منافقین کے تعلّقات	۲۷۴
خارجی سیاست۔ فتحِ مکّہ سے وفات تک کے درمیانی عرصے میں	۲۸۳
(۱) مسلمانوں اور قریش کے تعلّقات	۲۸۳
(۲) مسلمانوں اور دیگر قبائلِ عرب کے تعلقات	۲۹۵
(۳) وفود کی مدینہ میں آمد	۲۹۷
(۴) مسلمانوں اور مشرکین کے مابین معاہدات کا خاتمہ	۲۹۸
(۵) شورشیں	۳۰۷
(۶) مسلمانوں اور رُومی و عرب عیسائیوں کے تعلّقات	۳۱۰
(۷) مسلمانوں اور ایرانیوں کے تعلّقات	۳۱۸
(۸) مسلمانوں اور اہلِ حبشہ کے تعلّقات	۳۲۰
عہدِ نبوی کا نظامِ حکومت	۳۲۳
(۱) اسلامی سلطنت اور اُسکے باشندے	۳۲۵

صفحہ	عنوان
۳۳۰	(۲) اسلامی سلطنت کا دینی نظام
۳۴۵	(۳) اسلامی سلطنت میں غیر ملکی باشندوں کی حیثیت
۳۴۹	(۴) اسلامی سلطنت کا طبقاتی نظام
۳۵۶	(۵) اسلامی سلطنت کا نظامِ حکومت
۳۶۲	(۶) اسلامی سلطنت کا تعلیمی نظام
۳۷۰	(۷) اسلامی سلطنت میں عورت کی حیثیت
۳۷۵	(۸) اسلامی سلطنت کا حربی نظام
۳۸۴	(۹) معاہدوں کا احترام
۳۹۲	(۱۰) اسلامی سلطنت کا جاسوسی نظام
۳۹۶	(۱۱) بیت المال کا نظام
۴۰۱	(۱۲) سلطنت کا دفتری نظام
۴۰۵	اختتامیہ
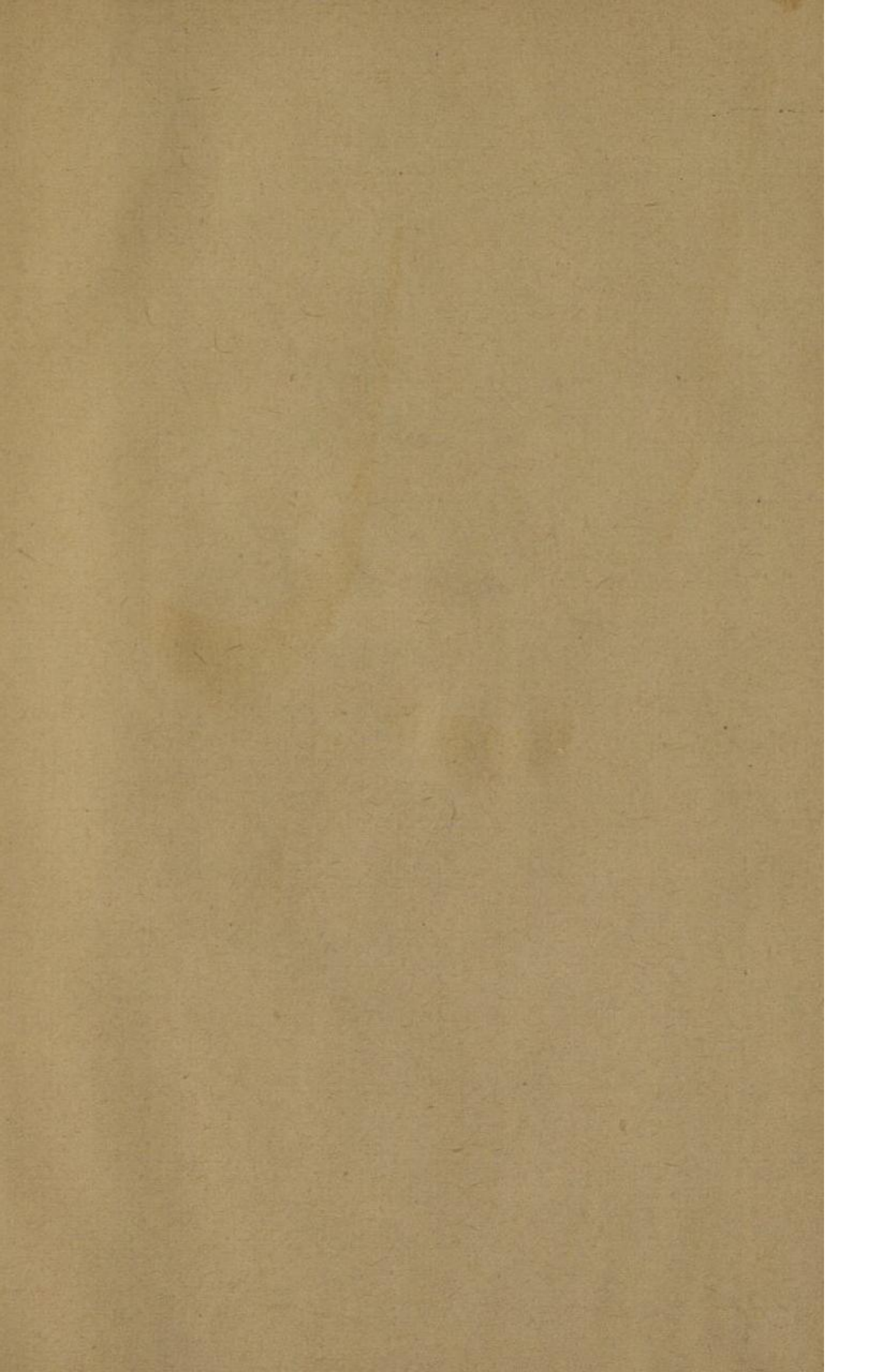
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

مذہب کی بنیاد چند اٹل قوانین پر ہوتی ہے جن میں نہ کسی قسم کی تبدیلی اور کمی بیشی ہو سکتی ہے اور نہ حیلہ جوئی کی گنجائش۔ کیونکہ اس کا مقصد بنی نوعِ انسان میں رُوحانیت پیدا کر کے ان کا تعلق ان کے پروردگارِ حقیقی سے قائم کرنا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عظیم مقصد کی خاطر نہ تو دینی احکام میں تبدیلی اور کمی بیشی کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کی حیلہ جوئی کی۔ لیکن اس کے برعکس سیاست کا تعلق چونکہ ملکی نظم و نسق سے ہوتا ہے اور ملکی حالات کبھی ایک نہج پر نہیں چلتے اس لئے سیاست کی بُنیاد دین کی طرح غیر مبدّل اور اٹل قوانین پر نہیں رکھی جا سکتی۔ بلکہ اسے حالات کے مطابق ڈھالنا پڑتا ہے۔ با ایں ہمہ سیاست کو بھی دو حصّوں میں منقسم قرار دیا

جاسکتا ہے ؎

مقدم الذکر سیاست کی بُنیاد کلیۃً قومیت اور نسلی امتیاز پر ہوتی ہے۔ متذکرہ سیاست کے علمبرداروں کے پیشِ نظر صرف اپنی قوم کا مفاد ہوتا ہے۔ اس غرض کے حصُول کے لئے اگر انہیں دُوسری اقوام کو ظلم وستم کا نشانہ بھی بنانا پڑے تو وہ اس سے دریغ نہیں کرتے۔ اور مقصد برآری کیلئے ہر قسم کے جائز و ناجائز وسیلے استعمال کرنے اور بدترین گناہوں کا ارتکاب کرنے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ موجودہ زمانے میں اس سیاست کے خدوخال مشہور اطالوی سیاست دان میکاؔولی نے واضح کئے تھے۔ اسلئے متذکرہ سیاست کو "میکاولی سیاست" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ؎

بیشک دنیوی حکومتیں جن کی بنیاد سراسر مادیت پر ہوتی ہے مصلحت اور فائدے کی خاطر اس شاطرانہ سیاست کو اختیار کر سکتی ہیں۔ لیکن کوئی ایسی حکومت جس کی بنیاد مذہب کے اعلےٰ اصولوں پر ہو اپنے آپ کو کبھی ایسی سیاست میں ملوث نہیں کر سکتی جو اقوامِ عالم کے درمیان امن وامان اور اتحاد واتفاق قائم کرنے کی بجائے ان میں تفریق پیدا کرنے اور نفرت وحقارت کے جذبات اُبھارنے کا موجب ہو۔ اور جس کے ذریعے فتنہ وفساد کی نئی نئی راہیں کھُل جائیں۔ ناممکن ہے کہ متذکرہ سیاست اختیار کرنے کے بعد دُنیا اطمینان کا سانس لے سکے کیونکہ جہاں ماحول پر نفرت ہی نفرت راج کرتی

ہو۔ جہاں بڑی اقوام چھوٹی اقوام کو نگل جانے کے لئے منہ پھاڑے کھڑی ہوں
جہاں نسلی اور قومی امتیاز کے سبب کوئی قوم دوسری قوموں کا وجود برداشت
کرنے کے لئے تیار نہ ہو وہاں بنی نوعِ انسان کو امن اور چین کی فضا کیسے
میسّر آسکتی ہے

آج دنیا مصائب و آلام کے ایک لامتناہی دور میں سے گذر رہی ہے۔
پچھلی نصف صدی میں دو ہولناک جنگیں سرزمینِ یورپ میں رونما ہو چکی ہیں آج
اور آج بھی جنگ کی گھنگور گھٹائیں فضائے عالم پر چھائی ہوئی ہیں۔ جو نہ جانے
کب برس پڑیں اور دنیا کو آگ اور خون کے سیلاب میں غرق کر دیں۔ یہ سب
کچھ نتیجہ ہے اس میکاولی سیاست کا جو یورپی اقوام نے اپنی استعمارانہ ذہنیت
کو تسکین دینے کے لئے پچھلی چند صدیوں سے اختیار کر رکھی ہے۔ اور جس
کی بدولت آج خود انہیں بھی اطمینان اور چین نصیب نہیں۔ اور وہ آئندہ
ہونے والی اس خوفناک جنگ کی تباہ کاریوں کے تصور ہی سے لرزہ براندام
ہیں، جس کی فضا کسی اور نے نہیں بلکہ خود انہوں نے تیار کی ہے۔

ناانصافی، ظلم و جور اور استعمار پر مبنی میکاولی سیاست کے برعکس
ہمیں ایک ایسی سیاست کے وجود کا بھی پتہ چلتا ہے جس کی بنیاد اقوام
عالم کے درمیان عدل و انصاف، اتحاد و اتفاق اور مساوات پر ہوتی
ہے۔ چونکہ اس کا واحد مقصد بنی نوعِ انسان کی بھلائی اور بہبودی کے

وسائل تلاش کرنا ہوتا ہے۔ اسلئے ناممکن ہے کہ اسے ترویج دینے والے خلافِ تہذیب اور ننگِ انسانیت افعال کے مُرتکب ہوں اور ناجائز وسائل کو کام میں لاکر اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ چونکہ مقصد نیک ہوتا ہے۔ اِس لئے وسائل بھی ایسے اختیار کئے جاتے ہیں جو اس مقصد کے منافی نہ ہوں بلکہ اسکے عین مطابق ہوں ؂

یہ فخر صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے اس بلند پایہ سیاست کو اختیار کر کے دنیا کے سامنے ایک اعلیٰ مثال قائم کر دی ہے۔ وہ اپنی سیاست کی بُنیاد نفرت و حقارت، نسلی امتیاز اور قومیت پر نہیں رکھتا۔ اسکی نظر میں سب انسان خواہ گورے ہوں خواہ کالے، عرب ہوں یا عجم برابر ہیں اور محض رنگ اور نسل کی بُنیاد پر کسی سے امتیازی سلوک روا رکھنا اس کے نزدیک سراسر ناجائز ہے ؂

اللہ تعالےٰ نے پوری اسلامی سیاست کا نقشہ سورۂ مائدہ کی صرف ایک آیت میں کھینچ دیا ہے جو یہ ہے :-

یاایھا الذین آمنوا کونوا قوّامین للّٰہ شہداء بالقسط ولا یجرمنّکم شنآن قومٍ علیٰ الّا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوٰے واتقوا اللّٰہ انّ اللّٰہ خبیرٌ بما تعملون ۝

(سورۂ مائدہ رکوع ۲)

(ترجمہ) "اے ایمان والو! تم انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے اللہ کے لئے استادہ ہو جاؤ۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ تم انصاف کرو۔ وُہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے یقیناً آگاہ ہے"۔

یہ ایسی اعلیٰ تعلیم ہے جو آج تک کسی مذہب و ملّت نے دُنیا کے سامنے پیش نہیں کی۔ دوسری اقوام عدل و انصاف کرتی ہیں تو صرف اپنے لوگوں کے ساتھ۔ مروّت اور محبت سے پیش آتی ہیں تو صرف اپنے ہم مذہب لوگوں کے ساتھ۔ نیکی اور حسنِ سلوک کرتی ہیں تو اپنے اعزّہ اور اقربا کے ساتھ۔ لیکن یہ شرف صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے عدل و انصاف اور ہمدردی و محبت کا دروازہ بلا لحاظ مذہب و ملّت اور بلا امتیاز رنگ و نسل کل اقوام عالم کے لئے کھول دیا ہے۔ اس پاکیزہ سیاست کے اوّلین علمبردار بانئ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تھے۔ ہم اپنی اس کتاب میں آپ کی اختیار کردہ سیاست پر ہی بحث کرینگے۔

عبد المتعال الصعیدی
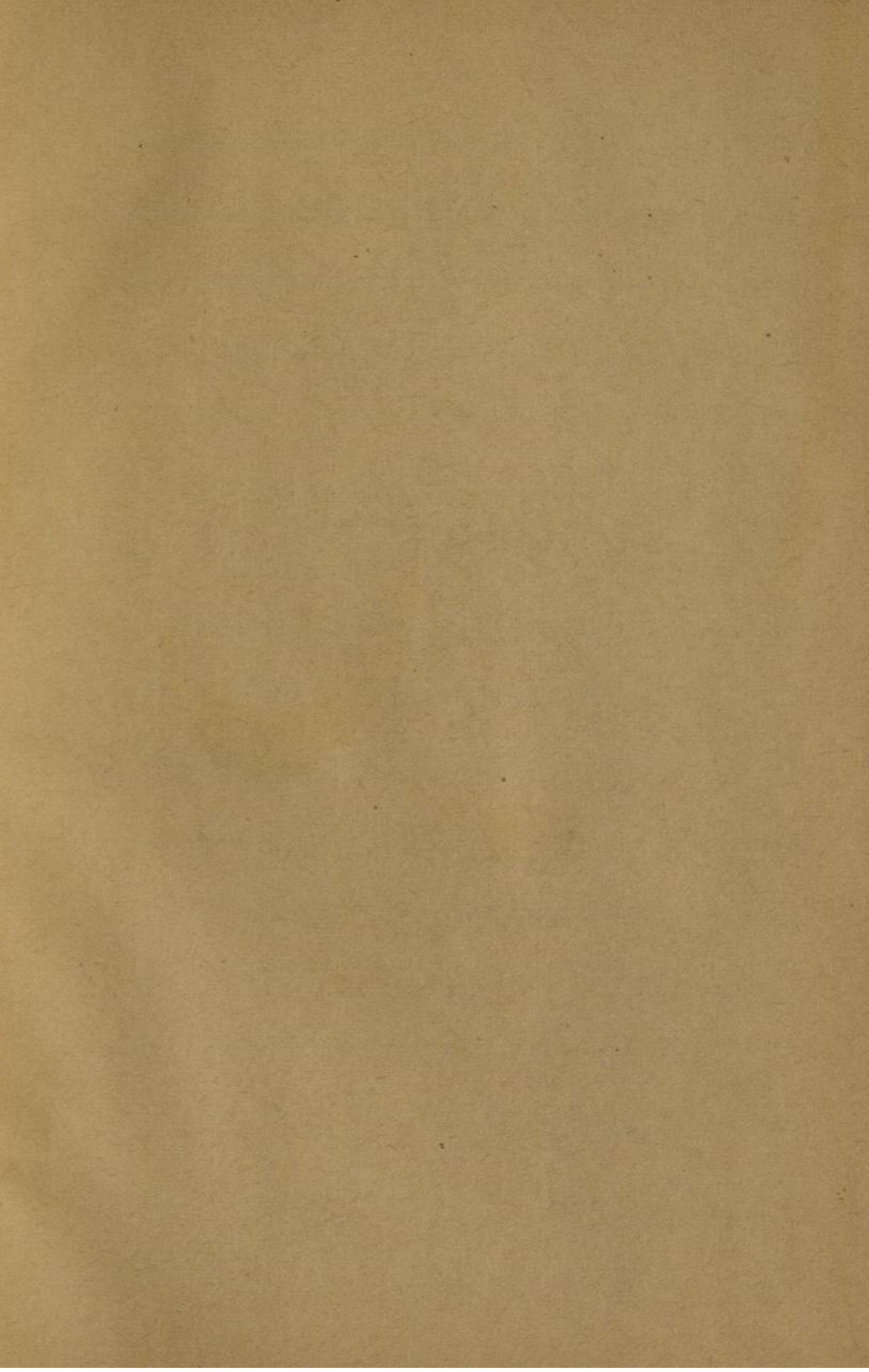
داخلی سیاست

قبل از ہجرت

(۱) دعوتِ اسلام کے سلسلے میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی حکیمانہ پالیسی

عہدِ نبویؐ کی سیاست کا تعلق بعض داخلی اور خارجی امور سے ہے جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔ سب سے اوّل یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اگرچہ دین کا تعلق عبادات اور افراد کے باہمی معاملات سے ہوتا ہے تاہم دین اور سیاست میں یک گونہ تعلق ضرور قائم ہے۔ دین ہی ہے جو میدانِ سیاست میں لوگوں کی صحیح رہنمائی کرتا ہے اور انہیں جادۂ حق و انصاف سے بھٹکنے نہیں دیتا۔ اگر دین کی قوت کار فرما نہ ہو تو لوگ گندی سیاست کی دلدل میں پھنس کر بآسانی ملک و ملّت کے لئے تباہی کے سامان پیدا کر سکتے ہیں ۔

لوگوں تک دعوتِ حق پہنچانے میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جس حکمتِ عملی سے کام لیا، اس کے باعث آپ بہت ہی قلیل عرصے میں کامیابی

وکامرانی سے ہمکنار ہوگئے۔ آپ نے مقصد کے حصول کی خاطر قوت اور تشدّد سے بالکل کام نہ لیا۔ جس کے نتیجے میں نہ صرف آپ کے متبعین کی جانیں محفوظ رہیں بلکہ آپ کا حیرت انگیز اخلاق اور صبر و استقلال دیکھ کر آپکے بدترین دشمن بھی کشاں کشاں آپ کی طرف چلے آئے۔ قوت و طاقت کا استعمال تو دُور کی بات ہے آپ نے کبھی درشتی اور تند خوئی سے بھی کام نہ لیا بلکہ آغازِ کار ہی سے بڑی نرمی اور محبت سے تبلیغ حق کا فریضہ انجام دیتے اور تدریجی طور پر یہ سلسلہ آگے بڑھاتے رہے۔ ایسا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی ایک زبردست مشیّت کام کر رہی تھی ؛

قبل ازیں جب کسی قوم کی طرف سے کوئی نبی مبعوث ہوتا تھا تو بالعموم انکار کرنے والوں کو خدائی عذاب کے ذریعے ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ لوگ انکار اور سرکشی میں حد سے گذر جاتے تھے۔ اور اُن کی ہدایت کی کوئی امید باقی نہ رہتی تھی۔ چنانچہ اسی سُنّت کے تحت حضرت نوحؑ کی قوم طوفان سے ہلاک ہوئی۔ حضرت ہودؑ کی قوم سخت آندھی کے عذاب سے نیست و نابود ہوگئی۔ حضرت صالحؑ کی قوم ہولناک زلزلے کے باعث صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ اسی طرح کا سلوک کئی اور انبیاء کی قوموں سے ہوا اور نافرمانی کی صورت میں ان کا نام و نشان مٹا کر آنیوالی قوموں کے لئے عبرت کا سامان مہیا کر دیا گیا۔ فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذّبین

اسی کی طرف اشارہ ہے ٭

دیگر اقوام کی طرح رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی قوم نے بھی سرکشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے لئے عذاب کا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ تھا کہ خاتم النبیّینؐ کی قوم کے ساتھ رحمت اور شفقت کا سلوک کیا جائے۔ اور اُسے اس حد تک مہلت دی جائے کہ وہ خود ہی کفر سے متنفر ہو کر اسلام کی آغوش میں آجائے۔ کیونکہ آگے چل کر اسے ہی دُنیا کی تمام قوموں کا رہبر و ہادی بننا اور خُدائی پیغام کو دُنیا کے گوشے گوشے تک پہنچانے کا فریضہ انجام دینا تھا۔ کفار کے اسی مطالبے کا ذِکر کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

واذ قالوا اللّٰھمّ ان کان ھٰذا ھو الحقّ من عندک فامطر علینا حجارۃ من السّمآء اوائتنا بعذاب الیم ٥ وما کان اللہ لیعذّ بھم وانت فیھم وما کان اللّٰہ معذّ بھم وھم یستغفرون (سورہ انفال ع ۴)

ترجمہ :۔ ” کفار کہتے ہیں کہ اے اللہ! اگر یہ دین اسلام سچا ہے۔ اور تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھّر برسا۔ یا ہم پر دردناک عذاب نازل کر۔ لیکن اللہ انہیں اس وقت تک عذاب نہیں دیگا جب تک اَے رسول تو ان میں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اس حالت میں بھی ان پر عذاب

نازل نہیں کرے گا۔ جب کہ وُہ استغفار کر رہے ہوں گے"۔

اِس مقصد کے پیشِ نظر کہ تبلیغ کے کام کو تدریجی طور پر وسعت دی جائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے ابتدا میں رؤسائے قوم کو اسلام قبول کرنے کی دعوت نہ دی۔ کیونکہ اسکے نتیجے میں آغاز کار ہی سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سخت مخالفت شروع ہو جاتی۔ اور سردارانِ قریش سختی سے اس امر کی روک تھام شروع کر دیتے کہ کوئی شخص بھی اسلام قبول نہ کرنے پائے۔ اسی خدشے کے پیشِ نظر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلے ان لوگوں کو دعوت اسلام دی جن کے متعلّق آپکو کامل یقین تھا کہ وہ اس پر لبّیک کہیں گے۔ چنانچہ آپ کی دعوت کے اوّلین مخاطب یہ لوگ تھے:۔

آپ کی اہلیہ حضرت خدیجہؓ۔ چچیرے بھائی حضرت علیؓ جنھیں آپ نے اپنے چچا ابو طالب سے لیکر خود پرورش کیا تھا۔ آپ کے غلام زیدؓ بن حارثہ جنھیں آپ نے متبنّیٰ بنا لیا تھا اور وہ زید بن محمد کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ اور حضرت ابو بکرؓ جو اگرچہ آپ کے خاندان میں سے نہیں تھے۔ لیکن آپ کے سب سے گہرے دوست تھے۔

ان لوگوں کے قبول اسلام سے نہ صرف ایک اسلامی برادری کا قیام عمل میں آگیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بھی اپنے کام میں بڑی مدد ملی۔ حضرت خدیجہؓ آپ کی جاں نثار بیوی تھیں۔ وہ حضور علیہ الصّلوٰۃ

والسلام کے دُکھ درد میں برابر کی شریک رہتی تھیں۔ اور امورِ رسالت کی بجا آوری کے دوران میں جن تکالیف کا آپ کو سامنا کرنا پڑتا تھا انہیں دُور کرنے کے لئے ہر دم کوشاں رہتی تھیں۔ جب کبھی مخالفین کی ایذا رسانیوں اور ستم آرائیوں سے آزردہ وافسردہ ہو کر آپ گھر تشریف لاتے تو اُس وقت حضرت خدیجہؓ کی محبت آمیز گفتگو ہی آپ کی تشفّی اور تسکین کا باعث ہوتی تھی۔ ان کا سارا مال ومتاع اللہ کے راستے میں وقف تھا۔ اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اسے دینی ضرورتوں پر خرچ کرتے رہتے تھے *

حضرت ابوبکرؓ صدیق کے مسلمان ہونے سے بھی اسلام کو زبردست فائدہ پہنچا۔ وہ مکّہ کے بہت بڑے تاجر تھے۔ بے نظیر اخلاق وعادات کے مالک تھے۔ انہی اخلاق کی بدولت قوم میں انہیں ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ اور معززینِ قوم ہر وقت ان کے پاس آتے رہتے تھے۔ وہ نہ صرف خود اسلام لائے بلکہ اپنی وجاہت اور حیثیت سے فائدہ اٹھا کر اپنے ملنے والوں کو بھی تبلیغ شروع کر دی۔ چنانچہ ان کی کوششوں سے حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ جیسی با اثر شخصیتیں اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو گئیں *

اِس طرح ابتدا ہی میں آپ کے اہلبیت اور مخلص دوستوں میں سے

آپؓ نے اسلام قبول کر لیا اور مکہ میں اسلام کی بنیاد قائم ہو گئی۔ یہ نتیجہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حکمتِ عملی کا کہ تبلیغِ اسلام کے کام کو آہستہ آہستہ ترقی دی جائے۔ اور ان امور سے احتراز کیا جائے جو اس کام میں رکاوٹ کا موجب ہوں۔ اگر آپ آغاز کار ہی سے اپنی دعوت کو عام کر دیتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ قوم کے بڑے بڑے لوگ اور با اثر سردار فوراً بھڑک اُٹھتے۔ اور قبل اسکے کہ قریش کو آپ کی پیش کردہ دعوت پر غور کرنے کا کوئی موقع ملتا بڑے لوگ اپنی بے پناہ مخالفت اور اپنے بڑھے ہوئے اثر و رسوخ کے باعث اسلام کی راہ میں زبردست رُکاوٹیں کھڑی کر دیتے۔ اور اہلِ مکہ کے لئے آپ کی دعوت پر لبیک کہنا بہت دُشوار ہو جاتا۔

(۲) اخفاءِ دعوت

تبلیغِ اسلام کا یہ سلسلہ اسی طرح آہستہ آہستہ جاری رہا۔ جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ نے ابتداء میں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی تھی وہ اپنے گہرے دوستوں اور قریبی عزیزوں کو تبلیغ کر کے اُنہیں بھی اس سعادت سے بہرہ ور کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتے تھے۔ لیکن چونکہ تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا یہ سلسلہ بالکل خفیہ تھا۔ اسلئے قریش میں

کوئی ہیجان و اضطراب پیدا نہ ہؤا۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم اطمینان سے اپنے کام میں مشغول رہے۔ نماز اور دیگر فرائضِ دینیہ کی بجا آوری کے لئے مسلمان مکّہ کی نواحی گھاٹیوں میں چلے جاتے۔ اور لوگوں کی نظروں سے چھپ کر عبادات بجا لاتے ؛

در ایں اثنا ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ نماز ادا کرنے کے لئے حسبِ معمول مکّہ کی ایک گھاٹی میں گئے۔ وہاں اتّفاقاً بعض مشرکین نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ اور جوش میں آکر لڑنے مرنے کو آمادہ ہو گئے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے بھی دبنا خلافِ مردانگی خیال کیا۔ اور اونٹ کے گوشت کا ایک بڑا سا لوتھڑا ایک مشرک پر دے مارا۔ جس سے وہ زخمی ہو گیا ؛

جب اس واقعہ کی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو پہنچی تو آپ نے آئندہ کے لئے ایسے واقعات کا سدِّ باب کرنے کی غرض سے اور بھی زیادہ تحمّل اور بُردباری سے کام لینا مناسب سمجھا۔ تا کہ اِس موقع پر جب کہ ہنوز دعوتِ اسلام کا سلسلہ ابتدائی مراحل میں تھا، قریش کو کوئی ایسا بہانہ ہاتھ نہ آسکے جس سے فائدہ اُٹھا کر وُہ مخالفت کا بازار گرم کر سکیں۔ اور اس طرح ان لوگوں کو فِتنہ میں مُبتلا کر سکیں

جنہیں اسلام قبول کئے زیادہ دِن نہیں گذرے تھے۔ اور جن کے دِلوں میں ایمان کامل طور پر راسخ نہیں ہؤا تھا۔ آپ ان ابتدائی مراحل میں قریش سے کھُلم کھلا ٹکّر لینا پسند نہ کرتے تھے۔ بلکہ چاہتے تھے۔ کہ اوّلین مسلمانوں کے دِلوں میں ایمان اس حد تک راسخ ہو جائے۔ کہ وہ اسلام کے مقابلے میں جان و مال اور اہل و عیال کی بھی پروا نہ کریں۔ دین کی محبت ان کی رگ و پے میں سرایت کر جائے اور وہ اپنی عزیز ترین چیز کو بھی اس راہ میں قربان کرنے میں ذرا ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں۔ حضورؐ کو معلوم تھا کہ جب آپ کے متّبعین کے دِلوں میں اس حد تک تبدیلی پیدا ہو جائے گی کہ وہ کفار کی ایذ رسانیوں کا پوری طرح مقابلہ کرسکیں گے۔ تو دشمنانِ اسلام کی بڑی سے بڑی دھمکی اور کسی قسم کا ظلم و تشدّد انہیں جادۂ استقامت سے ہٹا نہ سکے گا۔ لیکن اگر قریش کی مخالفانہ کارروائیوں کا سلسلہ آغاز کار ہی سے شرُوع ہو گیا تو بہت ممکن ہے کئی کمزور دل لوگ ضعفِ ایمان کے باعث ان کا مقابلہ نہ کرسکیں اور اس طرح اسلامی تحریک کو نقصان پہنچ جائے ٭

ان امُور کو پیشِ نظر رکھ کر آپ نے محسوس کیا کہ قلب مکّہ میں رہ کر اسلام کی دعوت کو خُفیہ نہیں رکھا جا سکتا۔ اس غرض کے لئے کوئی ایسی جگہ ہونی چاہیئے جو عام لوگوں کی نظروں سے دُور ہو اور جہاں ہر شخص بآسانی

نہ پہنچ سکے۔ اس غرض کے لئے آپ نے اپنے ایک مخلص صحابی ارقمؓ بن ابی ارقم مخزومی کے گھر کا انتخاب کیا۔ جو مکہ کی بستی سے کچھ دُور بجانب جنوب مشرق کوہ صفا کے دامن میں واقع تھا۔ آپ نے اس گھر کو اپنی دعوت اور تربیت کا مرکز بنایا۔ یہاں آپ لوگوں کو تبلیغ کرتے۔ صحابہؓ کو دینی تعلیمات سے آگاہ کرتے اور عبادات وغیرہ بجا لاتے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کو نماز کی ادائیگی کے لئے مکہ کی گھاٹیوں میں جانے کی ضرورت نہ رہی اور یہ خطرہ بھی باقی نہ رہا کہ کفار انہیں فرائضِ دینیہ بجا لاتے دیکھ کر مشتعل ہو جائیں گے۔ اور انہیں بزور روکنے کی کوشش کرینگے۔

چار سال تک آپ خاموشی سے اس گھر میں تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور اس طرح قریشِ مکہ کی اشتعال انگیزیوں، فتنہ پردازیوں اور ایذا رسانیوں سے محفوظ رہے۔ قریش کو احساس بھی نہ ہوا کہ عین وادئ مکہ میں ایک ایسی تحریک برگ و بار لا رہی ہے جو آگے چل کر اُن کے پورے نظام کو تہ و بالا کر دے گی۔ اور ایک وقت آتا ہے کہ مکہ کے ہر پیر و جوان کی زبان پر اسی تحریک کا نام ہوگا۔ اور ان کا ہر چھوٹا بڑا اسے نیست و نابود کرنے کی خاطر اپنی پوری قوت صرف کر دے گا۔ لیکن اُنہیں حسرت و ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

خاموشی سے فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کے باعث بہت کم لوگوں کی اس طرف

توجّہ ہو سکی۔ اور قریش کے اسلام قبول کرنے کی رفتار بہت سست رہی
لیکن اس کا طریقہ وہی تھا جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار
کیا۔ اس طرح نہ صرف آپ قریش کی مخالفت اور ایذا رسانیوں سے
محفوظ رہے بلکہ اپنے فدائیوں اور محبّوں کا ایک مضبوط حلقہ قائم کرنے میں
بھی کامیاب ہو گئے۔ اس دوران میں صرف وہی لوگ اسلام لائے جنہیں
آپ کی صداقت پر کامل یقین تھا اور جن کے دِلوں پر آپ کے پاک نمونہ
نے ایسا اثر ڈالا تھا۔ جو کبھی دُور نہ ہو سکتا تھا۔ چونکہ آپ کی دعوت کا
دائرہ محدُود تھا۔ اسلئے کوئی شخص جاسُوسی اور فتنہ و فساد کے ارادے سے
آپ کے پاس نہ آسکتا تھا ؃

قریش اس نئی تحریک سے لاعلم تو نہ تھے۔ انہیں اس کے متعلّق خبریں
تو مِلتی تھیں لیکن بُہت مبہم صورت میں۔ ان کے ذہنوں میں اسلام کا کوئی
واضح تصوّر نہ تھا۔ اسی لیئے انہوں نے اسکی مخالفت کی چنداں ضرورت
محسوس نہ کی۔ اور ان میں اس وقت اس کے خلاف وُہ جوش و خروش
پیدا نہ ہُوا۔ جس نے آگے چل کر مکّہ کے درو دیوار کو ہلا دیا تھا۔ اس عرصہ
میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو اپنے متبعین کے دِلوں میں اسلام
کی کامل محبّت پیدا کرنے اور اصولِ دین راسخ کرنے کا موقعہ مِل گیا۔
اور آئندہ کسی شخص کے لیئے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ مسلمانوں کو انکے موقف سے

بال برابر بھی ہٹا سکتا اور انہیں انکے عقائد سے منحرف کر سکتا۔

(۳) سلسلۂ تبلیغ میں تدریجی ترقی

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم خاموشی سے فریضۂ تبلیغ کی بجاآوری میں منہمک رہے۔ اور حتی المقدور قریش سے کُھلّم کُھلا ٹکر لینے سے پہلوتہی کرتے رہے۔ تا آنکہ قریش کے دو بہادر اور نڈر انسان اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ دو اشخاص حضرت عُمرؓ بن خطاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے چچا حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب تھے۔ حضرت عمرؓ حضرت حمزہؓ کے بعد اسلام لائے تھے۔ ان کے اسلام قبول کرنے پر مسلمانوں میں بڑی خوشی منائی گئی۔ دارالارقم نعرۂ تکبیر سے گونج اُٹھا۔ اور اس کی آواز خانۂ کعبہ تک سُنائی دی۔ وجہ یہ تھی کہ وہ بہت بہادر اور جری انسان تھے۔ اور اپنے موقف کے مقابلے میں کسی کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔

اسلام لانے کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے عرض کیا:۔

"یارسولؐ اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:۔

"یقیناً ہم حق پر ہیں"

حضرت عمرؓ نے عرض کیا :-

"تب ہمیں چھپ کر عبادات بجا لانے کی کیا ضرورت ہے"؟

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا - اس وقت مناسب یہی ہے کہ ہم اپنا کام خاموشی سے کریں - لیکن حضرت عمرؓ نے اصرار کیا کہ ہمیں کفّار کی مخالفت کو نظر انداز کر کے ارکان دین علانیہ بجا لانے چاہئیں - بالآخر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی بات مان لی اور تمام مسلمان دار الا بی ارقم سے خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہو گئے - حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ تلواریں کھینچے آگے آگے تھے - خانہ کعبہ پہنچ کر مسلمانوں نے رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اقتداء میں نماز ادا کی - اور نماز کے بعد اسی طرح دار الارقم واپس چلے گئے جس طرح آئے تھے - قریش نے ایسا نظّارہ کب دیکھا تھا - انہیں سخت تشویش پیدا ہوئی اور معلوم ہو گیا کہ اُن کے آبائی دین کے مقابلے میں ایک نیا دِین پیدا ہو چکا ہے - اور جلد یا بدیر انہیں اس کے استیصال کی طرف متوجّہ ہونا ہی پڑے گا - مبادا یہ دین جڑ پکڑ کر ان کے پُرانے رُسوم و رواج کی تباہی کا موجب بنے اور قریش میں ایک عظیم تفرقے کی بُنیاد پڑ جائے ؎

(۴) رشتے داروں کو تبلیغ کی ابتداء

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف سے دعوتِ اسلام کے علانیہ اظہار کے باعث یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ اب کفّار کھلّم کھلّا مقابلے پر آجائیں گے۔ لیکن اللہ تعالےٰ کا منشاء تھا کہ ابھی یہ صورت پیدا نہ ہو۔ تاکہ ابتدا ہی میں اسلام کی ترقّی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا نہ ہو سکیں۔ بالکل خفیہ طور پر فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کا زمانہ تو گذر چکا تھا۔ لیکن ابھی وُہ دور نہ آیا تھا کہ کھلم کھلا اس سلسلے کا آغاز کر دیا جاتا۔ چنانچہ اس غرض کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو حکم دیا۔ کہ وُہ فی الحال اپنے قریبی رشتے داروں کو تبلیغ کرنے پر اکتفا کریں۔ چنانچہ فرمایا:۔

وانذر عشیرتك الاقربین۔ واخفض جناحك لمن تبعك من المومنین۔ فان عصوك فقل انی بریءٌ ممّا تعملون (سورہ شعراء ع ۱۱)

(ترجمہ) "اے نبی! اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈراؤ اور جن لوگوں نے تم پر ایمان لا کر تمہاری اطاعت اختیار کی ہے ان سے مہربانی کا برتاؤ کرو۔ پس اگر کفّار تمہاری باتیں سُننے سے انکار کر دیں تو کہہ دو کہ جو کچھ

تم کرتے ہو مَیں اس سے بری ہوں"۔

یہ حکم ملنے پر رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے سب سے قریبی عزیزوں (بنو عبدالمطلب) کی دعوت کی جو تعداد میں پینتالیس تھے۔ اور کھانے کے بعد یہ تقریر فرمائی :۔

"اے بنو عبدالمطلب ! اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور تم لوگ تو خاص طور پر میرے مخاطب ہو۔ مَیں تمہیں دو باتوں کی دعوت دیتا ہوں۔ اوّل شہادتِ توحید اور دوم اقرارِ رسالت۔ ان کا زبان سے ادا کرنا تو بہت آسان ہے لیکن میزانِ اجر میں ان کا وزن بہت بھاری ہے۔ تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میری مدد کرنے پر آمادگی ظاہر کرتا ہے"؟

آپ کے دیگر رشتے داروں نے گو اسلام قبول کرنے پر تو آمادگی ظاہر نہ کی۔ لیکن مخالفت بھی نہ کی اور بہت نرمی سے گفتگو کرتے رہے۔ البتّہ آپکے چچا ابُولہب کو بہت طیش آیا۔ اور اُس نے اُٹھ کر کہا :۔

"اے بنو عبدالمطلب ! قبل اسکے کہ تمام عرب محمدؐ کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائیں، تم خود پر زور مخالفت سے اسے بے دست و پا کردو۔ یاد رکھو اگر تم نے اس کی اطاعت قبول کر لی تو تمام قبائل عرب کے سامنے تمہیں سخت ذلّت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اگر تم نے اسے بچانے کی

کوشش کی تو تم خود تباہ ہو جاؤ گے"۔

ابو لہب کی بات کا جواب خود اسکے بھائی ابو طالب نے ان الفاظ میں دیا کہ "ہم قبائلِ عرب کی مخالفت سے نہیں ڈرتے۔ جب تک ہم میں دم رہے گا محمدؐ کی حفاظت کریں گے۔ اور اسے دشمنوں کے ہاتھوں سے بچائیں گے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے صرف بنو عبدالمطلب کو نہیں بلکہ کل بنو عبد مناف کو (جن میں بنو عبدالمطلب بھی شامل تھے) جمع کیا تھا اور ان کے سامنے یہ تقریر کی تھی :-

"پانی کی تلاش کرنے والا اپنے اہل وعیال سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا خدا کی قسم! میں تمہارے سامنے نہ کوئی خلافِ واقعہ بات کروں گا اور نہ تمہیں دھوکا دینے کی کوشش کروں گا۔ مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ مَیں تمام مخلوق اور بالخصوص تمہاری طرف رسُول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ خدا کی قسم! تم پر موت اسی طرح آئے گی جس طرح تم سوتے ہو۔ اور تمہیں اسی طرح اُٹھایا جائے گا جس طرح تم بیدار ہوتے ہو۔ قیامت میں تم سے ان اعمال کا حساب لیا جائیگا جو تم نے اس دُنیا میں کئے ہوں گے تمہیں نیکی کا بدلہ نیکی سے اور بُرائی کا بُرائی سے دیا جائیگا۔ اور حساب کتاب لینے کے بعد اعمال کے مطابق تمہیں جنّت یا دوزخ میں داخل کیا جائیگا"۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی یہ تقریر اور تو سب لوگ خاموشی سے سُنتے رہے۔ لیکن آپ کے چچا ابُو لہب نے طیش میں آکر وہی باتیں کہیں جن کا ذکر سطور مندرجہ بالا میں آچکا ہے ؂

اس موقع پر اسلام کی ایک اور خُوبی آشکارا ہوئی۔ اور وہ یہ کہ وہ ان لوگوں کا تعاون قبول کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا جنہیں گو قبولِ حق کی سعادت تو نصیب نہ ہوئی ہو لیکن وہ مُسلمانوں کی مدد کے لئے کمربستہ ہوں۔ چنانچہ ابوطالب نے اگرچہ آبائی دین کو چھوڑکر اسلام قبول کرنا گوارا نہ کیا لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ہر طرح حمایت کرنیکے عزم کا اظہار کردیا اور ان کی تقلید میں بیشتر بنو عبد مناف نے بھی ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان کے اس رویّے پر کوئی اعتراض نہ کیا اور امداد کی پیشکش کو بخوشی قبول کرلیا۔ اگر آپ کی جگہ کوئی کوتاہ بین دینی رہنما اور کم سواد سیاستدان ہوتا تو وہ دستِ تعاون دراز کرنے والے لوگوں سے سب سے پہلے ایمان لانے کا مطالبہ کرتا۔ اور اگر وُہ اپنا آبائی دین چھوڑنے سے انکار کرتے تو وُہ ان کی پیشکش کو بھی رد کردیتا۔ لیکن اسلام رواداری اور وسعتِ قلبی کے مقابلے میں دُوسرے ادیان سے بالکل مختلف ہے۔ اور اگر کوئی شخص نیک نیتی سے اسکی طرف اپنا دستِ تعاون دراز کرتا ہے تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار نہیں کرتا۔

خواہ وہ شخص ہنوز ایمان کی نعمت سے بہرہ ور نہ ہوا ہو ۔

اس صورت حال کے باعث قریش بہت بڑی اُلجھن میں گرفتار ہو گئے تھے ۔ اب ان کا مقابلہ اکیلے محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) سے نہ تھا بلکہ مکّہ کے ایک طاقتور قبیلے بنو عبد مناف سے تھا جو گو اپنے آبائی دین پر قائم تھا لیکن اسکے باوجود محمدؐ کی حمایت کا عہد کر چکا تھا ۔ قریش کو ڈر تھا کہ اگر اُنہوں نے بنو عبد مناف کو ناراض کر دیا تو کہیں وُہ اس نئے دین میں شمولیت اختیار کرنے پر آمادہ نہ ہو جائیں اور اس طرح دیگر قبائل میں اسلام کے نفوذ کا راستہ کھُل جائے ۔ اسکے باوجود ان کیلئے اس نئی تحریک کی طرف سے آنکھیں بند کر لینا بھی ممکن نہ تھا ۔ کیونکہ اسکی ترقی کو وہ اپنے لئے سخت خطرہ محسوس کرتے تھے ۔

اس عظیم مشکل اور اُلجھن پر قابو پانے کے لئے قریش نے یہ تدبیر سوچی کہ محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کی حمایت کرنے کے باعث نہ تو بنو عبد مناف سے پہلے جیسے مخلصانہ اور برادرانہ تعلقات رکھے جائیں اور نہ ہی انہیں ان کے موقف سے ہٹانے کے لئے زیادہ سختی سے کام لیا جائے ۔ اگر کبھی سختی بھی کرنی پڑے تو محض اس حد تک کہ بنو عبد مناف ان کے خلاف آمادۂ پیکار نہ ہونے پائیں ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص تدبیر تھی جو اس نے اپنے فضل و کرم سے اس نازک مرحلہ پر مسلمانوں کی

حفاظت اور اسلام کی ترقی کے لئے نازل فرمائی۔ کیونکہ وُہ جانتا تھا۔ کہ آگے چل کر قریش اسلام کی کس قدر مخالفت کرینگے۔ لیکن اُنہیں بہر حال اسلام قبول کرنا ہی پڑے گا ۔

(۵) قریش کو تبلیغ

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے دیکھا کہ ابو طالب اور بنو عبد مناف آپ کی پُشت پر ہیں۔ تو آپ نے اپنی تبلیغ کا دائرہ دیگر قبائلِ قریش تک بھی وسیع کرنا چاہا۔ آپ جبل صفا پر چڑھے اور ہر قبیلے کا نام لیکر پکارنا شروع کیا :۔

" اے بنو فہر! اے بنو عدی! پہاڑ پر جمع ہو جاؤ اور میری بات سُنو"۔

چنانچہ تھوڑی دیر میں قریش کی ایک معتد بہ تعداد پہاڑ پر جمع ہو گئی۔ اگر کوئی شخص خود نہ جاسکا تو اپنی بجائے کسی اور شخص کو بھیج دیا۔ جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کھڑے ہوئے۔ اور فرمایا :۔

" اے قریش! اگر مَیں تُمہیں کہوں کہ دشمنوں کی ایک فوج اس پہاڑ کے دامن میں ڈیرے ڈالے پڑی ہے۔ اور موقع پاکر تمہیں لوٹنا چاہتی ہے۔ تو کیا تم میری بات کا یقین کر لو گے"؟

سب لوگوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا :-

"یقیناً۔ کیونکہ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے دیکھا نہ سُنا"۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا :-

"تب میں تمہیں ایک ہولناک عذاب کی خبر دیتا ہوں جو بداعمالیوں کی پاداش میں تم پر نازل ہونے والا ہے۔ اس سے بچاؤ کی ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ یہ کہ بُتوں کی پرستش چھوڑ کر خدائے واحد کے پرستار بن جاؤ"۔

یہ سن کر ابو لہب کھڑا ہُوا۔ اور کہنے لگا :-

"تجھ پر ہلاکت ہو (نعوذ باللہ) کیا اِسی لئے تُو نے ہمیں جمع کیا تھا"۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ لہب نازل کی۔ جس میں فرمایا :-

تبّت یدا ابی لھبٍ وتب۔ ما اغنیٰ عنہ مالہ وما کسب۔ سیصلیٰ ناراً ذات لھب وامراتہ۔ حمالۃ الحطب فی جیدھا حبل من مسد ط

(ترجمہ) "ہلاک ہو گئے ابو لہب کے دونوں ہاتھ اور وہ خود بھی ہلاک ہو گیا۔ نہ اس کا (موروثی) مال اسکے کام آیا۔ اور نہ وہ جو اُس نے خود کمایا۔ عنقریب وُہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گا۔ اور اس کی بیوی بھی جو جنگل میں جا کر ایندھن اُٹھایا کرتی ہے۔ اس کی گردن میں مونج کا

پھندا ہوگا"۔

اس واقعہ کے بعد قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے درمیان کھلّم کھلاّ مخالفت شروع ہوگئی۔ لیکن ابوطالب نے اپنی روش کو نہ چھوڑا۔ اور وہ اپنے آبائی دین پر قائم رہنے کے باوجود بھتیجے کی حمایت پر کمربستہ رہے۔ چونکہ قریش کو ابوطالب کی بزرگی، شرافت اور سیادت کا کچھ نہ کچھ پاس تھا۔ اور یہ بھی خیال تھا کہ انہوں نے محمدؐ کی حمایت کرنے کے باوجود اپنے آبائی مذہب کو ترک نہیں کیا۔ اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مخالفت میں شدّت اختیار نہ کی اور یہ خیال کیا کہ وہ ابوطالب پر زور ڈال کر ان کے بھتیجے کو اس کے نئے دین کی اشاعت وتبلیغ سے باز رکھ سکیں گے۔ چنانچہ اسی خیال کے تحت وُہ ایک دن ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے :۔

ابوطالب! تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہتا ہے۔ ہمارے دین میں نقص نکالتا ہے۔ ہمارے معزّز لوگوں کو بے وقوف ٹھہراتا ہے اور ہمارے آباواجداد کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ ہم تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ یا تو اسے ان باتوں سے روک دو یا ہمیں اجازت دو کہ ہم خود اس سے دوٹوک فیصلہ کرلیں۔ ہم نے یہ باتیں تم سے اِس لئے کی ہیں کہ تم بھی ہماری طرح آباواجداد کے دین پر قائم اور محمدؐ کی باتوں کو جو وہ ہمارے

دین کے خلاف کرتا ہے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہو"۔

ابوطالب نے انہیں مناسب الفاظ میں سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔ قریش کو توقّع تھی کہ ابوطالب کو کہہ سُن کر توحید کی تبلیغ بند کرا دیں گے۔ لیکن جب نتیجہ ان کی توقّعات کے برخلاف نکلا۔ تو وہ دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے :-

"ابُوطالب! ہم تمہاری شرافت اور بزرگی کی وجہ سے تمہاری عزّت کرتے ہیں۔ ہم نے تم سے درخواست کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو ہمارے معبُودوں کی تحقیر و تذلیل اور ہمارے دین کی اہانت کرنے سے باز رکھو۔ لیکن افسوس تم نے ایسا نہ کیا۔ خدا کی قسم! اب ہم اپنے آبا و اجداد پر سب و شتم، بزرگوں کی تحقیر و تذلیل اور معبودوں کی اہانت کو کسی طرح برداشت نہ کرینگے۔ یا تو آپ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے منع کر لیجئے ورنہ ہم محمدؐ کے ساتھ آپکے مقابلے پر بھی کمربستہ ہوجائینگے۔ اور اس وقت تک بس نہ کریں گے جب تک دونوں فریقوں میں سے ایک تباہ و برباد نہ ہو جائے"۔

ابوطالب اس دھمکی سے مرعوب ہوگئے۔ اور انہوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بُلا کر کہا :-

"اے میرے بھتیجے! تیری قوم میرے پاس آئی تھی اور یہ کہتی تھی۔ تو اپنے ساتھ میری جان پر بھی رحم کر۔ اور مجھ پر وُہ بوجھ نہ ڈال جس کے

اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہیں "۔

ابوطالب کی زبان سے یہ باتیں سن کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خیال پیدا ہؤا کہ چچا کے پائے استقلال میں لغزش آگئی ہے اور اب وہ آئندہ کے لئے ان کی حمایت و نُصرت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھانے کے لئے تیار نہیں۔ آپ نے فرمایا :-

"چچا! اگر یہ لوگ سُورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں لا کھڑا کریں اور مجھ سے مطالبہ کریں کہ میں دینِ اسلام کی اشاعت کا یہ کام چھوڑ دُوں تب بھی مَیں اسے ترک نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غلبہ عطا فرمائے یا مَیں خود اس کوشش میں ہلاک ہو جاؤں "۔

یہ کہتے کہتے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر رقّت طاری ہوگئی۔ اور آپ اُٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ بھتیجے کی باتوں کا چچا کے دل پر بھی بہت اثر ہؤا۔ اور اُنہوں نے کہا :-

"بھتیجے! جاؤ اور اپنے کام میں لگے رہو۔ خدا کی قسم! میں تمہیں کبھی نہ چھوڑوں گا۔ اور قوم کی باتوں کی مطلق پروا نہ کروں گا "۔

جب قریش کو معلوم ہؤا کہ ابوطالب بدستور اپنے بھتیجے کی حمایت پر کمربستہ ہیں۔ اور اُنہوں نے اس کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا ہے۔ تو انہوں نے ایک نئی چال چلی۔ وہ تیسری بار پھر ابوطالب کے پاس پہنچے۔

اور اپنے ساتھ ولید بن مغیرہ کے بیٹے عمارہ کو بھی لیتے گئے۔ اُن کے پاس پہنچ کر کہنے لگے :-

"ابو طالب! یہ عمارہ بن ولید ہے جس کا حُسن و جمال اور عقل و خرد میں جواب نہیں ہے۔ تم محمدؐ کے بدلے اسے لیکر اپنا بیٹا بنا لو۔ اور اپنے بھتیجے کو قتل کرنے کے لئے ہمارے حوالے کر دو۔ کیونکہ اس نے ہمارے اور تمہارے دین کی مخالفت کر کے قوم میں ایک انتشار اور عظیم فساد برپا کر دیا ہے"۔

ابو طالب نے جواب دیا :-

"یہ عجیب سودا ہے۔ تمہارے بیٹے کو لے کر پرورش کروں۔ اور اپنے بیٹے کو قتل کرنے کے لئے تمہارے حوالے کر دوں۔ خُدا کی قسم! ایسا کبھی نہ ہوگا"۔

یہ سب نتیجہ تھا اس امر کا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے چچا کے ایمان نہ لانے کے باوجود ان کی حمایت میں آجانا قبول کر لیا تھا۔ اسی کے زیر اثر ابو لہب جیسے شدید دشمنِ اسلام کو بھی بعض اوقات آپ کی اور آپ کے متبعین کی حمایت کے لئے مجبور ہونا پڑتا تھا۔ چنانچہ ذیل کا واقعہ اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہے :-

ابو لہب کے بھانجے ابو سلمہ نے بھی دیگر مسلمانوں کے ہمراہ حبشہ کی

جانب ہجرت کی تھی۔ بعد میں جب کچھ لوگ وہاں سے واپس آئے۔ تو وہ بھی اُن کے ساتھ آگیا۔ اور اپنے خالو ابو طالب کی پناہ میں داخل ہو گیا۔ اسکے خاندان (بنو مخزوم) کے لوگ ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے :-

"ابو طالب! یہ کیا؟ تم نے اپنے بھتیجے محمدؐ کو تو اپنی پناہ میں لیکر ہماری مخالفت کو بے اثر کر ہی دیا ہے اب ہمارے آدمی کو بھی اپنی حفاظت میں لیکر ہماری طاقت کو کمزور کرنا چاہتے ہو؟"

ابو طالب نے جواب دیا :-

"اس نے مجھ سے پناہ طلب کی تھی۔ میں انکار کیسے کر سکتا تھا؛ دوسرے وہ میرا بھانجا ہے۔ اگر میں اپنے بھتیجے کو پناہ دے سکتا ہوں تو بھانجے کو بھی دے سکتا ہوں۔ تم مجھے اس سے روکنے والے کون ہوتے ہو؟"

جب ابو لہب نے دیکھا کہ قریش ان کے بھائی کو بے جا تنگ کر رہے ہیں۔ اور کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتے۔ تو اس کی حمیّت بھی جوش میں آئی۔ اور وہ کہنے لگا :-

اے قریش! تم نے اس بوڑھے شخص کو تنگ کرنے پر کمر باندھی ہے اگر اس نے چند لوگوں کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ تو تمہیں اعتراض کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟ یا تو تم باز آجاؤ۔ ورنہ پھر ہم بھی اس کی کامل

حمایت کے لئے مجبور ہو جائینگے - اور تمہیں سخت زک اُٹھانی پڑے گی"۔

جب لوگوں نے دیکھا کہ ابو لہب بھی اپنے بھائی کی حمایت میں کھڑا ہو گیا ہے۔ تو اُنہوں نے خاموشی سے واپس چلا جانا ہی مناسب سمجھا اور ابو سلمہ بدستور ابو طالب کی پناہ میں رہا ۔

مسلمانوں اور بنو عبد مناف کے درمیان رشتۂ مودّت مضبوط تر ہوتا چلا گیا - اور قریش اسے توڑنے میں یکسر ناکام رہے۔ آخر انہوں نے جھنجھلا کر ایک باہمی معاہدے کے ذریعے بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کا بائیکاٹ کرنے اور انہیں مکّہ سے نکالنے کا فیصلہ کیا۔ بنو عبد مناف کے یہی دو خاندان مسلمانوں کی حمایت پر سب سے زیادہ کمربستہ رہتے تھے - یہ لوگ مکّہ سے نکل کر شعب ابی طالب میں چلے گئے - اور قریش نے سختی سے ان کی ناکہ بندی شروع کر دی - نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتے تھے اور نہ ان تک کھانے پینے اور ضروریاتِ زندگی کی کوئی چیز پہنچنے دیتے تھے ۔

یہ محاصرہ تین سال تک جاری رہا - مسلمانوں نے یہ طویل عرصہ انتہائی مصیبت اور تکلیف کے ساتھ بسر کیا۔ یہاں تک کہ بھوک کی شدّت کے باعث بسا اوقات درختوں کے پتے چبانے کی نوبت بھی آجاتی تھی آخر چند سردارانِ قریش کے جذبۂ ترحم نے انگڑائی لی - اور وُہ اس ظالمانہ

معاہدے کو منسوخ کرنے پر تُل گئے۔ ان لوگوں میں ہشام بن عمرو العامری، زہیر بن ابی امیّہ مخزومی، مطعم بن عدی نوفلی، ابوالبختری بن ہشّام اسدی اور زمعہ بن اسود اسدی شامل تھے۔ ایک رات ان لوگوں نے اکٹھے ہو کر ایک سازش کی، جس کے بموجب اگلے روز زہیر خانۂ کعبہ گیا۔ اور طواف کرنے کے بعد قریش کی مجلس میں پہنچا جو کعبہ میں جمی ہوئی تھی۔ وہاں پہنچ کر کہنے لگا:۔

"اے اہلِ مکّہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہم تو آزادی سے کھاتے پیتے ہیں۔ لیکن بنو ہاشم اور بنو مطلب بھوک اور پیاس کے باعث جاں بلب ہیں۔ نہ ان تک کھانے پینے کی کوئی چیز پہنچنے دی جاتی ہے اور نہ انہیں خرید و فروخت کی اجازت ہے۔ خدا کی قسم! میں تو اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ پارہ پارہ نہ ہو جائیگا"

یہ سُن کر ابوجہل کہنے لگا:۔

"تو جُھوٹ بولتا ہے یہ معاہدہ ہرگز منسُوخ نہ ہوگا"۔

زمعہ نے کہا:۔

"خُدا کی قسم! تو سب سے جُھوٹا ہے۔ جس وقت یہ معاہدہ لکھا گیا تھا ہم تو اس وقت بھی راضی نہ تھے"۔

ابوالبختری (جو پہلے ہی اس سازش میں شریک تھا) بول اُٹھا:۔

"زمعہ سچ کہتا ہے - واقعی یہ معاہدہ منسُوخ ہونا چاہیئے"۔
مطعم نے بھی ابو البختری کی تائید کی اور کہا:-
"زمعہ اور ابو البختری سچ کہتے ہیں - اور جو شخص ان کے خلاف کہتا ہے جھوٹ بکتا ہے"۔
ہشّام نے بھی ان لوگوں کی تائید کی۔
اس کے بعد مطعم اُٹھا - اور معاہدہ کا کاغذ نکال کر اسے چاک چاک کر دیا - اس طرح یہ ظالمانہ معاہدہ ختم ہوُا - اور مسلمانانِ مکّہ اپنے اپنے گھروں میں واپس آ گئے۔

(۶) ہجرتِ حبشہ

محاصرہ تو ختم ہو گیا - لیکن قریش کی مخالفت کا سلسلہ بدستور جاری رہا - اس دوران میں کفّار کے مظالم کا نشانہ سب سے زیادہ ان مسلمانوں کو بننا پڑا جن کی مکہ میں رشتے داریاں نہ تھیں - مثلاً بلال رضؓ بن رباح اور خبابؓ بن ارت - حضرت بلالؓ امیّہ بن خلف کے غلام تھے - وہ بدبخت ان کی گردن میں رسّی ڈال کر انہیں بچّوں کے سپرد کر دیتا - بچّوں کو ایک دلچسپ مشغلہ ہاتھ آجاتا - اور وہ رسّی اپنے ہاتھوں میں لے کر شور مچاتے ہنسی ٹھٹھا کرتے انہیں مکّہ کی گلیوں میں پھرایا کرتے - لیکن اس حال میں

بھی ان کی زبان سے "احد-احد" ہی کے الفاظ جاری رہتے۔ امیّہ سخت گرمی کے موسم میں دوپہر کے وقت انہیں مکّہ سے باہر لے جاتا۔ اور انکے جسم سے کپڑا اُتار کر تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتا۔ وہ ریت اس قدر گرم ہوتی تھی کہ اگر گوشت کا ٹکڑا اس پر رکھ دیا جاتا تو وُہ بھی پک جاتا۔ ریت پر لِٹا کر وُہ کوئی بہت بڑا پتھّر لے کر ان کے سینے پر رکھ دیتا۔ اور کہتا کہ یا تو عقیدۂ توحید سے انکار کرو۔ اور لات وعزّیٰ کو اپنا معبود تسلیم کرو۔ ورنہ اسی طرح اذیّتیں دے دے کر جان سے مار ڈالوں گا۔ لیکن اس حالت میں بھی ان کی زبان سے جو الفاظ نکلتے وہ اَحَد اَحَد ہی کے ہوتے۔ امیّہ کے اس ظلم وستم کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے بلالؓ کو خرید کر آزاد کر دیا۔

خبّابؓ بھی ایک غلام تھے۔ ان کی مالکہ کا نام ام انمار تھا۔ وُہ لوہے کو آگ میں گرم کر کے ان کی پیٹھ پر رکھ دیتی جس سے ان کی چربی باہر نکل آتی۔ لیکن اس قدر رُوح فرسا مظالم کے باوجود اُنکے پائے استقلال میں جُنبش تک نہ آتی۔ اور ان کا ایمان روز بروز ترقّی کرتا چلا جاتا۔ ایک روز وہ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:-

"یا رسولؐ اللہ! آپ خُدا سے دُعا کریں کہ وُہ ہمیں کفّار کے ان

مظالم سے نجات دلائے "۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا :-

" تم ابھی سے گھبرا گئے۔ حالانکہ تم سے پہلی اُمتوں میں ایسے ایسے بندگانِ خدا گزر چکے ہیں۔ جن کے گوشت کو لوہے کی کنگھیوں سے نوچا گیا۔ اور سروں پہ آرے رکھ کر چیر دیا گیا۔ لیکن انہوں نے اُف تک نہ کی۔ ایک وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غلبہ عطا فرمائیگا۔ اور ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا۔ اور اسے راستے میں اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہوگا "۔

البتّہ جن لوگوں کی مکہ میں رشتہ داریاں تھیں وہ کفار کے مظالم سے کسی حد تک محفوظ رہتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں مذکور ہے۔ کہ بنو مخزوم کے چند لوگ ولید بن مغیرہ کے مسلمان ہونے پر اس کے بھائی ہشام بن ولید کے پاس آئے۔ اسی زمانے میں چند اور نوجوانوں نے بھی اسلام قبول کیا تھا۔ جن میں سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ بھی تھے۔ ان لوگوں نے ہشّام سے کہا کہ ہم ان نوجوانوں کو کچھ سرزنش کرنا چاہتے ہیں جنھوں نے محمدؐ کا لایا ہوُا یہ نیا دین قبول کر کے تفرقے کی راہ کھول دی ہے۔ تاکہ دوسرے نوجوان اسلام قبول کرنے سے باز رہیں۔ ہشام نے جواب دیا کہ جہاں تک سرزنش کا تعلق ہے تم بہت خوشی سے

کر سکتے ہو۔ لیکن یاد رکھنا کہ اگر تم نے ان میں سے ولید کو قتل کر دیا تو جب تک میں اسکے بدلے تمہارے سب سے معزز آدمی کو قتل نہ کر دوں گا۔ چین سے نہ بیٹھوں گا۔ یہ الفاظ سن کر ان لوگوں نے کہا:۔

"یہاں سے چلو۔ ہشام پر خدا کی لعنت ہو۔ اس کی باتوں سے کون شخص دھوکا کھا سکتا ہے۔ اگر ولید کو ہمارے ہاتھوں کوئی ضرر پہنچ گیا۔ تو یہ یقیناً ہمارے کسی معزز آدمی کو قتل کر دیگا"۔

قریش کی روز افزوں مخالفت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے صحابہؓ کو ان کی ایذا رسانیوں اور ظلم وستم سے محفوظ رکھنے کی ایک اور راہ نکالی۔ آپ نے انہیں جمع کیا اور فرمایا:۔

"تم پر مظالم کی انتہا ہو چکی ہے۔ تم مکّہ سے نکل کر خدا کی زمین میں پھیل جاؤ۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ اللہ تعالےٰ تمہیں پھر ایک جگہ جمع کر دے گا"۔

یہ کہہ کر آپ نے حبشہ کی جانب اشارہ کیا۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے انہیں واضح الفاظ میں حبشہ جانے کا ارشاد فرمایا اور کہا:۔

"وہاں اس وقت ایک ایسا بادشاہ تخت پر متمکّن ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ وُہ سرزمین انشاء اللہ تمہارے لئے امن اور راحت کا

موجب ہوگی۔ تم وہاں اس وقت تک رہو جب تک اللہ تعالیٰ تمہارے لئے امن اور عافیت کی کوئی اور راہ نہ کھول دے۔ اور مکہ میں اس وقت تم پر جو مظالم ڈھائے جاتے ہیں ان کا سلسلہ بند نہ ہو جائے"۔

اہلِ حبشہ کا مذہب عیسائیت تھا۔ اور وہ قریش کی نسبت اسلام کے زیادہ قریب تھے۔ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض مشرکینِ مکہ کی پناہ قبول کرنے میں کوئی ہرج نہ سمجھتے تھے تو اہلِ کتاب کی پناہ قبول کرنے میں آپکو کیا امر مانع ہوسکتا تھا۔ حالانکہ اہلِ کتاب مشرکین کی نسبت اسلام کے زیادہ قریب تھے۔ آپ کے پیشِ نظر مسلمانوں کی بہبود تھی۔ اور اس غرض کے لئے اگر آپ کو شریف الطبع غیر مسلموں سے مدد لینے کی ضرورت پڑتی تھی تو آپ اس سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔

عرب میں بھی نجران اور بعض دیگر عیسائی قبائل آباد تھے۔ لیکن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا منشاء یہ تھا کہ اپنے پیروؤں کو عرب کی سرزمین سے دور بھیجا جائے۔ تاکہ قریش کا ان پر زور نہ چل سکے۔ اور نہ وہ پناہ دینے والے قبائل پر اپنا اثر ڈال کر انہیں مسلمانوں کی حمایت سے دست بردار کر سکیں۔ خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حبشہ ہجرت نہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جس پودے کی آپ نے آبیاری کی تھی اسے سرزمینِ عرب ہی میں بار آور ہونا تھا

اہل عرب ہی آپ کی رسالت کے اوّلین مخاطب تھے۔ اور قرآن کریم کے اعجاز اور مطالب کو دیگر اقوام کی نسبت وہی بہتر طور پر سمجھ سکتے تھے ؂

مسلمانوں نے حبشہ کی جانب دو بار ہجرت کی۔ پہلی بار دس مرد اور پانچ عورتیں وہاں پہنچیں۔ ابھی ان لوگوں کو وہاں گئے تین ہی مہینے ہوئے تھے کہ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ اہلِ مکّہ اسلام لے آئے۔ یہ خبر سُن کر مہاجرینِ حبشہ مکہ واپس پہنچے۔ مگر وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی۔ اب ان میں سے کوئی شخص مکہ میں اس وقت تک نہ رہ سکتا تھا۔ جب تک اہلِ مکّہ میں سے کوئی شخص اسے اپنی پناہ میں لینے کا اقرار نہ کرتا۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنے عزیزوں اور دوستوں کی پناہ طلب کی۔ اور اس طرح انہیں دوبارہ مکّہ میں رہنے کی اجازت مل سکی ؂

حضرت عثمانؓ بن مظعون کو ولید بن مغیرہ نے پناہ دی تھی۔ لیکن وُہ نہایت پُرجوش اور مخلص مُسلمان تھے۔ ان کے مقابلے میں ولید بن مغیرہ اسلام کا شدید دشمن تھا۔ اسلئے کچھ عرصے کے بعد اس نے اپنی پناہ واپس لے لی۔ ایک مرتبہ قریش کی ایک محفل میں مشہور شاعر "لبید" اپنا کلام سُنا رہے تھے۔ (وہ اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے) عثمانؓ بھی اس محفل میں موجود تھے۔ اشعار سُناتے سُناتے لبیدؓ نے یہ مصرع پڑھا ؏

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَاخَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ

(دیکھو! اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے)

تو عثمانؓ بول اٹھے:-

"تم سچ کہتے ہو۔ یقیناً اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے"

لبید نے اگلا مصرع سنایا ؎

وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مَحَالَۃَ زَائِلُ

(اور ہر نعمت بالآخر چھن جانے والی ہے)

اس پر عثمانؓ نے کہا:-

"یہ بات تم غلط کہتے ہو۔ جنت کی نعمت کبھی زائل نہیں ہوگی"۔

لبید جیسے عظیم شاعر کے لئے اس سے زیادہ بے عزتی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی کہ ایک نوجوان سرِ مجلس اس کی باتوں کو جھٹلائے۔ اُس نے چین بجبیں ہو کر کہا:-

اے اہلِ مکہ! تم میں اتنی بھی تمیز نہیں کہ اپنے نوجوانوں کو شعراء کی تحقیر و تذلیل کرنے سے باز رکھ سکو"۔

اہلِ مجلس پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے۔ لبید کی یہ بات سُن کر ایک شخص نے عثمانؓ کے ایسا طمانچہ رسید کیا کہ ان کی آنکھ باہر نکل پڑی۔ یہ دیکھ کر ولید بن مغیرہ کہنے لگا:-

"مَیں نے تجھے پناہ دی تھی۔ مگر افسوس تُو نے میرے احسان کی قدر

نہ کی اور مجھے پناہ واپس لینے پر مجبور کر دیا۔ اب دیکھ تجھے اس کا کس قدر سخت خمیازہ بھگتنا پڑا"۔

اس پر عثمانؓ نے کامل غیرتِ ایمانی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا:۔

"مجھے اللہ ہی کی امان کافی ہے۔ اس کی امان سے زیادہ مجھے اور کوئی چیز عزیز نہیں۔ تم تو میری ایک آنکھ کو کہتے ہو۔ خدا کی قسم! میری تو دوسری آنکھ بھی خدا کی راہ میں نکلنے کے لئے تیار ہے"۔

جب کفارِ مکہ کے مظالم میں کمی نہ آئی تو مسلمان دُوسری بار حبشہ کی جانب ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس ہجرت میں تین سَو اَسّی مردوں اور بارہ عورتوں نے حصّہ لیا۔ یہ لوگ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ تشریف لے جانے تک حبشہ ہی میں مقیم رہے۔ اور امن و چَین سے زندگی بسر کرتے رہے۔ وہاں کے نیک دل بادشاہ نے انہیں آرام و آسائش پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ قریش نے بے حد کوشش کی کہ کسی طرح نجاشی شاہ حبشہ پر زور ڈالکر انہیں واپس مکہ بلا لیا جائے۔ اس غرض کے لئے انھوں نے اپنے دو معزّز آدمیوں کو بیش قیمت تحائف دے کر حبشہ بھی بھیجا۔ لیکن نجاشی نے انکی عرضداشت نامنظور کرتے ہوئے مسلمانوں کو ان کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اور قریش کے وفد کو جو بڑی امیدوں کے ساتھ حبشہ گیا تھا

بے نیل مرام واپس آنا پڑا ؎

(۷) قبائلِ عرب کو تبلیغ

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم قریش سے قریبًا مایوس ہو چکے تھے۔ یہ لوگ جاہلی فخر و غرور کے نشے میں سرشار تھے۔ کعبہ کی تولیت کے باعث اہلِ عرب کی سرداری کا تاج تو اُنکے سر پہ پہلے ہی سے تھا۔ جنگِ فجار میں کنانہ پہ فتح حاصل کرنے کی وجہ سے ان کی عزّت و توقیر میں گراں قدر اضافہ ہو گیا۔ تجارت میں یدِ طولیٰ حاصل ہونے کے باعث ان کا شمار عرب کے امیر ترین قبائل میں ہوتا تھا۔ حج کے ایّام میں مکہ کے قریب عکاظ اور مجنّہ میں جو تجارتی میلے لگتے تھے قریش ان میں بڑی تیاری کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں ہر سال سردیوں اور گرمیوں میں اُن کے تجارتی قافلے یمن اور شام کی طرف تجارتی مال لیکر جاتے تھے جنہیں رِحْلَةَ الشِّتَاءِ اور رِحْلَةَ الصَّيْف کہا جاتا تھا ؎

تجارت کے باعث قریش کی ساری توجہ دنیوی مال و منال کے حصول کی طرف منعطف ہو گئی تھی۔ ان کا مقصود و مطلوب دُنیا کمانا تھا۔ مذہب کی طرف ان کی مطلق توجّہ نہ تھی۔ اور اسی لئے انہوں نے اسلامی تعلیمات پر کان نہ دھرے۔ کیونکہ اسلام ان کے سامنے دنیا نہیں بلکہ دین پیش

کرتا تھا۔

کعبہ کی تولیت حاصل ہونے کی وجہ سے انہیں تمام عرب پر تفوق حاصل تھا۔ اس اعزاز کے باعث عرب کے سارے قبیلے ان کی حد درجہ تعظیم کرتے تھے۔ حج کے دنوں میں کعبہ پر جو چڑھاوا چڑھتا تھا وہ بھی تمام کا تمام قریش کی ملکیت ہوتا تھا۔ قریش کا خیال تھا کہ اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ تو قبائل عرب کے دلوں میں ان کی جو تعظیم و تکریم ہے وہ سب مفقود ہو جائے گی۔ اور وہ ان عظیم الشان مالی فوائد سے بھی محروم ہو جائیں گے جو کعبہ کی تولیت کے باعث انہیں میسر ہیں۔

ان امور کو مدنظر رکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ کیا۔ کہ اپنی دعوت کو ان قبائل کے سامنے بھی پیش کیا جائے جو ہر سال حج کے موقعہ پر مکہ آتے ہیں۔ ساتھ ہی مکہ کے نواحی شہروں کی طرف بھی توجہ کی جائے۔ اس غرض کے تحت آپ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ کو لے کر طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے رؤساء عبد یالیل، مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفی اور حبیب بن عمر بن عمیر الثقفی کے پاس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ لیکن انہوں نے آپ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور آپ سے اس بری طرح پیش آئے کہ اخلاق اور شرافت اپنا سر پیٹ کر رہ گئی۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مکہ والوں کو بھی اسکی اطلاع

کردی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب آپ طائف سے واپس مکہ تشریف لائے۔ تو اہلِ مکّہ نے آپ کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اس پر آپ نے مکّہ کے ایک ذی اثر سردار مطعم بن عدی کو کہلا کر بھیجا کہ میں مکّہ میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ تم مجھے پناہ دے کر اپنی حفاظت میں شہر میں لے آؤ۔ مطعم نے آپ کی درخواست قبول کر لی۔ اور اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ ہتھیاروں سے لیس ہو کر اس کے ساتھ چلیں اور محمّد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کو اپنی حفاظت میں مکّہ لے آئیں۔ تعمیل حکم میں اسکے بیٹے ہتھیار بند ہو کر اس کیساتھ چل پڑے۔ مطعم نے سب سے پہلے خانۂ کعبہ پہنچ کر طواف کیا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر بعض مشرکوں نے پوچھا :۔

"مطعم! تم نے محمدؐ کی اطاعت قبول کر لی ہے یا صرف اسے امان دی ہے"؟

مطعم نے جواب دیا :۔

"نہیں۔ مَیں نے صرف امان دی ہے"۔

اس پر وُہ کہنے لگے :۔

"خیر، تب کوئی ہرج نہیں"

اب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی دعوت کا رُخ ان قبائل کی طرف پھیرا جو حج کے لئے مکّہ آتے تھے۔ جب حج کے دِن آئے

آپ شہر سے باہر نکل کر ہر قبیلے کے خیمے میں جاتے اور ان کے سامنے اسلام کا پیغام پیش کرتے۔ بعض لوگ غور سے آپ کی باتیں سنتے۔ اور نرمی اور سنجیدگی سے آپ سے گفتگو کرتے۔ لیکن بعض قبائل سختی سے آپکی باتوں کو رد کر دیتے ؛

ایک مرتبہ آپ قبیلہ بنو عامر کو تبلیغ کر رہے تھے۔ آپ کی باتوں کا ایک شخص بحیرہ بن فراس پر بہت اثر ہوا۔ اور وہ کہنے لگا :-

" اگر مَیں قریش کے اس شخص کو اپنے قابو میں کر لوں تو تمام عرب میرے قبضے میں آجائے "؛

پھر آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا :-

" اگر ہم آپ کی اطاعت قبول کر لیں۔ اور آپ اپنے دشمنوں پر غالب آجائیں۔ تو کیا آپ کے بعد حکومت میں ہمیں بھی حصہ ملے گا ؟"

آپ نے فرمایا :-

" یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے حکومت سے سرفراز کرتا ہے "؛

وہ کہنے لگا :-

" خوب! ہم آپ کی وجہ سے تمام عربوں سے لڑائی مول لیں، لیکن حکومت پر دوسرے لوگ قبضہ کر لیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ جائیے

ہمیں آپ کی باتیں سننے کی ضرورت نہیں"۔

اس موقعہ پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جس بلند پایہ سیاست کا مظاہرہ کیا وہ کوئی اور شخص نہ کر سکتا تھا۔ اسلام ایک دینی تحریک تھی اور اس میں کسی سودا بازی کی گنجائش نہ تھی مسلمان ہونے کے لئے اولین شرط یہ تھی کہ صدق دل اور خلوصِ نیت سے اسلام قبول کیا جائے۔ دنیوی مال ومنال کے حصول کی خاطر اسلام قبول کرنے والا مسلمان کہلانے کا مستحق نہ ہوتا تھا۔ اگر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی جگہ کوئی دنیادار شخص ہوتا تو اس قسم کی سودا بازی کرنے میں کوئی ہرج محسوس نہ کرتا۔ بعد میں جو کچھ ہوتا دیکھا جاتا۔ لیکن اس قسم کی سیاست دھوکہ بازی پر مبنی ہوتی ہے۔ اور جو شخص اسے اختیار کرتا ہے اس کے لئے بدعہدی کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

(۸) اہلِ یثرب تک پیغامِ حق

اب وقت آگیا تھا کہ اسلام کو ترقّی نصیب ہو۔ اور مسلمانوں کی بیکسی کے دن ختم ہو کر مسرت وشادمانی کا زمانہ آجائے۔ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں توحید کا عَلَم بلند کئے دس سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ لیکن آپ کی آواز پر بہت تھوڑے لوگوں نے لبّیک کہا تھا۔ اور

ان میں سے بھی اکثر اہلِ مکہ کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تھے۔ اہلِ طائف کی طرف سے بھی جواب مل چکا تھا۔ اور اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ان قبائل کی طرف تھی جو ایامِ حج میں مکہ آتے تھے۔ ایک مرتبہ قبائل کے خیموں کا چکر لگاتے لگاتے آپ کی ملاقات یثرب کے چند لوگوں سے ہو گئی۔ اور اسی وقت سے دعوتِ اسلام کا ایک نیا باب شروع ہو گیا۔

یثرب کی بستی مکہ اور شام کے درمیان واقع تھی۔ یہاں عرب اور یہودی قبائل آباد تھے۔ عرب آبادی اوس اور خزرج دو قبیلوں میں منقسم تھی۔ جن کے درمیان پشتینی دشمنی چلی آ رہی تھی۔ ہر دو فریق کے درمیان جنگ وجدل کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ جس کی وجہ سے ان کی قوت و طاقت میں بے حد کمی آگئی تھی۔ اسکے برعکس یہود کی پوزیشن بہت مضبوط تھی۔ وہاں کی صنعت اور تجارت پورے طور پر اُن کے قبضے میں تھی۔ وہ زبردست اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ مال و دولت کی بہتات تھی اور اسی لئے انہوں نے عالیشان مکانات اور مضبوط قلعے تعمیر کر لئے تھے۔

ان واقعات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یثرب کے عربوں کے حالات اس قسم کے نہ تھے کہ وہ قریش کی طرح قبولِ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنتے۔ اس کے برعکس ان کے ذہن دیگر عرب قبائل کی نسبت

اسلام قبول کرنے کے لئے زیادہ آمادہ تھے۔ وجہ یہ تھی کہ یہود کی ہمسائیگی کے باعث انکے کانوں میں ہر وقت اس قسم کی باتیں پڑتی رہتی تھیں کہ عنقریب نبیِ آخر الزمانؐ کا ظہور ہونے والا ہے۔ اور یہود اس نبیؐ پر ایمان لاکر نہ صرف اپنی گم گشتہ دینی عزّت و وجاہت دوبارہ حاصل کرلیں گے۔ بلکہ دیگر ادیان پر بھی ان کا غلبہ ہو جائیگا۔ اور تمام دنیا اُنہیں اپنا سردار تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گی ؎

ایک مرتبہ حج کے موقعہ پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم خیموں کا چکر لگا رہے تھے کہ آپ کی نظر یثرب کے چھ آدمیوں پر پڑی جو سب کے سب قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ ان کے پاس گئے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا۔ اور کہنے لگے کہ بلا شُبہ یہ وہی نبی ہے جس کے متعلق یہود باتیں کیا کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پر ایمان لانے میں یہوُد ہم سے سبقت لے جائیں۔ ہمارے لئے یہود پر غلبہ حاصل کرنے کا یہ بہت اچھا موقعہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی دعوت پر لبیک کہا۔ اور عرض کیا کہ ہماری قوم تفرقے اور انشقاق کا شکار ہے۔ ہر ایک کے دل ایک دُوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ اگر اللہ تعالےٰ نے آپ کے ذریعے اسے یکجا اور متحد کر دیا۔ تو ہمارے درمیان

آپ سے زیادہ معزز و محترم اور کوئی ہستی نہ ہوگی۔ ایامِ حج ختم ہونے پر یہ لوگ اگلے سال دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے یثرب چلے گئے۔

اگلے سال حج کے موقعہ پر یثرب سے ۱۲ آدمی مکہ آئے۔ ان میں سے دس قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور دو قبیلہ اوس سے۔ عقبہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خفیہ طور پر ملے۔ آپ نے ان کے سامنے اسلام کا پیغام پیش کیا جسے قبول کرنے پر اُنہوں نے آمادگی ظاہر کی۔ اس پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے بیعت لی۔ بیعت کے الفاظ ادا کرتے ہوئے انہوں نے اقرار کیا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ چوری نہ کریں گے۔ زنا نہ کریں گے اپنی اولاد کو قتل نہ کرینگے۔ کسی پر بہتان طرازی نہ کرینگے۔ نیک باتوں میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اطاعت کرینگے۔ اگر وہ اس قول و قرار پر کاربند ہونگے تو انہیں جنّت ملے گی۔ لیکن اگر کوتاہی کی تو ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوگا۔ خواہ وہ انہیں بخش دے خواہ عذاب دے۔

اس بیعت کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے صرف دینی احکام کی بجا آوری کا اقرار لیا۔ نہ کوئی سیاسی مطالبہ پیش کیا۔ اور نہ قریش کے مقابلہ پر اپنی حمایت کا عہد لیا۔ کیونکہ حضور جانتے

تھے کہ ابھی یثرب کے مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے۔ اور وہ آپ کی حمایت کرنے اور قریش کی مخالفت مول لینے کے قابل نہیں ⁂

یہ بعیت بیعتِ عقبہ اولیٰ کہلاتی ہے۔ اہلِ یثرب کو اسلام کی دعوت دینے، انہیں قرآن سکھانے اور دینی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مصعبؓ بن عمیر اور حضرت عبداللہؓ بن ام مکتوم کو مدینہ روانہ فرمایا۔ ان دونوں کی مساعی سے وہاں اسلام کو کافی ترقی نصیب ہوئی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں کے کثیر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ⁂

(۹) بیعتِ عقبہ ثانیہ اور اہلِ یثرب سے دوستی کا معاہدہ

بیعتِ عقبہ اولیٰ کے بعد اگلے سال حج کے موقعہ پر اہلِ یثرب کی ایک کثیر تعداد مکہ آئی۔ ان میں تہتر مرد اور دو عورتیں تھیں۔ مکہ پہنچنے پر انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رابطہ پیدا کیا۔ حضورؐ نے انہیں رات کو ایک مقررہ وقت پر اسی گھاٹی میں جمع ہونے کا ارشاد فرمایا جس میں ایک سال بیعتِ عقبہ اولیٰ ہوئی تھی۔ چونکہ ان لوگوں کے ساتھ یثرب کے

کچھ مشرکین بھی تھے۔ اور انہیں خبر ہونے میں راز افشا ہونے کا ڈر تھا۔ اسلئے حضورؐ نے انہیں ہدایت فرمائی کہ رات کو جس وقت وہ گھاٹی میں آئیں تو نہ سوتے کو جگائیں اور نہ کسی غیر حاضر شخص کا انتظار کریں تا مشرکین کو یہ خیال پیدا نہ ہو کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں ؁

وقت مقررہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور اپنے چچا حضرت عباسؓ کو (جنہوں نے گو ہنوز اسلام قبول نہ کیا تھا لیکن ان کی ہمدردی اپنے بھتیجے کے ساتھ تھی) ساتھ لیا اور گھاٹی کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر حضرت عباسؓ نے حفاظت کی خاطر حضرت علیؓ کو گھاٹی کے ایک سرے پر کھڑا کیا اور حضرت ابوبکرؓ کو دوسرے سرے پر، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اس جگہ پر پہنچے جہاں اہلِ یثرب جمع تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے گفتگو بھی حضرت عباسؓ ہی نے کی۔ آپ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا :-

اے گروہِ خزرج! (ان لوگوں میں اگرچہ اوس بھی تھے۔ مگر چونکہ کثرت خزرج کے لوگوں کی تھی۔ اِس لئے حضرت عباسؓ نے سب کو خزرج ہی کہہ کر مخاطب کیا) محمدؐ کی ہم میں جو حیثیت ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ ہم نے اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنے کے باوجود اپنی قوم سے اس کی ہر طرح حفاظت کی ہے۔ ہمارے خاندان میں اسے عزت کی

نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور مکہ میں کوئی شخص اسے بری نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ اب محمدؐ نے مکہ کو چھوڑ کر تمہارے درمیان رہائش اختیار کرنیکا فیصلہ کیا ہے۔ اگر تم یہ اقرار کرو کہ جو وعدے تم نے اس کے ساتھ کئے ہیں وہ پورے کرو گے۔ اور مخالفین کے مقابلے میں اس کی ہر طرح مدد کرو گے تو بیشک اسے مکہ کو چھوڑ کر تمہارے درمیان آباد ہونے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ لیکن اگر تم نے اسے اپنے ہاں بلانے کے بعد اس کی امداد سے پہلوتہی اختیار کی تو بہتر یہی ہے کہ تم اسے اپنے ہاں آنے کی دعوت ہی نہ دو۔ کیونکہ اس کی حفاظت کرنے اور اسے مخالفین کی ایذا رسانیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ہم ہی کافی ہیں"۔

حضرت عباسؓ کی یہ باتیں سن کر اہلِ یثرب میں سے عباسؓ بن عبادہ کھڑے ہوئے اور اپنی قوم سے کہنے لگے :۔

"تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ تمہیں محمدؐ کی بیعت کن شرائط پر کرنی ہے"؟

انہوں نے جواب دیا :۔

"ہاں"

عباسؓ بن عبادہ نے کہا

اچھی طرح سمجھ لو۔ کہ اس شخص کی بیعت کرنے کے بعد تمہیں اسود

واحمر سے لڑائی مول لینی پڑے گی۔ اگر تم اس بوجھ کو اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے تو ابھی سے اس کا اظہار کر دو۔ بعد میں مصیبت پڑنے پر اگر تم نے اسے چھوڑ دیا اور اسے دشمنوں کے حوالے کر دیا تو دُنیا اور آخرت کی رسوائی برداشت کرنی پڑے گی۔ ہاں اگر اس سے کیا ہُوا پیمانِ وفا پُورا کرنے کے لئے تیار ہو۔ تب بیشک اسے اپنے ہاں آنے کی دعوت دو۔ یاد رکھو اگر تم صدقِ دل سے اس پر ایمان لے آئے۔ اور اسکی حفاظت کرتے ہوئے تمھیں مال و جان کی قربانی بھی دینی پڑی۔ تب بھی تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اس کے برعکس تمہیں دُنیا و آخرت کی عزّت نصیب ہو گی"۔

سب نے یکزبان ہو کر جواب دیا۔

"ہم رسول اللہ کی حمایت و حفاظت کریں گے۔ خواہ اس کے لئے ہمیں جان و مال کی کتنی بھاری قربانی کیوں نہ دینی پڑے"۔

اسکے بعد حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:۔

"یا رسول اللہ! اگر ہم نے اپنے عہد کو پورا کیا تو ہمیں اسکے بدلے میں کیا ملے گا؟

آپ نے فرمایا:۔ "جنّت"

اُنہوں نے کہا:۔

"تب اپنا ہاتھ پھیلائیے"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنا ہاتھ پھیلایا۔ اور انہوں نے آپ کی بیعت کر لی ۔

بیعت لینے سے قبل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوئے۔ اور قرآنِ کریم کی چند آیات تلاوت کرنے کے بعد فرمایا:۔

"میں تم سے اس امر کی بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اسی طرح حفاظت کرو گے جس طرح اپنے اہل وعیال کی کرتے ہو"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

"تم اقرار کرو کہ میری باتیں سنو گے اور صدقِ دل سے ان کی اطاعت کرو گے۔ تنگی ہو یا آسائش خواہ کوئی صورت ہو اللہ کے راستے میں اپنا مال خرچ کرنے سے دریغ نہ کرو گے۔ اپنے بھائیوں کو نیک باتوں کی تلقین اور بُری باتوں سے منع کرتے رہو گے۔ اللہ کے بارے میں ہمیشہ حق بات کہو گے اور ایسا کرنے میں لومۃ لائم کی پرواہ نہ کرو گے۔ میری مدد کرو گے۔ جب میں تمہارے ہاں آجاؤں گا تو میری حفاظت اسی طرح کرو گے جس طرح اپنی اور اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہو۔ ان باتوں کے عوض تمہیں جنّت عطا ہو گی"۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تقریر کے بعد براءؓ بن معرور

کھڑے ہوئے اور آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا :۔
" یا رسول اللہ ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو مبعوث کیا کہ ہم آپ کی حفاظت اسی طرح کرینگے جس طرح اپنے اہل وعیال کی کرتے ہیں۔ اس لئے ہماری بیعت لے لیجئے۔ خدا کی قسم! ہمارا شمار عرب کے جنگجو قبیلوں میں ہوتا ہے۔ ہمارے پاس ہتھیاروں کی بھی کمی نہیں۔ ہم آپ کی حفاظت کرنے کے ہر طرح قابل ہیں "۔

براءؓ کے بعد انصار نے یکے بعد دیگرے آگے بڑھ کر بیعت کرنی شروع کی۔ بیعت کے بعد انہوں نے کہا :۔
" یا رسول اللہ ! ہم اپنی ذمہ داری اس وقت تک قبول کرنے سے معذور ہیں جب تک آپ ہمارے پاس نہ پہنچ جائیں۔ البتہ جب آپ ہمارے پاس پہنچ جائیں گے تب آپ کی حفاظت کی پوری ذمہ داری ہم پر ہوگی۔

ابوالہیثم بن تیہان نے اُٹھ کر کہا :۔
" یا رسول اللہ ! اب تک اوس و خزرج کی مخالفت کے باعث یثرب میں یہود کو بے حد اثر و رسوخ حاصل تھا۔ لیکن آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قبائل کو اکٹھا کر دیا ہے۔ اور اب ہم یہود کی بالادستی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ البتہ ہمیں یہ ڈر ہے کہ اگر ہم نے

یہود سے تعلق ختم کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دشمنوں پہ غلبہ عطا فرما دیا۔ تو کہیں آپ ہمیں چھوڑ کر واپس اپنی قوم میں چلے نہ آئیں؟"

یہ سُن کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مُسکرائے اور فرمایا :-

" نہیں میرا اور تمہارا تعلق کبھی ختم نہیں ہوگا۔ میں تم سے ہُوں اور تم مجھ سے ہو۔ جس سے تم لڑو گے اس سے میں لڑوں گا۔ اور جس سے تم صُلح کرو گے اس سے میں صلح کروں گا"

یہ بعیت جسے بیعت عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ بعثت کے تیرھویں سال ہوئی تھی۔ اس موقعہ پہ جہاں اہلِ یثرب نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے آپ کی حفاظت کا عہد کیا تھا وہاں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اہلِ یثرب پہ کسی حملے کی صُورت میں اپنی اور اپنے صحابہؓ کی طرف سے کامل تعاون کا یقین دلایا تھا۔ گو اہلِ یثرب نے بعیت کے موقعہ پہ ایسی کوئی شرط نہ رکھی تھی جس کی رُو سے کسی بیرونی حملے کے وقت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور آپ کے ساتھیوں پہ ان کی اعانت فرض ہوتی لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بطور خود اپنے اوپر یہ ذمہ داری لے لی کہ جس سے اہلِ یثرب جنگ کرینگے آپ بھی اس سے جنگ کرینگے اور جس سے وُہ صلح کرینگے آپ بھی اس سے صلح کرینگے۔ اس طرح جو کچھ آپ نے ان سے لیا تھا، اس سے زیادہ انہیں دے دیا۔ یہ ایک اعلیٰ

درجے کی سیاست تھی جس کا اثر اہل یثرب کے دلوں میں ہجرت کے بعد بھی بدستور قائم رہا۔

بیعت سے فراغت حاصل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان سے فرمایا:۔

"اب اپنی اپنی فرودگاہوں میں چلے جاؤ"

عباسؓ بن عبادہ نے عرض کیا:۔

اس خدا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اگر آپ حکم دیں تو ہم کل منیٰ میں اپنی تلواروں کے ساتھ قبائلِ عرب پر ٹوٹ پڑیں"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:۔

"مجھے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ تم اپنے خیموں میں جاؤ"

جب اس بیعت کی خبر قریش کو ملی۔ تو وہ اہلِ یثرب کے پاس آئے اور کہنے لگے:۔

"ہمیں معلوم ہؤا ہے کہ تم محمدؐ کے پاس اس غرض سے آئے تھے کہ اسے یہاں سے لے جاؤ اور اپنے ہاں بلا کر ہم سے جنگ چھیڑ دو"

اُنہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ہمارے اور محمدؐ کے درمیان ایسا کوئی معاہدہ اور سمجھوتہ نہیں ہؤا۔ اور بات بھی ٹھیک تھی۔ اہلِ

یثرب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے یہ معاہدہ ہرگز نہ کیا تھا کہ وُہ آپ کے ساتھ ہو کر اہل مکّہ سے جنگ کرینگے۔ بلکہ صرف یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ آپ کی حفاظت کرینگے۔ اہلِ یثرب کے ساتھ جو مشرکین تھے انہیں سرے سے بیعت ہی کا علم نہ تھا۔ کیونکہ ان کے ساتھیوں نے یہ بات ان سے بالکل پوشیدہ رکھی تھی۔ اس بنا پر انہوں نے قسمیں کھائیں کہ گذشتہ رات ان کی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) سے قطعًا بات چیت نہیں ہوئی۔ اسلئے بیعت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ؏

(۱۰) مدینہ کی جانب ہجرت

اس یقین دہانی کے باوجود قریش کو اطمینان نہ ہُوا۔ اور تحقیقات کے بعد انہوں نے پتہ لگا لیا کہ اہل یثرب کی کثیر تعداد محمدؐ کی بیعت کر کے حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکی ہے۔ لیکن اس وقت یہ لوگ حج کی رسومات ادا کر کے مکّہ سے روانہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے ان کا پیچھا کیا۔ لیکن سعدؓ بن عبادہ اور منذرؓ بن عمرو کے سوا اور کوئی ہاتھ نہ آسکا۔ منذرؓ تو کسی طرح چھوٹ کر بھاگ گئے۔ لیکن سعدؓ بن عبادہ کو اُنہوں نے بہت تکلیفیں دیں۔ اتفاقًا ابوالبختری نے انہیں دیکھ لیا۔ وہ ان کے پاس آیا اور کہنے لگا :-

"قریش میں کوئی آدمی ایسا ہے جس کے ساتھ تمہاری دوستی اور عہد و پیمان ہو اور وہ تمہیں پناہ دے سکے؟"

سعدؓ بن عبادہ نے جواب دیا:-

"ہاں - جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب بن امیہ کے ساتھ میرے تعلقات ہیں۔ جب وہ تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے۔ تو میں مدینہ کے قریب ان کی حفاظت اور قیام و طعام وغیرہ کا انتظام کیا کرتا تھا"۔

ابوالبختری نے کہا:-

"اب تمہارے بچاؤ کی یہی تدبیر ہے کہ تم بآوازِ بلند ان دونوں کا نام لے کر مدد کی درخواست کرو"۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ابوالبختری نے ان دونوں کو تلاش کیا اور کہنے لگا کہ ابطح میں مدینے کے قبیلے خزرج کا ایک شخص تمہارا نام لے کر پکار رہا ہے۔ انہوں نے پوچھا "وہ کون ہے"؟

ابوالبختری نے کہا "سعدؓ بن عبادہ"۔

یہ سن کر وہ دونوں فوراً وہاں پہنچے۔ اور انہیں قریش کے ہاتھوں سے نجات دلائی۔

یثرب والے تو نکل گئے تھے۔ اہلِ مکہ نے اپنا غصہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور آپ کے صحابہؓ پر اُتارنا شروع کیا اور اتنی تکالیف اور اذیتیں دیں جن کی مثال پہلے نہیں ملتی تھی۔ بحد درجہ مجبور ہو کر غریب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے ہجرت کی اجازت طلب کی۔ کچھ عرصے تک تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے سکوت اختیار کیئے رکھا۔ بالآخر آپ نے خدائی منشاء کے تحت انہیں یثرب کی جانب ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ ہجرت کے بعد یثرب کا نام مدینہ پڑ گیا۔ اور آج تک یہی نام چلا آرہا ہے ؀

(۱۱) رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے خلاف سازش

جب قریش نے یہ حالات دیکھے تو انہیں یقین ہو گیا کہ محمدؐ اب ضرور مدینہ ہجرت کر جائینگے۔ مدینہ کا شہر شام کو جانے والے تجارتی قافلوں کے راستے میں پڑتا تھا۔ قریش کو خطرہ پیدا ہوُا کہ اگر محمدؐ مدینہ چلے گئے تو یہ امر نہ صرف دینی لحاظ سے ان کے لئے خطرے کا پیش خیمہ ثابت ہو گا بلکہ ان کی تجارت بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔ جس پر اُن کی زندگی کا دارومدار ہے۔ چنانچہ سردارانِ قریش "دار الندوہ" میں جمع ہوئے۔ اور اس صورتِ حال کے تدارک کی تدابیر سوچنے لگے۔ ایک نے کہا:۔

"ہمیں چاہیئے کہ محمدؐ کو مکہ سے نکال دیں۔ تاکہ ہمیں اطمینان کا سانس لینا نصیب ہو۔"

لیکن اس رائے پر اتفاق نہ ہو سکا۔ لوگوں نے کہا کہ اگر ہم نے اسے مکہ سے نکال دیا تو وہ اپنی جادو بیانی اور طلاقتِ لسانی کی بدولت اپنے گرد بھاری جمعیت اکٹھی کر کے ہمارے لئے خطرے کا باعث بن جائے گا۔"

ایک شخص نے رائے دی کہ ہمیں اسے بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر دینا چاہیئے۔ اور مختلف ایذائیں دے کر ختم کر دینا چاہیئے +

لیکن یہ رائے بھی قابلِ قبول نہ ہوئی۔ کیونکہ خطرہ تھا کہ قید کرنے کی صورت میں مسلمان اور خصوصاً اہلِ یثرب ہلہ بول کر آپ کو چھڑا لینگے۔ اور اس طرح اہلِ مکہ اور اہلِ یثرب کے درمیان خونریز جنگ چھڑ جائے گی +

بالآخر ایک شخص نے آپ کے قتل کی رائے دی۔ اور کہا کہ اس غرض کے لئے ہر قبیلے سے ایک نوجوان لے لیا جائے۔ یہ لوگ محمدؐ کے مکان کے گرد جا کر گھیرا ڈال لیں۔ اور جونہی وہ باہر نکلے یکبارگی حملہ کر کے اسے قتل کر دیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ محمدؐ کا خون تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے گا۔ چونکہ بنو عبد مناف تمام قبائل سے لڑنے کی طاقت

نہیں رکھتے۔ اس لئے وہ مجبوراً دیت لینے پر راضی ہو جائینگے۔ جو ہم ادا کر دیں گے۔

اس رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ اور ایک رات اس ناپاک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مقرر کر لی گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کو ان کے ارادوں کی اطلاع دے دی۔ اور آپ کو ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ جب مقررہ رات آئی۔ اور قبائل مکّہ کے نوجوانوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو آپ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لیٹ جانے کا حکم دیا۔ تاکہ قریش کو جو دروازے کی درزوں میں سے جھانک رہے تھے یہ اطمینان رہے کہ آپ بستر پر آرام کر رہے ہیں۔ جب کافی رات گُذر گئی تو گھر سے باہر نکل کر غارِ ثور کا رُخ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ آپ کے ساتھ تھے۔ صُبح کو جب کفّار کو معلوم ہوا کہ محمدؐ صاف نکل گئے۔ تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اور انہوں نے آپ کی تلاش میں لوگوں کو ادھر اُدھر دوڑایا مگر بے سُود۔ تین دن بعد حضورؐ غار سے نکلے اور حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ مدینہ روانہ ہو گئے۔

خارجی سیاست

قبل از ہجرت

(۱) مسلمانوں اور قریش کے سیاسی تعلقات کی نوعیت

آغاز اسلام سے لیکر ہجرت کے وقت تک قریش نے اس سلسلے کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے خود ان کے درمیان پھوٹ ڈلوا کر اور عصبیت کے جذبات پیدا کر کے ان کی کوشش کو ناکام کر دیا۔ بنو عبد مناف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ پر ایمان لانیوالوں کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے اور مجبوراً ہر قبیلے کو صرف انہی مسلمانوں کو تکالیف دینے پر اکتفا کرنا پڑا جو اُن کے اپنے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس طرح یہ مخالفت دعوتِ اسلامی کے خلاف کھلم کھلا جنگ کی

صورت اختیار نہ کر سکی ۔

بنو عبدِ مناف نے شرک پر قائم رہنے کے باوجود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں کوئی ہرج محسوس نہ کیا۔ اسی طرح بعض اشرافِ قریش بھی وقتاً فوقتاً اپنی قوم کے ان مظالم پر صدائے احتجاج بلند کرتے رہے جو وہ غریب مسلمانوں پر روا رکھے ہوئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ آزادیٔ عقیدہ ہر انسان کا پیدائشی حق ہے اور اسے اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا ۔

اس دوران میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے قریش کی تمام ایذاؤں کو نہ صرف خود خندہ پیشانی اور تحمّل سے برداشت کیا بلکہ اپنے پیروؤں کو بھی تمام مصائب صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرنے کی تلقین کی۔ وجہ یہ تھی کہ اسلام اپنی اشاعت کے سلسلے میں قوّت کا محتاج نہ تھا۔ بلکہ اپنی دعوت کی بُنیاد نرم روی اور حُسنِ اخلاق پر رکھتا تھا۔ اس کی تعلیم فطرت کے عین مطابق تھی۔ اور وہ لوگوں پر طاقت کے ذریعے نہیں بلکہ دلائل و براہین کی رُو سے اثر ڈالنا چاہتا تھا۔ قوت کے ذریعے انسان کو کسی عقیدے کے قبول کرنے پر مجبور تو کیا جا سکتا ہے مگر دل میں اسے راسخ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اسلام کا منشاء یہ نہ تھا کہ جبر و تعدّی کے ذریعے اپنی تعلیم رائج کرے۔ وہ اپنے پیروؤں سے

محض ظاہری ایمان کا طالب نہ تھا بلکہ ظاہری ایمان کے ساتھ باطنی ایمان کا بھی تقاضا کرتا تھا۔ اسلام میں نفاق کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اور یہ بات اسی صورت میں ممکن تھی کہ اس کی تعلیم جبر و اکراہ کی بجائے محبت اور نرمی سے لوگوں کے سامنے پیش کی جاتی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ایسا ہی کیا۔

اسلام نے دفاع کے لئے قوّت کے استعمال کی اجازت ضرور دی ہے۔ لیکن مسلمان اس دوران میں اس قدر کمزور تھے کہ بُرائی اور ظلم و ستم کا بدلہ طاقت اور قوّت سے نہ دے سکتے تھے۔ نیز اس طرح اسلامی تحریک کو فائدہ پہنچنے کی بجائے نقصان پہنچنے کا زیادہ احتمال تھا۔ اسلئے حُسنِ سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمان ان تکالیف اور مظالم کے مقابلے میں صبر سے کام لیتے۔ اور بُردباری کا اعلیٰ نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرتے۔ مسلمانوں کے اس طرزِ عمل کے باعث نہ صرف یہ کہ قریش کو مظالم کی رفتار تیز کرنے کا کوئی بہانہ نہ ملا بلکہ خود مسلمانوں کی عزّت و توقیر میں گراں قدر اضافہ ہوا۔ اور کمزوری اور قلتِ تعداد کے باوجود اخلاقی میدان میں اُنہوں نے زبردست فتح حاصل کرلی۔

مسلمانوں کے مقابلے میں قریش کی سیاست کو ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ اور وُہ اس تحریک کو تباہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ہاں یہ

ضرور ہؤا کہ اسلامی دعوت ایک مختصر دائرہ میں محدود ہو کر رہ گئی۔ اور مکّہ کے بہت کم لوگوں نے اسے قبول کیا۔ منجملہ دیگر وجوہ کے اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کسی تحریک کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اسے ایک ایسی طاقت کی حمایت حاصل ہو جو مصائب اور مشکلات کے موقعوں پر اس کی ہر قسم کی مدد کر سکے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بنو عبد مناف کی حمایت ضرور حاصل تھی۔ لیکن دینی لحاظ سے نہیں بلکہ محض اس لئے کہ آپ اس قبیلے کے ایک فرد تھے بنا بریں بنو عبد مناف کی حمایت کا دائرہ صرف رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اس قبیلے کے مسلمانوں تک محدُود تھا۔ چونکہ انہیں (بنو عبد مناف کو) اسلام سے کوئی تعلّق نہ تھا بلکہ محض قبیلہ کی عزّت کی خاطر وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مدد کرنے پر مجبور تھے۔ اس لئے دیگر قبائل کے مسلمان ان کی حمایت اور نصرت سے محروم تھے۔ اس صورت میں یہ ممکن نہ تھا کہ دیگر قبائلِ قریش میں اسلام کو نمایاں کامیابی ہوتی اور بکثرت لوگ اسلام قبول کر لیتے۔

(۲) مُسلمانوں اور سلطنتِ حبشہ کے تعلّقات

جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں حبشہ پر ایک منصف مزاج بادشاہ اصحمہ حکمرانی کرتا تھا۔ اسے رعایا میں بہت ہر دلعزیزی حاصل تھی کیونکہ

جس وقت اس نے عنانِ حکومت سنبھالی تو ملک میں شورش اور اضطراب برپا تھا۔ لیکن اس نے سریر آرائے سلطنت ہوتے ہی اس اضطراب اور اور بے چینی کو دُور کر دیا۔ اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ رعایا کو بھی اس سے محبت پیدا ہو گئی۔ اور وُہ اس کی کامل اطاعت پر کمربستہ ہو گئی۔ اہلِ حبشہ کا مذہب عیسائیت تھا جو بُت پرستی کی نسبت اسلام کے قریب تھا ۔

جب قریش کی ایذا رسانیاں حد سے بڑھ گئیں تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ وُہ اس عادل بادشاہ کے ملک میں ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل میں کئی مسلمان حبشہ چلے گئے۔ نجاشی کو ان کے حالات سُن کر بہت رحم آیا۔ اس نے ان کی بہت تعظیم و تکریم کی اور رہائش کی سہُولتیں بہم پہنچائیں۔ اس طرح مسلمان خوف کی حالت سے نکل کر امن کی حالت میں آ گئے۔ اور دینی ارکان آزادی اور بے خوفی سے بجا لانے لگے ۔

جب قریش کو یہ خبریں ملیں کہ مسلمان حبشہ میں آرام اور چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں تو انہیں بہت تکلیف ہوئی۔ اور اُنہوں نے مسلمانوں کو واپس لانے کے لئے دو ایسے آدمیوں کو نجاشی کے پاس بھیجا جو سیاست اور عقلمندی میں جواب نہ رکھتے تھے۔ یہ دو آدمی

عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ تھے۔۔ یہ لوگ نجاشی، اس کے وزراء، درباریوں اور حبشہ کے پادریوں کو پیش کرنے کے لئے تحفے بھی ساتھ لیتے گئے۔ چمڑا مکہ کی خاص پیداوار تھی۔ انہوں نے کثیر مقدار میں چمڑا اکٹھا کیا اور حبشہ پہنچ کر سب سے پہلے نجاشی کے وزرا کو تحفے پیش کئے۔ اور انہیں کہا کہ ہمارے ملک سے چند بے وقوف غلام آپ کے ہاں آگئے ہیں۔ انہوں نے اپنا آبائی دین ترک کر دیا ہے۔ لیکن آپ کے ملک میں آنے کے باوجود آپ کا دین اختیار نہیں کیا اور ایک ایسے دین کے پیرو بن گئے ہیں جو ہمارے اور آپ کے دینوں سے یکسر مختلف ہے۔ اب ہم انہیں واپس لینے کے لئے آئے ہیں۔ جب ہم بادشاہ سے ان کے متعلق بات کریں تو براہ کرم انہیں ہمارے حوالے کرنے کی سفارش کر دیں اور مسلمانوں کو دربار میں آکر اپنی صفائی پیش کرنے کا موقعہ نہ آنے دیں۔ کیونکہ ان کی قوم نہ صرف شرف و عزت اور مرتبے کے لحاظ سے ان سے بلند تر ہے بلکہ ان کی کرتوتوں کو بھی وہی اچھی طرح سمجھ سکتی ہے"۔

وزیروں نے حامی بھر لی اور بادشاہ کے حضور سفارش کرنے کا وعدہ کر لیا۔ چنانچہ حسب قرار داد اگلے روز قریش کے وفد نے نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر اسے تحائف پیش کئے جنہیں اس نے قبول کر لیا۔ اس کے

بعد وہ حرفِ مطلب زبان پر لائے۔ اور جو باتیں انہوں نے قبل ازیں وزراء سے کی تھیں وہی نجاشی سے بھی کیں۔ تمام وزراء دربار میں حاضر تھے۔ اُنہوں نے وفد کی تائید کی اور کہا :۔

"جہاں پناہ! یہ لوگ سچ کہہ رہے ہیں۔ آپ ان بھگوڑے مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیجئے۔ تاکہ وہ انہیں اپنے ملک میں واپس لے جائیں"۔

نجاشی کو یہ سُن کر بہت طیش آیا اور اس نے بڑی سختی سے کہا :۔

"خدا کی قسم میں ان لوگوں سے ہرگز دھوکا نہ کروں گا جنہوں نے سب طرف سے مایوس ہو کر میرے ہاں پناہ لی ہے۔ پس جب تک میں ان کی بات نہ سُن لُوں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا"۔

چنانچہ بادشاہ نے ایک آدمی انہیں لانے کے لئے بھیجا۔ جب یہ پیغامبر مسلمانوں کے پاس پہنچا تو اُنہوں نے جمع ہو کر مشورہ کرنا شروع کیا کہ اس موقعہ پر بادشاہ سے کیا کہنا چاہیئے۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے کہا :۔

"مَیں خود بادشاہ سے بات کروں گا۔ ہماری آمد کی غرض اسے پہلے ہی معلوم ہے۔ اس کے بعد جو ہوگا سو دیکھا جائے گا"۔

چنانچہ یہ لوگ بادشاہ کے دربار کی طرف چل پڑے۔

بادشاہ نے مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے پہلے بڑے بڑے عیسائی عالموں کو بھی دربار میں بُلا لیا تھا تاکہ مذہب کے بارے میں جو بات چیت ہو اُسے وہ بغور سُن کر اپنی رائے دے سکیں۔ چنانچہ وہ اپنی مقدس کتابیں کھول کر بیٹھ گئے اور مسلمانوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ جب جعفر اور دوسرے مسلمان دربار میں پہنچے تو بادشاہ نے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا اور کہنے لگا :۔

"یہ کیا بات ہے کہ تم نے اپنے آبا و اجداد اور قوم کا دین چھوڑ کر ایک بالکل نیا دین اختیار کر لیا ہے۔ اگر تمہیں اپنا دین ترک کر کے کوئی اور دین اختیار کرنا ہی تھا تو ہمارا دین یا کوئی اور دین قبول کر لیتے۔ مگر تم نے اپنے لئے یہ انوکھا طریقہ کیوں اختیار کیا"؟

بادشاہ کی یہ بات سُن کر جعفرؓ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے :۔

"اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے۔ بُتوں کی پرستش کرتے، مُردار کھاتے، ہر قسم کی بُرائیوں کے مُرتکب ہوتے۔ قطع رحمی کرتے، پڑوسیوں کے حقوق غصب کرتے اور کمزوروں پر ظلم و ستم روا رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ہماری حالت پر رحم آیا اور اُس نے ہم میں اپنے ایک رسولؐ کو مبعوث کیا۔ جس کے حسب و نسب، صدق و امانت اور عفت و پرہیزگاری سے ہم میں سے ہر شخص واقف تھا۔ اس نے ہمیں توحید کی

طرف بُلایا۔ اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی۔ جن بے جان پتھروں اور بتوں
کو ہم پوجتے تھے انہیں ترک کرنے کا حکم دیا۔ سچ بولنے، امانت میں خیانت
نہ کرنے، صلہ رحمی کرنے، ہمسایوں سے حُسنِ سلوک کرنے، محارم اور خونریزی
سے پرہیز کرنے کی تلقین کی۔ بُرے کام کرنے، یتیم کا مال کھانے، جھوٹ بولنے
پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے سختی سے روکا، نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور
روزے رکھنے کا حکم دیا۔ ہم اسکی باتوں سے متاثر ہو کر اس پر ایمان لے آئے۔
جس پر ہماری قوم نے آتش زیرپا ہو کر ہمیں سخت تکلیفیں دینی شروع کر دیں
اور اس امر کی ہر ممکن کوشش کی کہ ہم اسلام کو چھوڑ کر اپنے آبائی دین کی طرف
لوٹ آئیں۔ اللہ کی عبادت ترک کر کے بتوں کے آگے سجدہ ریز ہونے
لگیں اور جن بُری باتوں کو ہم نے ترک کر دیا تھا دوبارہ ان کا ارتکاب
کرنے لگیں۔ جب ان کے مظالم حد سے بڑھ گئے۔ زمین فراخی کے باوجود
ہم پر تنگ ہو گئی۔ وہ ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہو گئے
تو ہم مجبور ہو کر مکّہ سے نکلے اور آپ کے ہاں آ گئے۔ اے بادشاہ!
ہم نے ہر طرف سے نا اُمید ہو کر آپ کے مُلک کا رُخ کیا ہے۔ اور آپ
کی پناہ ڈھونڈی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہ ہو گا۔"

حضرت جعفرؓ کی یہ پر اثر باتیں سُن کر نجاشی کہنے لگا:- "اللہ
نے تمہارے نبی پر جو کلام نازل کیا ہے اس کا کوئی حصّہ تمہیں یاد ہے؟

جعفرؓ نے کہا :۔

" جی ہاں "

نجاشی نے کہا :۔

" وہ مجھے سناؤ "

حضرت جعفر نے بہت خوش الحانی سے سورۂ مریم کا وہ حصہ تلاوت کرنا شروع کیا جس میں حضرت ذکریاؑ اور حضرت مریمؑ کا ذکر ہے۔ اسے سن کر نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ دربار میں جو پادری موجود تھے ان پر بھی بحد اثر ہوا۔ اور ان کی آنکھوں سے بھی ٹپ ٹپ آنسو گر گر ان کی کتابوں کو تر کرنے لگے ؃

قرآن کریم سن کر نجاشی کہنے لگا :۔

یقیناً یہ کلام اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اس کا اور عیسیٰ علیہ السلام پر اُترنے والے کلام کا سرچشمہ ایک ہی ہے ؃

اس کے بعد وہ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا :۔

" تم دونوں مکہ واپس چلے جاؤ۔ خدا کی قسم! میں ان مسلمانوں کو کبھی تمہارے حوالے نہ کروں گا " ؃

عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ ناکام ہو کر دربار سے چلے

آئے۔ لیکن عمرو بن العاص آسانی سے ہار ماننے والے نہ تھے۔ اُنہوں نے اپنے ساتھی سے کہا :-

خدا کی قسم! مَیں کل بادشاہ سے مسلمانوں کے متعلّق ایک ایسی بات کہوں گا جس سے ان کی جڑ کٹ جائے گی "۔

عبد اللہ میں رحم دِلی اور صلہ رحمی کا مادہ کسی حد تک موجود تھا۔ اس نے کہا :-

"ہمیں ایسا کرنا مناسب نہیں ۔ کچھ بھی ہو ۔ آخر وہ ہمارے رشتے دار ہیں ۔ گو دینی لحاظ سے ہم میں اور ان میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے "۔

لیکن عمرو بن العاص نہ مانے ۔ اور انہوں نے اپنی تدبیر کو بروئے کار لانے کا ارادہ کر ہی لیا ۔

اگلے روز دوبارہ دربار میں پہنچے اور بادشاہ سے کہنے لگے :-

"جہاں پناہ! آپ کو کچھ پتہ بھی ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ بن مریم کے متعلّق کیا اعتقاد رکھتے ہیں ۔ اور انہیں کس قدر کم تر درجہ دیتے ہیں "؟

بادشاہ نے مسلمانوں کو دوبارہ بلا بھیجا ۔ تاکہ حضرت مسیح ابنِ مریمؑ کے بارے میں انکے عقائد سے آگاہی حاصل کرے ۔ جب وہ لوگ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا :-

"تم لوگ مسیح ابنِ مریم کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہو؟"

جعفر نے جواب دیا :-

"ہم ان کے بارے میں وہی اعتقاد رکھتے ہیں جس کی ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں تعلیم دی ہے اور وہ یہ کہ وہ اللہ کے بندے اس کے رسول، اس کی رُوح اور اس کا کلمہ ہیں، جسے اس نے مریم عذرا بتول پر اتارا ہے"

یہ سن کر نجاشی نے زمین پر پڑا ہوُا ایک تنکا اُٹھایا۔ اور کہنے لگا:-

"خدا کی قسم! تم نے جو شان بیان کی ہے میں اس تنکے سے زیادہ مسیح کی شان نہیں سمجھتا۔ جاؤ تمہیں سرزمین حبشہ میں ہر قسم کی آزادی حاصل ہے۔ تمہیں کوئی شخص ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اگر مجھے ایک پہاڑ کے برابر بھی سونا دیا جائے۔ تب بھی میں تم میں سے کسی شخص کو تکلیف دینا پسند نہ کروں گا"

اس کے بعد اس نے عمرو بن العاص اور عبداللہ ابن ابی ربعیہ کے تحفے واپس کرنے کا حکم دیا۔ اور کہا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ وُہ لوگ ناکام و نامراد ہو کر واپس مکّہ چلے گئے۔ اور مہاجرینِ حبشہ پر ان کا قابُو نہ چل سکا۔

لیکن نجاشی کے دربار کے عیسائی عالموں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام

کے بارے میں نجاشی کے رویّے کو پسند نہ کیا۔ انہوں نے اہلِ حبشہ میں یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ نجاشی نے نصرانیت ترک کر دی ہے۔ نجاشی کے اہلِ خاندان جمع ہو کر اسکے پاس آئے اور کہا :-

"تم نے اپنے دین کو ترک کر کے ہمیں ذلیل کر دیا ہے۔ اب ہم تمہاری مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرینگے"۔

چنانچہ اُنھوں نے حبشہ میں نجاشی کے خلاف بغاوت کے شُعلے بھڑکانے شروع کر دئے۔

نجاشی یہ دیکھ کر بُہت گھبرایا لیکن حکمتِ عملی سے کام لے کر ایک تدبیر اختیار کی۔ اس نے مسلمانوں کے لئے ایک کشتی تیار کرائی۔ اور انہیں بُلا کر کہا :-

"میں اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرنا ہُوں۔ اگر مجھے فتح حاصل ہو گئی تو تم بدستور اپنی جگہ پر رہنا لیکن اگر شکست کا سامنا کرنا پڑا تو تم اس کشتی میں سوار ہو کر کسی محفوظ جگہ چلے جانا۔ اور اپنے آپ کو دُشمنوں کے شر سے بچانا"۔

اس کے بعد اس نے ایک کاغذ پر یہ عبارت لکھی :-

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمّداً عبدہٗ و رسولہٗ و اشھد انّ عیسیٰ بن مریم عبدہٗ و رسولہٗ و

رُوحہٗ وکلمتہ القاھا الیٰ مریم ؂

(ترجمہ) میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور یہ کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور میں یہ شہادت بھی دیتا ہوں کہ عیسٰی ابن مریمؑ اس کے بندے، اس کے رسول، اسکی رُوح اور اس کا کلمہ ہیں۔ جسے اس نے مریمؑ پر اُتارا ہے"۔

اس کاغذ کو اس نے لوگوں سے چھپاکر اپنی قبا کے اندر دائیں کندھے کے نزدیک لگا لیا۔ اور باہر آکر لوگوں سے کہا:۔

"کیا میں تم سب سے زیادہ راست باز نہیں ہُوں؟"

لوگوں نے جواب دیا:۔

"یقیناً"

اُس نے پُوچھا:۔

"میری سیرت کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے"؟

انہوں نے جواب دیا:۔

"آپ بہترین سیرت کے مالک ہیں"

اُس نے کہا:۔

"پھر تم لوگوں نے میری مخالفت پر کیوں کمر باندھی ہوئی ہے"؟

جواب ملا:۔

"اس لئے کہ آپ نے ہمارے دین کو ترک کر دیا ہے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریمؑ خدا کے بندے تھے"۔

اس نے پوچھا:۔

"مسیح بن مریمؑ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے"؟

انہوں نے جواب دیا:۔

"وہ اللہ کے بیٹے تھے"

اس پر اس نے اپنا ہاتھ کاغذ والی جگہ پر رکھ کر کہا:۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت مسیحؑ ابن مریمؑ کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں ہے"۔

در اصل اس کا مطلب کاغذ پر لکھی ہوئی عبارت سے تھا، لیکن لوگوں کو اس کا علم نہ تھا۔ انہوں نے خیال کیا کہ نجاشی نے حضرت عیسیٰ کی بشریت کا عقیدہ ترک کر دیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بغاوت ختم کر دی اور دوبارہ نجاشی کی اطاعت قبول کر لی۔ حضرت جعفرؓ اور انکے ساتھی جو کشتی میں چھپے ہوئے تھے اپنی اپنی جگہوں پر واپس آگئے لیکن ان سے کسی نے تعرض نہ کیا۔ اور وہ آرام اور چین کے ساتھ حبشہ میں زندگی گزارتے رہے۔ وہ نجاشی کے بہت ممنون تھے کہ اس نے پادریوں کی دشمنی اور علماء کی مخالفت کے باوجود انہیں ہر قسم کی آسائشوں سے نوازا۔

اور انہیں امان دینے کا جو وعدہ ابتدا میں کیا تھا، اسے ہر قسم کے خطرناک حالات میں پورا کیا۔ کئی لوگوں نے اشعار میں بھی اپنی ممنونیت کا اظہار کیا۔ چنانچہ عبداللہ بن حارث سہمی نے اس کی مدح میں یہ اشعار کہے

یا راکبا بلّغا عنّی مغلغلۃ

من کان یرجوا بلاغ اللہ والدّین

کل امرئ من عباد اللہ مضطھد

ببطن مکۃ مقھور ومفتون

انا وجدنا بلاد اللہ واسعۃ

تنجی من الذل والمخزاۃ والھون

فلا تقیموا علیٰ ذل الحیوۃ وخز

ی فی الممات وعیب غیر مأمون

إنّاَ تبعنا رسول اللہ واطرحوا

قول النّبی وعالوا فِی الموازین

فاجعل عذابك في القوم الّذین بغوا

وعائذ بك ان یعلوا فیطغونی

ترجمہ۔ مکّہ جانے والے سوارو! میرا یہ پیغام ہر اس شخص کو پہنچا دو جو اللہ اور اس کے دین کا پیغام دنیا کے سامنے پہنچانا چاہتا ہے۔

کہ مکہ میں رہنے والا ہر مسلمان کفّار کے مظالم کی چکّی کے نیچے پس رہا ہے۔ اور اسے فتنہ میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔ ہم نے اللہ کی سرزمین کو بڑا کشادہ پایا ہے۔ اور ایسی جگہیں معلوم کی ہیں جہاں ذلّت و رُسوائی اور ظلم و ستم سے رہائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ پس اے مسلمانو! اس سرزمین کی رہائش ترک کر دو جہاں تمہیں ہر قسم کی ذلّت و رُسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ طرح طرح کے عیوب میں تمہیں ملوّث کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور جہاں تمہیں ایک دن کے لئے بھی امن اور چین نصیب نہیں۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی اختیار کی۔ لیکن آپ کے مخالفین نے ایمان لانا تو کُجا آپ کی باتوں پر کان تک نہ دھرا۔ اور سرکشی میں بڑھتے ہی چلے گئے۔ اے ہمارے پروردگار! اپنا عذاب اس قوم پر نازل کر جس نے سرکشی اور عناد پر کمر باندھی ہوئی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان لوگوں کا فساد اور شور و شر بڑھ جائے۔ اور وہ تیرے بندوں کو پہلے سے زیادہ عذاب میں مُبتلا کر دیں“۔

مندرجہ بالا واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حبشہ پہلا ملک تھا جس نے مسلمانوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور اپنے دروازے ان کیلئے کھول دیئے۔ وہاں کے بادشاہ نے قریش کے طاقتور قبیلے کا بھی خیال نہ کیا۔ اور جب ان کا وفد مسلمانوں کو لینے کے لئے حبشہ آیا تو نجاشی

نے مسلمانوں کو ان کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کی بڑی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان اور عیسائی بظاہر دونوں بتوں کی عبادت کو ناجائز قرار دیتے۔ اور اسے اپنے دین کے اصولوں کے منافی خیال کرتے ہیں۔ اس حسنِ سلوک کے نتیجے میں مسلمان نہ صرف حبشہ کے عیسائیوں کے ممنون احسان رہے بلکہ دیگر عیسائی سلطنتوں سے بھی ان کی ہمدردیوں میں اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ جس وقت ایران کی مجوسی سلطنت نے شام میں رومیوں پر فتح حاصل کی۔ تو مسلمانوں کو بہت رنج ہؤا۔ کیونکہ رُومی بھی ان کی طرح اہلِ کتاب تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ جن میں چند سالوں کے اندر ایرانیوں پر رُومیوں کے غلبے کی خبر دی گئی تھی:۔

الٓمٓ۔ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون۔ فی بضع سنین۔ للہ الامر من قبل ومن بعد ویومئذٍ یفرح المومنون بنصر اللہ۔ ینصر من یشآء وھو العزیز الرحیم ۰ (سورہ روم ع ۱)

ترجمہ:۔ "رومی لوگ قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے۔ اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد پھر چند سال میں دوبارہ غالب آجائینگے۔ اس واقعہ سے پہلے بھی اللہ تعالےٰ کی حکومت ہو گی۔ اور بعد میں بھی

اس کی حکومت ہو گی اور اس دن مومن اللہ کی مدد سے بہت خوش ہوں گے۔ اللہ جسے پسند کرتا ہے اس کی مدد کرتا ہے اور وہ غالب اور بار بار کرم کرنے والا ہے"۔

داخلی سیاسیات

ہجرت سے غزوۂ بدر تک

(۱) مہاجرین اور انصار کے سیاسی تعلقات کی نوعیت

مہاجرین کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو فتح مکّہ سے قبل ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے۔ اور انصار کا لفظ ان مسلمانوں کے متعلق بولا جاتا ہے جو مدینہ کے رہنے والے تھے۔ ان لوگوں کو انصار اس لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے ہجرت کے موقعہ پر رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر ممکن مدد کی تھی۔ اور ان کے لئے آرام و آسائش کا سامان مہیّا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تھا۔ انصار اوس اور خزرج دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ اور اسلام سے قبل ان میں سخت دشمنی پائی جاتی تھی لیکن

اسلام نے ان کی باہمی دشمنی کو مٹا کر ان میں عدیم النظیر اتحاد قائم کر دیا۔ ہر دو قبائل کے لئے انصار کا لفظ بھی اسی مصلحت سے اختیار کیا گیا کہ باہمی مغائرت مفقود ہو جائے۔ اور یہ دونوں قبیلے اپنے آپکو ایک ہی برادری کے رُکن سمجھکر ایک دوسرے سے محبت اور پیار کا سلوک کرنے لگیں ؛

مہاجرین اور انصار اس دوران میں اسی معاہدے پر کاربند رہے جو بیعت عقبۂ ثانیہ کے موقعہ پر کیا گیا تھا۔ اور جس کی رُو سے انصار پر مہاجرین کی حفاظت اور ان کا دفاع تو واجب تھا۔ لیکن مہاجرین کی طرف سے کسی حملے کی صورت میں وہ ان کی مدد کرنے کے پابند نہ تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس عہد کو پوری طرح نباہا۔ اور شروع میں انصار کو کسی ایسے دستے میں شرکت کی دعوت نہ دی جو قریش کے قافلوں پر حملہ کرنے کے لئے مدینہ سے جایا کرتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ اہلِ مدینہ کے دلوں میں اسلام پورے طور پر راسخ ہو جائے۔ مہاجرین اور انصار کے درمیان کامل یگانگت پیدا ہو جائے۔ اس کے بعد انہیں دشمن پر حملہ کرنے والے دستوں میں شرکت کی دعوت دی جائے۔ اس سے قبل ممکن ہے وہ اپنے دلوں میں انقباض محسوس کریں اور خوش دِلی کے ساتھ فوجی دستوں میں شرکت نہ کریں ؛

زمانۂ جاہلیت میں دیگر قبائل عرب کی طرح اوس اور خزرج نے

بھی اپنے لئے ایک نظامِ زندگی وضع کیا ہؤا تھا۔ اسلام قبول کرنے سے قبل انہوں نے متفقہ طور عبد اللہ بن ابی بن سلول کو اپنا سردار مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس کے لئے تاج بھی تیار ہو رہا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی مدینہ میں تشریف آوری کے باعث ایسا نہ ہوسکا۔ کیونکہ اب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے علاوہ اور کسی شخص کو مدینے کی قیادت سپرد نہ کی جاسکتی تھی۔ حضورؐ کی تشریف آوری پر مدینہ کا تمام انتظام آپ ہی کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ اور وہاں کے سابقہ قبائلی نظام کو اسلامی نظام میں تبدیل کر دیا گیا۔ یہ بات وہاں کے بعض لوگوں کو ناگوار گذری اور ان کے دلوں میں آتشِ حسد بھڑکنے لگی۔ اس صورت میں حسنِ سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ اہلِ مدینہ سے صرف انہی مواعید کو پورا کرنے کا مطالبہ کیا جاتا جو بیعتِ عقبہ کے موقعہ پر انہوں نے اپنی رضامندی سے حضور سے کئے تھے۔ اور اس وقت تک ان سے کوئی مزید مطالبہ نہ کیا جاتا جب تک اسلام ان کے دِلوں میں پورے طور پر راسخ نہ ہو جاتا۔ اور وہ نئے نظام کے تحت زندگی بسر کرنے کے عادی نہ ہو جاتے ؎

اس غرض کو پُورا کرنے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے ایک تدبیر یہ اختیار کی کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتۂ اخوت

قائم کرا دیا جو دُنیوی رشتوں سے بدرجہا زیادہ مضبوط تھا۔ اس رشتۂ اخوّت و مودّت کا مقصد بھی یہی تھا کہ انصار کا تعلق اپنے غیر مسلم ہم قوم بھائیوں سے زیادہ مہاجرین سے ہو جائے جو گو ان کے ہم قوم نہ تھے لیکن دینِ اسلام نے ان دونوں کو ایک ناقابلِ شکست رشتے میں جکڑ دیا تھا۔ مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتۂ اخوّت کی کسی قدر تفصیل درج ذیل ہے:-

مابین حضرت ابوبکرؓ صدیق و خارجہؓ بن زید
" " عمرؓ بن خطاب و عتبانؓ بن مالک
" " ابو عبیدہؓ بن جراح و سعدؓ بن معاذ
" " عبدالرحمٰنؓ بن عوف و سعدؓ بن ربیع
" " زبیرؓ بن عوام و سلامہؓ بن سلامہ
" " عثمانؓ بن عفان و اوسؓ بن ثابت
" " طلحہؓ بن عبید اللہ و کعبؓ بن مالک
" " سعیدؓ بن زید و ابیؓ بن کعب
" " مصعبؓ بن عمیر و ابو ایوبؓ
" " ابو حذیفہ بن عتبہ و عبادؓ بن بشر
" " عمارؓ بن یاسر و حذیفہؓ بن یمان

مابین حضرت ابوذر غفاریؓ و منذرؓ بن عمرو

" " حاطبؓ بن ابی بلتعہ و عویمؓ بن ساعدہ

" " سلمان فارسیؓ و ابوالدرداءؓ

" " بلالؓ بن رباح و ابورویحہؓ

اس طرح مہاجر اور انصار باہم بھائی بھائی بن گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اخوت کو نسبی اخوت سے مضبوط تر بنا دیا تھا اور ہر انصاری اپنے مہاجر بھائی کے لئے اپنی ہر چیز قربان کرنے کیلئے نظر آتا تھا۔ اس معاہدہ اخوت کی بدولت ایک طرف انصار کا رابطہ اپنے ہم قوم مشرک بھائیوں سے ختم ہوگیا تھا۔ دوسری طرف اُنکے درمیان سے وہ تفرقہ اور فساد دُور ہوگیا تھا جو اس سے قبل ان کا طرۂ امتیاز بن چکا تھا۔ تمام مسلمان بلالحاظ قبیلہ و خاندان ایک دوسرے کے دُکھ سکھ میں شریک بن گئے۔ اور ان میں عدیم النظیر اتحاد و اتفاق قائم ہوگیا۔ ابتدا میں تو مہاجر اور انصار بھائیوں کے درمیان سلسلۂ وراثت بھی جاری تھا۔ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تھا تو اس کی وراثت میں سے اسکے دینی بھائیوں کو بھی حصہ ملتا تھا۔ لیکن بعد میں خدائی احکام کے تحت یہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔ اور صرف حقیقی رشتے داروں کو وراثت کا حقدار تسلیم کیا گیا۔ چنانچہ اس بارے میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَالَّذِینَ آمنوا من بعد وھاجروا وجاھدوا معکم فاولٰئک منکم واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ انّ اللہ بکلّ شیءٍ علیم ○ (سورۂ انفال ع ۱۰)

(ترجمہ) " اور جو لوگ (موجودہ وقت کے) بعد ایمان لائینگے۔ اور ہجرت کرینگے اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کریں گے۔ وُہ یقیناً تمہاری جماعت میں سے سمجھے جائیں گے لیکن (وراثت کے سلسلے میں) بعض رحمی رشتے دار بعض کی نسبت اللہ تعالیٰ کی کتاب کی رو سے زیادہ قریبی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے "۔

(۲) مُسلمانوں اور یہُود کے سیاسی تعلّقات

یثرب میں یہود کی ایک بھاری تعداد آباد تھی۔ ان لوگوں نے رومیوں کے ہاتھوں فلسطین سے جلاوطن ہونے کے بعد ادھر کا رُخ کیا تھا۔ اور اسے اپنا وطن بنا کر آہستہ آہستہ یہاں کی تجارت اور زراعت کو کلیتہً اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ اپنے اثرو رسُوخ اور مال و دولت کے بل بوتے پر یہ وہاں کے مقامی باشندوں پر ہر لحاظ سے غالب آگئے۔ کچھ عرصے کے بعد انہوں نے سُودی کاروبار بھی شروع کر دیا۔ جس کی بدولت اہل یثرب کی بیشتر زمینیں ان کے قبضے میں آگئیں۔

اس سے ان کے اثر و رسوخ اور قوت و طاقت میں مزید اضافہ ہو گیا اور انہوں نے یہاں بڑے بڑے قلعے اور گڑھیاں تعمیر کر لیں۔ ان کے تین بڑے بڑے قبائل بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو قریظہ ان ہی قلعوں میں مقیم تھے ؛

کچھ عرصے تک تو یہود کی توجّہ محض مال و دولت حاصل کرنے اور اپنی قوت و طاقت میں اضافہ کرنے تک محدود رہی۔ لیکن آہستہ آہستہ انہوں نے یہاں کی مقامی سیاست میں بھی دخل اندازی شروع کر دی۔ یثرب کے عرب قبائل اوس اور خزرج ایک دوسرے کے حریف تھے اور آپس میں بر سرِ پیکار رہتے تھے۔ یہود نے اپنے حسبِ مطلب ان قبائل کی مدد کر کے سیاسی فوائد بھی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ بنو قریظہ نے اوس کی حمایت کا بیڑا اُٹھایا اور بنو نضیر اور بنو قینقاع خزرج کے حلیف بنے۔ جب ان ہر دو قبائل کے درمیان جنگیں ہوتیں تو یہود بھی ان قبائل سے کیئے ہوئے معاہدوں کی بنا پر ایک دُوسرے سے لڑتے اور دینی تعلق کو بالکل فراموش کر دیتے۔ توریت کے احکام کی رو سے ان کیلیئے ایسا کرنا بالکل حرام تھا۔ لیکن بہانہ سازی اور حیلہ جُوئی ان کی سرشت میں داخل تھی۔ وُہ مختلف حیلوں بہانوں سے کام لے کر اپنے لیئے وجہ جواز تلاش کر لیتے تھے۔ ایک طرف تو وہ اپنے اپنے حلیف قبیلے کا ساتھ

دے کر ایک دُوسرے سے لڑتے تھے۔ دُوسری طرف اگر اُن کا کوئی آدمی فریقِ مخالف کے ہاتھوں میں قید ہو جاتا تھا تو وُہ فدیہ دیکر اسے چھڑا لیتے تھے۔ عربوں کو یہ دیکھ کر بے حد تعجب ہوتا تھا۔ اور وُہ کہتے تھے کہ اگر تم اپنے آدمیوں کو فدیہ دے کر چُھڑا لیتے ہو تو تمہیں ان سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہود اس کا یہ جواب دیتے تھے کہ ہمیں یہی حکم ہے کہ اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑا لیں۔ ان سے ہم لڑتے اس لئے ہیں کہ معاہدوں کی رُو سے ہم اپنے حلیف قبیلوں کی مدد کرنے پر مجبور ہیں۔ اس صورت میں جو بھی ہمارے مدِمقابل آئیگا ہم اس سے لڑیں گے۔ خواہ وہ ہمارا ہم مذہب اور کتنا ہی قریبی عزیز کیوں نہ ہو۔ ان کی اسی خصلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے :-

واذ اخذنا میثاقکم لا تسفکون دماءکم ولا تخرجون انفسکم من دیارکم ثمّ اقررتم وانتم تشھدون۔ ثمّ انتم ھؤلاء تقتلون انفسکم و تخرجون فریقاً منکم من دیارھم تظاھرون علیھم بالاثم والعدوان۔ وان یأتوکم اساریٰ تفادوھم وھو محرّمٌ علیکم اخراجھم۔ افتؤمنون ببعض الکتاب

وتکفرون ببعض ۔ فما جزاء من یفعل ذٰلک منکم الّا خزیٌ فی الحیٰوۃ الدّنیا و یوم القیامۃ یردّون الیٰ اشدّ العذاب وما اللہ بغافلٍ عمّا تعملون ○ (سورۂ بقرہ رکوع ۱۰)

(ترجمہ) "اور اے یہود! اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا کہ تم آپس میں اپنے (لوگوں کے) خون نہ بہاؤ گے اور اپنے آپ کو (یعنی اپنی قوم کے لوگوں کو) اپنے گھروں سے نہ نکالو گے۔ اور تم نے اس کا اقرار کر لیا تھا۔ اور تم اس عہد کے متعلق ہمیشہ گواہی دیتے رہے ہو۔ پھر تم لوگ ہی ہو کہ اس عہد کے باوجود آپس میں ایکدوسرے کو قتل کرتے ہو۔ اور اپنے میں سے ایک جماعت کو گناہ اور ظلم کیساتھ ان کے دشمنوں کی مدد کرتے ہوئے ان کے گھروں سے نکالتے ہو۔ اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر مدد مانگنے کے لئے آتے ہیں تو فدیہ دیکر انہیں چھڑا لیتے ہو۔ گو حقیقتہً ان کا گھروں سے نکالنا بھی تم پر حرام کیا گیا تھا۔ تو کیا تم کتاب کے ایک حصّے پر تو ایمان لاتے ہو اور ایک حصے کا انکار کرتے ہو۔ پس تم میں سے جو ایسا کرتے ہیں ان کی سزا اس جہان کی زندگی ہی میں رسوائی اُٹھانے کے سوا اور کیا ہے جو انہیں ملے گی۔ اور وہ قیامت کے دن اس سے بھی سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے ہرگز

بے خبر نہیں"۔

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی تو اس شہر کو عرب اور یہود کا مشترکہ وطن قرار دینے کا ارادہ کیا۔ آپ کی خواہش تھی کہ ہر دو فریق امن اور چین کے ساتھ زندگی بسر کریں اور دینی اختلاف ان کے اتحاد کے راستے میں روک نہ بنے۔ اس طرح ان کے باہمی تنازعات ختم ہو جائیں گے۔ اور وُہ ایک دُوسرے سے جنگ و جدل میں مشغول رہنے کی بجائے بھائیوں کی طرح زندگی بسر کرینگے۔ عرب اپنی عربیت کو بھول کر اپنی تمامتر توجہ اس نئے وطن کی تعمیر و ترقی کی طرف لگا دیں اور یہود اپنی یہودیت کو فراموش کر کے اسی شہر کے ہو رہیں۔ اور ہمیں کوئی شک نہیں کہ دین اور وطنیت کا یہ تصوّر اسلام سے پہلے اور کسی مذہب و ملّت اور قوم نے پیش نہیں کیا۔ اسلام دین میں کسی قسم کا جبر روا نہیں رکھتا۔ اور ہر شخص کو آزادی ہے کہ وُہ اپنے لئے جو مذہب چاہے اختیار کرے۔ کیونکہ مذہب کا تعلّق اللہ تعالےٰ سے ہے اور اعتقادات کے بارے میں اسے اللہ ہی کے سامنے جواب دہ ہونا پڑیگا۔ اختلافِ مذہب کے باوجود جو شخص اسلامی عملداری میں رہے گا اس کے حقوق مسلمانوں کے حقوق سے کسی طرح کم نہ ہونگے۔ اور مسلمانوں کیساتھ غیرمسلم بھی اسلامی مملکت کے مساوی شہری تسلیم کیئے جائینگے۔ کیونکہ اسلام کے

نزدیک مملکت کے باشندوں کے درمیان تفریق روا رکھنا اصولِ مساوات کے سراسر منافی ہے ؎

اسی بنا پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اہلِ مدینہ کے مابین پچھلے تمام معاہدوں کو جن کی بنیاد افتراق و انشقاق پر تھی منسوخ کر دیا اور ایک نیا معاہدہ مرتّب فرمایا جس میں تمام ایسی دفعات شامل تھیں جن کی بناء پر باشندگانِ مدینہ کے درمیان اتحاد قائم ہو سکتا تھا اور مذہبی اختلافات سے قطع نظر تمام قبیلوں کو ایک سلک میں منسلک کیا جا سکتا تھا۔ اس معاہدہ کی عبارت جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مہاجرین، انصار، اور یہود کے مابین کرایا تھا، مندرجہ ذیل ہے :۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ معاہدہ ہے جو محمدؐ نبی اللہ کی طرف سے قریش اور یثرب کے مومنوں، مسلمانوں اور ان لوگوں کے درمیان ہے جنہوں نے اُن کی پیروی کر کے ان کے ہمراہ جہاد میں حصّہ لیا ہے۔ یہ معاہدہ اس بات پر ہوا ہے کہ یہ سب دوسرے لوگوں سے علیحدہ ایک امت ہیں۔ مہاجرین جو قریش میں سے ہیں اپنی جگہوں پہ قائم رہیں گے۔ اور دیتوں اور خوں بہا وغیرہ کے معاملات میں اپنے قبیلے کے احکام اور طریقوں پہ عمل کرینگے۔ اپنے قیدیوں کو مناسب فدیہ دیکر چھڑائینگے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کریں گے۔

ایسے ہی بنو عوف بھی اپنی جگہوں پر قائم رہینگے اور خوں بہا وغیرہ کا طریق ان میں حسب دستور سابق جاری رہے گا۔ ہر گروہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنے قیدی کو فدیہ دے کر چھڑائے گا۔ اسکے بعد انصار کے ہر قبیلے اور خاندان مثلاً بنو حارث بنو ساعدہ، بنو جشم، بنو نجار، بنو عمر بن عوف اور بنو نبیت وغیرہ کا ذکر کرکے ان کے متعلق بھی یہی تحریر فرمایا۔ آگے چل کر لکھا کہ مومن کسی شخص کو بے یار و مددگار نہ رہنے دینگے۔ اور اگر اس کے ذمے کوئی دیت یا خوں بہا واجب ہوگا اور اس میں اسکے ادا کرنے کی طاقت نہ ہوگی تو مسلمان ادائیگی میں اسکی مدد کرینگے۔ اور کسی مومن کے آزاد غلام کو کوئی مومن حلیف نہ بنائے گا۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص زیادتی اور ظلم کرے گا، سرکشی پہ کمر باندھے گا اور مومنوں کے درمیان فساد ڈالنے کی کوشش کرے گا تو تمام مسلمان مل کر اس کا مقابلہ کرینگے، خواہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ کوئی مومن کسی کافر کے معاملے میں مومن سے نہیں لڑے گا۔ اور نہ کسی مومن کے خلاف کافر کی مدد کرے گا۔ بیشک خدا کا ذمہ ایک ہے۔ ادنی ترین مسلمان کافر کو پناہ دے سکتا ہے۔ مومن دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ یہود میں سے جو شخص ہماری پیروی کرے گا تو ہم پہ اس کی مدد اور اس سے مساوات

کا سلوک کرنا واجب ہوگا۔ ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ انکے خلاف ان کے دشمنوں کی مدد کی جائے گی۔ مومنوں کی صلح ایک ہے۔ (یعنی اگر کوئی مسلمان کسی سے صلح کرے گا تو وہ صلح تسلیم کر لی جائیگی) کوئی مومن عدل و انصاف کو چھوڑ کر اور مسلمانوں کے خلاف کفار سے صلح نہیں کریگا۔ اور جو لشکر ہمارے ساتھ جہاد میں شریک ہوگا وہ باری باری دشمن سے جنگ کرے گا۔ مومن کفار سے انتقام لینے کے لیئے ایک دوسرے کی مدد کرینگے۔ بیشک پرہیزگار مسلمان اچھے اور عمدہ طریقہ پر ہیں۔ اور (مدینہ کا) کوئی مشرک قریش کے کسی شخص کو مالی یا جانی کسی طرح کی پناہ نہ دے گا۔ اور نہ مسلمان کے مقابلے میں اس کی حمایت کرے گا۔ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو کسی گواہی کی وجہ سے قتل کریگا اس سے قصاص لیا جائیگا۔ سوائے اسکے کہ مقتول کے ولی معاف کر دیں۔ سب مومن اس عہد نامہ پر متفق ہیں۔ اور ان کے لئے اس کی خلاف ورزی کسی طرح جائز نہیں۔ کسی مومن کے لئے جس نے اس عہد نامہ پر کاربند رہنے کا اقرار کیا ہو۔ اور وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بدعتی کی مدد کرے یا اسے پناہ دے۔ جو شخص اس (بدعتی) کی مدد کرے گا یا اُسے پناہ دے گا اس پر قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور غضب ہوگا۔ وہاں نہ مال

کام آئے گا۔ اور نہ وہ کوئی اور چیز دے کر اپنا پیچھا چھڑا سکے گا۔ جب مسلمانوں میں کسی قسم کا جھگڑا ہوگا تو اسے اللہ اور اس کے رسولؐ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ یہودی جس وقت لڑیں گے اپنا مال مسلمانوں کے ساتھ خرچ کرینگے۔ بنو عوف کے یہود مومنین کے ساتھ ایک ہی امت (قوم) شمار ہونگے۔ یہود کو اپنے مذہب پر برقرار رہنے کی اجازت ہوگی اور مسلمانوں کو اپنے مذہب پر۔ ان کے موالی بھی انہی کے ساتھ ہیں۔ البتہ جو شخص ظلم اور عہد شکنی پر کمر باندھے گا۔ اس سے کسی قسم کی نرمی کا سلوک نہ کیا جائے گا۔ اور وہ اس طرح خود اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے ہلاکت کا سامان بہم پہنچائے گا۔ بنو نجار، بنو حارث، بنو ساعدہ، بنو جُشم، بنو اوس، بنو ثعلبہ، بنو جفنہ، بنو شُطیبہ کے یہود کے لئے بھی وہی حقوق ہیں جو بنو عوف کے یہود کے لئے ہیں۔ ثعلبہ کے موالی اور یہود کے حلیف قبائل بھی مندرجہ بالا قبیلوں کے زمرے میں شامل ہیں۔ اِن کے لئے بھی وہی حقوق ہیں جو اُن کیلئے ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اجازت کے بغیر مدینہ سے باہر سفر کو نہیں جائے گا۔ کسی شخص کے جائز انتقام لینے کی راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ جو شخص کسی کو دھوکا دے کر قتل کرے گا اس کا ذمہ دار وہ خود اور اس کے گھر والے

ہونگے۔ سوائے اسکے کہ اس پر ظلم کیا گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ اس عہد پر گواہ ہے۔ یہود کا خرچ ان کے اپنے ذمہ ہے اور مسلمانوں کا خرچ ان کے ذمے۔ اگر کوئی بیرونی دشمن اس معاہدے کے فریقوں میں سے کسی فریق سے جنگ کرے گا تو دوسرے فریق اسکی مدد کرینگے معاہدہ کے تمام شریک ایکدوسرے کے خیر خواہ رہیں گے اور ایک دوسرے کی بھلائی چاہیں گے۔ جو برائی کرے گا اس کی سزا اس کو ملے گی۔ اور کوئی شخص اپنے حلیف کے بدلے قصوروار نہ گردانا جائے گا مظلوم کی ہمیشہ مدد کی جائے گی۔ لڑائی کے موقعہ پر یہود مسلمانوں کی مدد کرینگے یثرب کا شہر اس معاہدے میں شریک ہونے والے فریقوں کیلئے حرام ہے (یعنی کسی کی عزت، جان اور مال کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچایا جائیگا) جس شخص کو پناہ دی جائے گی اسے اپنی جان جتنی حیثیت دی جائیگی اور کسی قسم کی تکلیف اسے نہ پہنچائی جائے گی۔ البتہ کسی شخص کو اُسکے اہل وعیال کی اجازت کے بغیر پناہ نہ دی جائے گی۔ اگر اس عہدنامہ کے فریقوں میں کوئی اختلاف یا قضیہ پیدا ہوگا جس سے خرابی کا ڈر ہو تو اسے اللہ عزوجل اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہ دی جائے گی۔ اگر کوئی لشکر مدینے پر دھاوا بول دے تو

عہد نامہ کے تمام فریق متحدہ طور پر اس کا مقابلہ کرینگے۔ اور جب اس لشکر سے صلح ہو جائے تو سب کی طرف سے صلح گردانی جائے گی۔ اور جس شخص کو ان باتوں کی طرف بلایا جائے (اور وہ یہ دعوت قبول کرلے) تو مسلمانوں پر اس کی (ہر قسم کی) مدد کرنی واجب ہوگی سوائے اس کے کہ جو دین کے بارے میں جنگ کرے۔ اس عہد نامہ کی تمام ذمہ داریاں کل فریقوں پر مساوی طور پر عائد ہوتی ہیں۔ اگر کوئی شخص جرم کرے گا تو اس کی سزا وہ خود بھگتے گا۔ یہ عہد نامہ کسی ظالم یا گنہگار کی حمایت نہ کرے گا۔ جو شخص مدینے سے باہر جائے گا وہ بھی امن میں ہے۔ اور جو شخص مدینے ہی میں بیٹھا رہے گا وہ بھی امن سے ہے۔ سوائے اس شخص کے جس نے ظلم کیا یا گناہ کا مرتکب ہوا۔ اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس شخص کے نگہبان ہیں جو نیکی اور تقویٰ سے کام لے"۔

اس معاہدے سے دینی سیاست کا ایک نیا باب کھل گیا۔ اس کی رُو سے ہر فریق کو حریتِ عقیدہ، حریتِ رائے، حرمتِ وطن، حرمتِ نفس اور حرمتِ مال کی ضمانت دی گئی تھی جو اس سے قبل مذہبی حلقوں میں یا مفقود تھی۔ ہر جگہ ظلم و جور کا بازار گرم تھا۔ لوگوں کے حقوق غصب کئے جا رہے تھے۔ اور افراد اور طبقات کے مابین عظیم تفاوت پایا

جاتا تھا۔ لیکن یہود نے ان عظیم الشان رعایتوں سے مطلق فائدہ نہ اُٹھایا اور اس معاہدے کو سنجیدگی سے لباسِ عمل پہنانے کی کبھی کوشش نہ کی۔ اس کے برعکس ان کی کوشش ہمیشہ یہی رہی کہ جس طرح بھی بن پڑے خفیہ سازشوں کے ذریعے مسلمانوں کو زک پہنچائی جائے۔ عربوں کے درمیان رہتے ہوئے انہیں عرصہ دراز گذر گیا تھا۔ اور عربوں نے ان سے جو حسنِ سلوک کیا تھا وہ ایک احسان مند قوم کی گردن جھکا دینے کے لئے کافی تھا۔ مگر احسان شناسی تو یہود کی فطرت ہی میں نہ تھی۔ وہ عربوں سے اختلاط کے لئے کسی طرح تیار نہ تھے اور اپنی علیحدہ ہستی برقرار رکھنے کے لئے ہر دم کوشاں رہتے تھے۔ اسی لئے ان کی کوشش ہمیشہ یہ رہی کہ عربوں کو آپس میں بھڑا کر ان میں تفرقہ اور عناد کی خلیج وسیع کی جائے اور انہیں ہمیشہ کے لئے اپنا دستِ نگر بنا دیا جائے۔ کچھ مدت تک تو وہ عربوں کو آپس میں لڑا کر اپنا اُلّو سیدھا کرتے رہے لیکن انکی یہ حیلہ گری زیادہ عرصہ تک نہ چل سکی۔ اور اسلام نے آکر مدینے کے تمام متحارب قبیلوں کو ایک سلک میں منسلک کر کے انہیں اتحاد و اتفاق کی حلاوت سے ذوق آشنا کر دیا۔ اب یہود کا افسون ان پر چلنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ اور اُن کی خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر اپنے لئے میدان ہموار کرنے کا زمانہ گذر چکا تھا۔ اس صورت حال کی موجودگی

میں وہ کسی طرح مسلمانوں کے وجود اور ان کے تسلط کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اور نہ اس سیاست کو قبول کرنے پر آمادہ تھے جو طبقاتی کشمکش اور انسانی تفریق سے بالاتر تھی۔ یہود اپنے آپکو دنیا کی سب سے معزز قوم سمجھتے تھے۔ اقوامِ عالم کے درمیان مساوات کا تصور اُن کے ذہنوں سے بالاتر تھا۔ اس لئے وُہ ذہنی طور پر اپنے آپ کو مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کے لئے تیار نہ کر سکے۔ علاوہ بریں یہود ایک دنیادار قوم تھی۔ حرص اور طمع ان کے روئیں روئیں میں رچی ہوئی تھی۔ اور انھیں ہر وقت مال اکٹھا کرنے کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ ان کی نظر اخلاق کے بلند اصولوں تک کہاں پہنچ سکتی تھی ؟

انہیں وجوہ کی بنا پر یہود نے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈلوانے کی کوششیں شروع کر دیں تا وہ منتشر اور پراگندہ ہو کر اپنی پرانی عادات و خصائل پر اُتر آئیں۔ اور بُتوں کی پرستش اختیار کر کے ایک دُوسرے سے جنگ و جدل میں مصروف ہو جائیں۔ گو وہ خود بھی موحّد تھے۔ لیکن ایک قوم کا توحید کو چھوڑ کر بُت پرستی اختیار کر لینا ان کے لئے اس سے زیادہ قابلِ برداشت تھا کہ یثرب میں رہنے والے قبائل جو اس سے قبل ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے تھے اپنے اختلافات ترک کر کے باہم شیر و شکر ہو جائیں۔ اور اس طرح ان کی بالادستی قبول کرنے سے انکار کر دیں۔

یوں بھی جب دنیوی فوائد کا سوال سامنے آجاتا تھا وہ دین کو بالکل فراموش کر دیتے تھے۔ اور اس غرض کے لئے انتہائی پست رویہ اختیار کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہمارے بیان کی صداقت خود بخود آشکارا ہو جائے گی:۔

اسلام لانے کے بعد اوس اور خزرج کے چند لوگ ایک جگہ بیٹھے اخلاص و محبت کی باتیں کر رہے تھے۔ درایں اثنا ایک یہودی شاس بن قیس کا وہاں سے گزر ہوا۔ الفت و محبت کے اس منظر کو دیکھکر اسکے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس کے ذہن میں ان ایام کی یاد تازہ تھی جب دشمنی کے سبب ان قبیلوں کا کوئی شخص ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کا بھی روادار نہ تھا۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ دو قبائل مل گئے اور ان کا اختلاف رفع ہو گیا۔ تو پھر یہود کو کوئی نہ پوچھے گا۔ اور انکا غلبہ و اقتدار خاک میں مل جائیگا۔ اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ان لوگوں کی مجلس میں جاؤ اور موقع دیکھ کر جنگِ بعاث کا ذکر چھیڑ دو۔ اور اس جنگ میں فریقین نے جو اشعار اپنی تعریف اور دوسرے فریق کی مذمت میں کہے تھے وہ بھی سناؤ۔ اس کے ساتھی نے ایسا ہی کیا۔ اور اس مجلس میں جا کر اپنی اشتعال انگیز باتوں سے اوس و خزرج کو ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ اس کی باتوں کا خاطر خواہ

اثر نکلا۔ اور ہر دو قبائل کے لوگ بہت جلد اشتعال میں آ گئے۔ دو شخص اوس بن قیظی الاوسی اور جبار بن صخر الخزرجی تو ایک دُوسرے پر جھپٹ پڑے اور لڑنا شروع کر دیا۔ دوسرے لوگ بھی مرنے مارنے پر تل گئے اور اس طرح ایک عظیم فتنہ کھڑا ہو گیا ؂

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بھی اس واقعہ کی خبر پہنچ گئی آپ اسی وقت بعض مہاجرین کو ساتھ لے کر انصار کے پاس پہنچے۔ اور یہ تقریر ارشاد فرمائی ؎

"اے مسلمانو! کیا میرے ہوتے ہوئے تم جاہلیت کی باتیں کرتے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے تمہیں ہدایت دیکر اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا ہے اور جاہلیت کی عادات و خصائل کو مٹا کر تمہارے دِلوں میں ایکدوسرے کے لئے محبت اور الفت پیدا کر دی ہے" ؂

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی پُر اثر تقریر سے اوس و خزرج کے دِلوں کا زنگ دُور ہو گیا اور انہیں معلوم ہو گیا کہ دشمن کے مکر و فریب میں آ کر ان سے ایک شیطانی حرکت کا ارتکاب ہُوا ہے۔ انہوں نے گلے لگ کر ایک دُوسرے سے معافی مانگی اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے اقرار کیا کہ آئندہ ان سے کبھی ایسی حرکت سرزد نہ ہو گی۔ صرف اقرار ہی نہ کیا بلکہ اسے پورا کر کے بھی دکھایا۔ اور

آئندہ کے لئے اوس اور خزرج بھائی بھائی بن گئے۔ اس طرح یہود کی کوششوں کے علی الرغم محبت اور الفت کا جذبہ افتراق و انشقاق کے جذبے پر غالب آگیا۔

اب یہود کو مسلمانوں کے مقابلے میں اپنی بے بسی کا احساس ہونے لگا۔ اپنی فتنہ انگیز باتوں سے مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنا تو ان کے لئے ممکن نہ رہا۔ دُرِ مقصود حاصل کرنے کیلئے انہوں نے ایک اور تدبیر سوچی۔ اور وہ یہ کہ مسلمانوں میں اپنے دین کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کر کے انہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برگشتہ کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لایعنی سوالات کرنا شروع کئے۔ غرض یہ تھی کہ حق و باطل کو ملا کر مسلمانوں میں شکوک و شبہات پیدا کر دئے جائیں۔ اس کام میں پیش پیش حُیَیّ بن اخطب، عبداللہ بن صوری، زید بن لصیت، زبیر بن اطا اور لبید بن اعصم تھے۔ جو علی الترتیب بنو نضیر، بنو ثعلبہ، بنو قینقاع، بنو قریظہ، اور بنو زُریق کے سردار تھے۔ قرآن کریم میں متعدد آیات میں ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں اور ان کے واہیات سوالوں کی تفصیل دی گئی ہے۔ یہ لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق عجیب و غریب باتیں اور بے سرو پا داستانیں گھڑ کر لوگوں میں پھیلاتے تھے۔ اپنے

من گھڑت نظریات اور عقائد کا اسلامی عقائد سے موازنہ کر کے ان کی تغلیط کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مختلف لالچ دے کر مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اپنی طرف سے نبوّت کی نشانیاں اور علامات گھڑ کر انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب کے ثبوت میں پیش کرتے تھے۔ یہود کی ان نازیبا کارروائیوں کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:۔

بائبل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو ایک نبی کے ہرگز شایانِ شان نہیں ہو سکتیں ان باتوں کو پیشِ نظر رکھکر وہ کہتے تھے۔ کہ دیکھو محمدؐ، سلیمانؑ بن داؤدؑ کو نبی کہتے ہیں۔ حالانکہ ان کی حیثیت (نعوذ باللہ) ایک جادوگر سے زیادہ نہ تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :۔

وما کفر سلیمان ولٰکنّ الشّیاطین کفروا (بقرہ)

(ترجمہ) "یہ لوگ کہتے ہیں کہ سلیمانؑ نے کفر کیا۔ حالانکہ سلیمانؑ کے متعلّق تو کسی طرح بھی کفر کا شُبہ نہیں کیا جا سکتا۔ کفر کا ارتکاب تو ان شیطانوں نے کیا تھا جو ان کے مقابل پر کھڑے ہوئے تھے"۔

جب ہجرت کے سترہ مہینے بعد قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل ہوا۔ اور آئندہ کے لئے بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو مسلمانوں کا دائمی قبلہ

قرار دیا گیا تو ایک یہودی عالم رفاعہ بن قیس چند اور لوگوں کے ہمراہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور کہنے لگا :-

"محمدؐ! تم نے اپنے قدیمی قبلے کو چھوڑ کر "مکہ" کو قبلہ کیوں بنا لیا ہے؟ حالانکہ تم ملتِ ابراہیمؑ میں ہونے کے دعویدار ہو۔ اگر تم "مکہ" کو چھوڑ کر دوبارہ بیت المقدس کو اپنا قبلہ قرار دے لو تو ہم اقرار کرتے ہیں۔ کہ ہم بھی تمہاری پیروی اختیار کر لیں گے"۔

ان باتوں سے اس کا مقصد محض مسلمانوں میں فتنہ برپا کرنا تھا۔ کیونکہ اس سے قبل مسلمان لمبے عرصے تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ لیکن یہود آپ پر ایمان نہ لائے۔ یہود کے اس مطالبے پر سورۂ بقرہ کی وہ آیات نازل ہوئیں جو سیقول السفہاء من الناس ما ولاھم عن قبلتھم التی کانوا علیہا سے شروع ہوتی ہیں۔

اسی طرح ایک مرتبہ صلوبا بن نسطونا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا :-

"محمدؐ! اگر خدا نے کوئی کھلی کھلی نشانی تمہاری تائید میں نازل کی ہوتی۔ اور کوئی معجزہ ظاہر کیا ہوتا تب ہم ضرور تمہاری پیروی اختیار کر لیتے کسی نشانی اور معجزے کے بغیر ہم تم پر ایمان کس طرح لائیں؟"

اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :-

ولقد انزلنا الیك آیاتٍ بیّنٰتٍ وما یکفر بہا الّا الفاسقون ○

(ترجمہ) " اے رسول ہم نے تیری تائید میں کھلی کھلی نشانیاں ظاہر کی ہیں لیکن فاسق ان کا انکار کرتے ہیں "۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی اونٹنی گم ہوگئی اس پر ابن نُصیت نے کہا :-

" محمدؐ کا دعویٰ ہے کہ انہیں آسمان سے خبریں موصول ہوتی ہیں۔ لیکن اس دعویٰ کے باوجود انہیں اپنی اونٹنی تک کا پتہ نہیں "۔

جب رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کو اس بات کا علم ہوُا۔ تو آپ نے فرمایا :-

" دشمن میرے متعلّق یہ باتیں کرتا ہے۔ حالانکہ مجھے صرف اسی بات کا علم ہوتا ہے جو اللہ تعالےٰ مجھے بتائے۔ ابن نصیت کے اس اعتراض کو باطل کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے مجھے میری اونٹنی کے متعلق بھی علم دے دیا ہے۔ وہ فلاں گھاٹی میں موجود ہے۔ اور جھاڑی میں مہار پھنس جانے کی وجہ سے حرکت نہیں کرسکتی "۔

حضورؐ کا یہ ارشاد سُن کر بعض مسلمان گھاٹی میں گئے تو اُنھوں نے

اونٹنی کو اسی حالت میں پایا جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بیان فرمائی تھی ؂

اللہ تعالےٰ نے یہود کی ان کاروائیوں کا ذکر سورۂ بقرہ کے ابتدائی حصّے میں کیا ہے اور ان تمام ریشہ دوانیوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ جو وہ لوگوں کو رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے برگشتہ کرنے کی خاطر کیا کرتے تھے ؂

ان آیات کے نازل ہونے پر یہود کے غیظ و غضب کی حد نہ رہی اور انہوں نے مدینہ کے ان عناصر کے ساتھ مل کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی کاروائیوں کو تیز تر کر دیا جنہوں نے بامرِ مجبوری بظاہر تو اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن اندر سے ان کے دل بدستور شرک پر قائم تھے۔ یہ لوگ دلی نفرت کے باعث مسلمانوں کی بیخ کنی کی کوششوں میں خفیہ طور پر مصروفِ عمل رہتے تھے۔ یہود کے لئے اس سے بہتر بات اور کیا ہو سکتی تھی کہ انہیں مدینہ ہی سے ایسا عنصر مل جائے جو ان کی طرح مسلمانوں کا دشمن ہو اور ان کی تباہی کے درپے۔ انہوں نے اس عنصر سے پورا فائدہ اٹھایا اور گٹھ جوڑ کے ذریعے منافقین سے یہ طے کر لیا کہ وہ آپس میں اس عہد پر قائم رہیں گے۔ جو مسلمانوں کی مدینہ میں آمد سے قبل ان کے درمیان ہوا تھا۔ اور اس نئے عہد کو توڑنے کی ہر ممکن کوشش کرینگے۔ جو ان کے

اور مسلمانوں کے درمیان طے پایا تھا۔

یہود سرکشی میں بڑھتے ہی چلے گئے اور انہوں نے ان رعایتوں سے مطلق فائدہ نہ اُٹھایا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انہیں دی تھیں جن کی رُو سے ان کی حیثیت کسی طرح بھی مسلمانوں سے کم نہ ٹھہرتی تھی۔ اور ان کے حقوق پر کسی طرح کی دست اندازی نہ ہوتی تھی لیکن بالآخر یہی تمرد اور سرکشی ان کی جلاوطنی کا باعث بنی جس کا ذکر آگے آئے گا۔

سورۂ بقرہ پہلی سورت تھی جو مدینہ میں نازل ہوئی اسے پڑھنے سے یہود کی اس وقت کی حالت کا نقشہ پورے طور پر نظروں کے سامنے کھنچ جاتا ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ابتدا میں ان سے زیادہ تعرض نہ کیا اور صبر و تحمل سے ان کی باتوں کو برداشت کرتے رہے تا آنکہ پانی سر سے گزر گیا اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے لئے ضروری ہو گیا کہ ان کی سازشوں اور معاندانہ کاروائیوں کا جواب سختی اور طاقت سے دیا جائے تا آئندہ کے لئے انہیں سر اٹھانے اور مسلمانوں کو پریشان کن حالات میں مبتلا کرنے کا کوئی موقعہ ہی ہاتھ نہ آ سکے۔ آئندہ چل کر یہودیوں کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کے ذمہ دار وہ خود تھے۔

۳۔ مسلمانوں اور مُنافقین کے تعلّقات

منافقین کا اطلاق مدینہ کے ان لوگوں پر ہوتا ہے جنہیں گو بحالت مجبوری اسلام قبول کرنا پڑا۔ لیکن دل سے وہ بدستور اپنے آبائی عقیدے پر قائم تھے اور کفر کی گندگی میں ملوث۔ یہود کے معدودے چند لوگوں کے علاوہ باقی سب کے سب اوس اور خزرج سے تعلّق رکھتے تھے۔ ان کا سردار عبداللہ بن اُبیّ بن سلول تھا۔ جسے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے تمام اہلِ مدینہ نے متفقہ طور پر اپنا سردار منتخب کیا ہُوا تھا۔ یہ ایک عظیم اعزاز تھا جو اسے حاصل تھا۔ کیونکہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ اوس اور خزرج دونوں قبیلے کسی ایک شخص کی قیادت پر متفق ہو گئے تھے۔ ہر دو قبائل نے اس کے لئے ریشمی تاج تیار کیا۔ لیکن ابھی تاجپوشی کی نوبت نہ آئی تھی کہ اہل مدینہ تک اسلام کی دعوت پہنچ گئی۔ اور ان کے بیشتر حصّے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی دعوت پر لبیک کہہ کر اسلام قبول کر لیا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہُوا کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کی قیادت ختم ہو گئی۔ اور تمام قوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے گرد جمع ہو گئی ؂

اس واقعہ کی وجہ سے عبداللہ بن اُبی کے دل میں اسلام اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کینہ پیدا ہو گیا۔ اوس اور خزرج میں سے جن لوگوں نے صدق دل سے اسلام قبول نہ کیا تھا۔ وہ بھی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ کھلم کھلا مخالفت کرنے کی بجائے ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے ذریعے وہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوا کر اوس و خزرج کو اسلام سے بہت جلد برگشتہ کر سکیں گے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ نہ کہ کفر و شرک پر قائم رہ کر یہ کام سرانجام دیا جائے ؂

ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ منافقین نے قتل کے خوف سے اسلام قبول کیا تھا۔ لیکن یہ صریحاً غلط ہے۔ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ اوس و خزرج اپنی مرضی سے اسلام لائے تھے۔ کسی دباؤ کے تحت انہوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا۔ نہ ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسا کر سکتے تھے۔ جو شخص اپنے ہم وطنوں کے مظالم سے تنگ آکر دوسروں کی پناہ میں آنے پر مجبور ہوا ہو وہ ان پر سختی کس طرح کر سکتا تھا۔ علاوہ بریں لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور کرنے کے لئے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اوس و خزرج ہی کی مدد درکار تھی۔ اس صورت میں یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان

لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کے لئے جبر و تشدد سے کام لیا۔ جیساکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں اسلام دین کی راہ میں جبر و تشدد کو جائز ہی نہیں سمجھتا۔ کیونکہ صحیح ایمان وہی ہوتا ہے جو تدبر و فکر کے ذریعہ حاصل ہو۔ جس شخص کو زبردستی حلقہ بگوش اسلام کیا جائیگا اس کا دل اخلاص سے خالی ہوگا۔ اور وُہ ہر وقت اس کی جڑیں کاٹنے کی فکر ہی میں لگا رہے گا۔ جب ہم اس معاہدے پر نظر ڈالتے ہیں جو ہجرت کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ مدینہ سے کیا تھا۔ تو اس میں ہمیں دیگر شقوں کے علاوہ یہ شق بھی ملتی ہے کہ مدینہ کا کوئی مشرک قریش کو مالی اور جانی امداد نہیں دے گا اور نہ کسی مسلمان کے مقابلے میں ان کی مدد کرے گا۔ اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ شق مدینہ کے ان لوگوں کے متعلق ہے جو بدستور اپنے آبائی دین پر قائم تھے۔ اور جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا۔ اس سے نہ صرف ایسے لوگوں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مدینہ کے مشرکین کو وہی حقوق دئے گئے تھے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔ ان وجوہ کی بنا پر کسی طرح بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبر کے ذریعے لوگوں کو اسلام میں داخل کیا۔ اور منافقین کا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو قتل کے

خوف سے اسلام لائے تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کی سرشت ہی میں نفاق کا مادہ پایا جاتا ہے۔ دینی امور میں تمسخر و استہزا سے کام لینا ان کا شعار ہوتا ہے اور یہی شوخی اور شرارت انہیں لے ڈوبتی ہے۔ ایسے لوگوں کی حالت کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اس طرح بیان فرمایا ہے:-

واذا لقوا الذین آمنوا قالوا آمنّا واذا خلوا الیٰ شیٰطینهم قالوا انّا معکم انّما نحن مستهزءُون ۰ (سورہ بقرہ ع ۲)

ترجمہ "جب وہ (منافق) مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لے آئے ہیں۔ لیکن جب وہ اپنے جیسے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو ان سے (مسلمانوں سے) محض ٹھٹھا کرتے ہیں"۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منافقین سے بھی بیحد مروت اور نرمی کا سلوک کیا۔ وہ لوگ شرارتوں میں بڑھتے جاتے تھے لیکن حضور درگذر سے کام لیتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ منافقین قریباً سب کے سب اوس اور خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ انکے رشتے دار اور قریبی عزیز نہ صرف اسلام لے آئے تھے بلکہ اخلاص اور محبت میں قابلِ رشک حد تک ترقی کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس قرابت

کی رعایت اور اس حسنِ سلوک کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو انہوں نے بے خانماں مہاجرین کے ساتھ کیا تھا منافقین کی حرکتوں سے درگذر کیا۔ حسنِ سیاست اور مروّت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اوس اور خزرج کے مخلص اور صادق الایمان لوگوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کے بعض نادان رشتے داروں کی بعض قبیح حرکات سے درگذر کیا جاتا۔ اس سلسلے میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ گو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے منافقین کی حرکتوں سے درگذر کیا۔ لیکن آپ نے انہیں درخورِ اعتنا بھی نہ سمجھا۔ اور ایسا کوئی موقعہ بہم نہ پہنچایا جس سے انہیں اپنی اہمیت کا احساس ہوتا۔ البتہ ان کی حرکات پر کڑی نگرانی ضرور رکھی۔ مبادا وہ بے خبری میں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا باعث بنیں ؛

ایک مرتبہ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے ایک صحابی سعدؓ بن عبادہ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ ایک خچّر پر سوار تھے۔ راستے میں آپ کا گزر عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس سے ہؤا۔ جو اپنے مکان کے باہر سائے میں بیٹھا ہؤا تھا۔ اور اسکے گرد اس کے قبیلے کے بعض لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اسے دیکھکر خچر سے اُتر پڑے۔ اور مختلف نصائح کرنی شروع کیں۔ عبداللہ چپکا بیٹھا سنتا رہا۔ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

اپنی بات سے فارغ ہوئے تو کہنے لگا :-

" ہمیں آپ کی یہ باتیں پسند نہیں - اگر یہ مبنی بر حق بھی ہوں تب بھی مجمع عام میں انہیں سنانے کا آپ کو کوئی حق نہیں - جو شخص آپ کی مجلس میں آئے اسے سنائیے - اسے اختیار ہے خواہ قبول کرے خواہ ردّ کر دے - لیکن اپنی مجلس کے علاوہ دوسرے لوگوں کو سنا کر انہیں کیوں اشتعال دلاتے ہیں ؟

حضرت عبدؓاللہ بن رواحہ اور چند دیگر مسلمان بھی اس مجلس میں موجود تھے - انہوں نے عبداللہ بن اُبیّ کی ان گستاخانہ باتوں کا سختی سے جواب دیا - اور حضورؐ سے عرض کیا :-

" یا رسول اللہ ! ہماری مجلسیں اور گھر آپ کے لئے حاضر ہیں - آپ انہیں اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمائیں - ہمیں جو عزّو شرف حاصل ہوا ہے وہ محض آپ کی بدولت حاصل ہوا ہے - ہم آپ کی باتوں سے کس طرح ناراض ہو سکتے ہیں ؟"

اپنے ہی قبیلے کے افراد میں مخالفت کا یہ جوش دیکھ کر عبداللہ بن اُبیّ کو بہت صدمہ ہوا اور اس نے یہ اشعار پڑھے ؎

متیٰ ما یکن مولاک خصمک لاتزل

تذلّ ویصرعک الّذین تصارع

وھل ینھض البازی بغیر جناحہ
وان جذّ یوماً ریشہ فھو واقع

(ترجمہ) "اگر تیرا دوست ہی تیرا دشمن بن جائے تو پھر تجھے ہمیشہ ذلت و خواری ہی برداشت کرنی پڑیگی۔ اور جس شخص کو تُو گرانے کے درپے ہے وہ خود تجھے گرا دے گا۔ بھلا باز بغیر پروں کے کیسے اڑ سکتا ہے؟ اگر اس کا ایک پر بھی نوچ لیا جائے تو وُہ فوراً گر پڑیگا"۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم وہاں سے اُٹھ کر سعدؓ بن عبادہ کے پاس آئے۔ ابن اُبیّ کی باتوں کی وجہ سے آپ کے چہرے پر رنج و ملال کے آثار تھے۔ سعدؓ نے یہ دیکھ کر دریافت کیا:۔

"یا رسول اللہ! آپ کے چہرے پر ملال کے آثار نظر آرہے ہیں کیا بات ہے"؟

حضورؐ نے تمام ماجرا سُنایا۔ اُنہوں نے کہا:۔

"یا رسول اللہ! آپ اس کے کہنے کا کچھ خیال نہ کیجئے۔ آپ کے مدینہ تشریف لانے سے قبل ہم اسے اپنا سردار بنانے کا فیصلہ کرچکے تھے۔ اور اس کے لئے تاج بھی تیار کرا لیا گیا تھا۔ اب وُہ سمجھتا ہے کہ آپ کی وجہ سے اس کی قیادت چھن گئی۔ اسی لئے وُہ آپ کی مخالفت کے درپے رہتا ہے"۔

اس واقعہ سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ عبداللہ بن اُبیّ اور اس کے بھائی بندوں کو قتل اور تشدّد کا کوئی خوف نہ تھا۔ اس کے برعکس وہ خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ایذا دینے کے درپے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چاہتے۔ تو انہیں انکی شرارتوں کی قرار واقعی سزا دے سکتے تھے۔ لیکن حضورؐ نے ہمیشہ ان سے درگزُر فرمایا۔ اور ان سے نرمی اور بُردباری کا سلوک کیا۔ البتہ آپ منافقین کا نام لئے بغیر ان کی مذمّت ضرور فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں متعدّد آیات ان کی مذمّت میں نازل ہوئیں۔ اور یہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ سورۂ بقرہ کا نزول اسی زمانے میں ہُوا تھا۔ جب منافقین اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے ؀

مسلمانوں کے ساتھ منافقین کا برتاؤ بالکل وہی تھا جو یہود کا مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ یہ دونوں گروہ صدقِ دل سے اس معاہدے پر کاربند رہنے کے لئے تیار نہ تھے۔ جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مدینے میں تشریف آوری کے بعد ان کا مسلمانوں کے ساتھ ہُوا تھا۔ اور جس کی رُو سے ان پر بھی مدینہ میں امن وامان قائم رکھنے کی اتنی ہی ذمہ داری عائد ہوتی تھی جتنی مسلمانوں پر تھی ؀

مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لئے اُنہوں نے قریش سے خفیہ تعلقات

قائم کیئے اور مدینہ میں بیٹھ کر ان کے لیئے جاسوسی کے فرائض سرانجام دینے لگے - مدینہ کے تمام حالات سے وہ انہیں مطلع کرتے رہتے تھے - اور انہیں فتح کی امیدیں دلا کر مسلمانوں پر چڑھائی کے لیئے اُکساتے رہتے تھے ؀

منافقین کی یہ کارروائیاں مسلمانوں کے لیئے قریش کی ضرر رسانیوں سے زیادہ خطرناک تھیں - کیونکہ قریش کی دشمنی ظاہر و باہر تھی - وہ مسلمانوں کے مقابلے کی خاطر جو تدابیر اختیار کرتے تھے کھلم کھلا کرتے تھے - اور مسلمانوں کے لیئے ان کا مقابلہ کرنا اور اُن سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنا زیادہ آسان تھا - لیکن منافقین کی تمام کارروائیاں خفیہ ہوتی تھیں - اور وہ بےخبری کے عالم میں مسلمانوں کی پیٹھ میں چھُرا گھونپنے کی فکر میں رہتے تھے - ان کا مقابلہ کرنے کے لیئے حد درجہ بیدار مغزی اور خاص حکمتِ عملی اختیار کرنے کی ضرورت تھی - تا اس خوفناک فتنے کا شروع ہی میں استیصال کیا جا سکے ؀

خارجی سیاست

ہجرت اور غزوۂ بدر کے درمیانی عرصے میں

(۱) مسلمانوں اور قریش کے سیاسی تعلّقات

ہجرت سے قبل تیرہ سال تک رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم بڑے تحمّل اور صبر سے قریش کی ایذا رسانیوں کو برداشت کرتے رہے۔ صحابہؓ آپ کے پاس آتے اور قریش کے مظالم کی شکایت کرتے مگر آپ فرماتے :-

"صبر کرو۔ کیونکہ مجھے ان لوگوں سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا"۔

ایک مرتبہ صحابہ کی ایک جماعت جس میں حضرت عبد الرحمنؓ بن عوف، مقدادؓ بن اسود، قدامہؓ بن مظعون اور سعدؓ بن ابی وقاص شامل تھے۔ آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے :-

"یا رسول اللہ! ہم حالتِ شرک میں معزز اور مکرّم تھے۔ لیکن ایمان

لانے کے بعد ہمیں ہر قسم کی ذلت و رسوائی برداشت کرنی پڑ رہی ہے۔
آپ ہمیں کفار سے لڑنے کا حکم دیجئے "۔
لیکن آپ نے فرمایا :-
"تم اپنے ہاتھ کفار سے روکے رکھو۔ کیونکہ مجھے اُن سے لڑنے کا حکم
نہیں دیا گیا ہے "۔
ہجرت کے بعد بھی قریش کی عداوت اور ایذا رسانیوں میں کمی نہ آئی
انہوں نے یہود کے پاس اپنے آدمی بھیج کر دھمکی دی کہ اگر اُنہوں نے
مسلمانوں کو مدینے سے نہ نکالا تو ان کے خلاف جنگ شروع کر دی جائیگی۔
اسی طرح ایک تہدید آمیز خط منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کو
روانہ کیا جس میں لکھا :-
"تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ ہم تمہیں اللہ کی
قسم دلاتے ہیں کہ یا تو تم اس سے جنگ کرو یا اسے اپنے شہر سے نکال
دو۔ ورنہ ہم سب مل کر تم پر حملہ آور ہونگے۔ تمہارے مردوں کو قتل
کر دینگے اور تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنا لیں گے "۔
جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے اس خط کا
علم ہوا تو آپ عبداللہ بن ابی کے پاس گئے اور سمجھایا کہ قریش کی خیر خواہی
کے جوش میں اگر مسلمانوں کی مخالفت کرنی ٹھیک نہیں۔ عبداللہ بن ابی

بھی بے بس تھا۔ اور قریش کے حسب منشاء مسلمانوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکتا تھا۔ کیونکہ قوم کی سیادت اس کے ہاتھ سے چھن چکی تھی۔ اور اب اہلِ مدینہ میں اس کا کوئی اثر و رسُوخ باقی نہ رہا تھا۔

ادھر سے مایوس ہو کر قریش نے اپنے مظالم کا رُخ ان غریب و بیکس مسلمانوں کی طرف پھیر دیا جو کمزوری اور بے بسی کے باعث مکّہ سے ہجرت نہ کر سکتے تھے۔ ساتھ ہی اہلِ مدینہ کو اپنا دشمن قرار دے کر ان سے ہر قسم کے تعلّقات منقطع کر لیئے۔ اسی دوران میں اوس کے سردار سعدؓ بن معاذ عمرہ کے لئے مکّہ آئے۔ زمانۂ جاہلیت کے دوست امیّہ بن خلف کے پاس ٹھہرے۔ اور اسی کے ساتھ کعبہ کے طواف کے لئے گئے۔ وہاں ابو جہل سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اس نے انہیں دیکھکر کہا:۔

"تم امن کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہے ہو۔ حالانکہ محمدؐ کو پناہ دینے کے بعد تمہیں ایسا کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ خدا کی قسم اگر تمہارے ساتھ ابو صفوان (امیّہ بن خلف) نہ ہوتا تو تم اپنے گھر والوں کے پاس صحیح سلامت واپس نہ جا سکتے"۔

سعد نے یہ سُن کر بلند آواز سے کہا:۔

"خدا کی قسم! اگر تم ہمیں مکّہ آنے سے منع کرو گے تو ہم بھی ایسا مُنہ توڑ جواب دیں گے کہ یاد ہی کرو گے۔ تمہارے تجارتی قافلے شام جانے

کے لئے مدینہ ہی کے راستے گذرتے ہیں۔ ہم وہ راستہ بند کر دینگے اور تمہاری تجارت تباہ ہو کر رہ جائے گی"۔

امیہ سعد کی دھمکی سن کر صرف یہ کہہ سکا :-

"اے سعد! سردارِ مکہ ابوالحکم کے مقابلے میں اپنی آواز بلند نہ کرو"۔

اب وہ مرحلہ آچکا تھا کہ قریش کی زیادتیوں کا جواب سختی کے ساتھ دیا جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ۱۲ ر صفر کو کفّار سے لڑنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس سلسلے میں متعدد آیات ایسی نازل ہوئیں جن میں ان اسباب کا بالتفصیل تذکرہ کیا گیا تھا جن کی بنا پر مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی۔ جہاد کے بارے میں سب سے پہلا حکم یہ نازل ہوا :-

اذن للذین یقاتلون بانّھم ظلموا و انّ اللہ علیٰ نصرھم لقدیرٌ الّذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الّآ ان یّقولوا ربّنا اللہ ولولا دفع اللہ النّاس بعضھم لبعضٍ لھدّمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیراً ولینصرنّ اللہ من ینصرہ ان اللہ لقویٌّ عزیز۔ الّذین ان مکّنّاھم فی الارض اقاموا الصّلوٰۃ وآتوا الزّکوٰۃ

وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور

(سورۂ حج ع ۶)

(ترجمہ) "وہ لوگ جن سے بلاوجہ جنگ کی جا رہی ہے ان کو بھی جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جن کو ان کے گھروں سے صرف ان کے اتنا کہنے پر کہ اللہ ہمارا رب ہے بغیر کسی جائز وجہ کے نکالا گیا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان (یعنی کفار) میں سے بعض کو بعض کے ذریعے (شرارت سے) باز نہ رکھتا تو گرجے اور یہودیوں کی عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے برباد کر دئے جاتے۔ اور اللہ تعالیٰ یقیناً اس کی مدد کرے گا۔ جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔ اللہ تعالےٰ یقیناً بہت طاقتور اور غالب ہے"۔

"یہ (یعنی مہاجر مسلمان) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم اُن کو دُنیا میں طاقت بخشیں تو وہ نمازوں کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ اور نیک باتوں کا حکم دیں گے اور بُری باتوں سے روکیں گے۔ اور سب کاموں کا انجام خدا کے ہاتھ میں ہے"۔

اسی طرح ایک اور جگہ جہاد کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

فلیقاتل فی سبیل اللّٰہ الّذین یشرون الحیٰوۃ الدّنیا بالاٰخرۃ ومن یّقاتل فی سبیل اللّٰہ فیقتل او یغلب فسوف نؤتیہ اجراً عظیما۔ وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللّٰہ وَالمستضعفین من الرّجال والنّساء والولدان الّذین یقولون ربّنا اخرجنا من ھٰذہ القریۃ الظّالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیًّا واجعل لنا من لدنک نصیرا۔ (سورہ نساء رکوع ۱۰)

(ترجمہ) "پس جو لوگ زندگی کو چھوڑ کر آخرت کو اختیار کرتے ہیں انہیں اللہ کی راہ میں جنگ کرنی چاہیئے۔ اور جو اللہ کی راہ میں جنگ کرے۔ پھر مارا جائے یا غالب آجائے تو اُسے ہم جلد ہی بہت بڑا اجر دیں گے۔

اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچّوں کے لئے جنگ نہیں کرتے (یعنی ان کو آزاد کرانے کے لئے جو کافروں کے مظالم کا شکار ہو رہے ہیں) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی دوست بنا کر بھیج۔ اور اپنے حضور سے

کسی کو ہمارا مددگار بنا کر کھڑا کر ؀‘‘۔

ان آیات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن وجوہ کی بنا پر مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی وہ مندرجہ ذیل تھیں :-

(۱) قریش کی جانب سے مسلمانوں پر بار بار حملے کئے گئے۔ اور اس فریق کو جسے جارحانہ حملوں کا نشانہ بنایا جائے اپنے دفاع کے لئے ہر ممکن تدابیر اختیار کرنے کا حق حاصل ہے ؀

(۲) قیام مکّہ کے دوران میں قریش نے مسلمانوں پر ظلم و ستم توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ اور مظلوم کا حق ہے کہ جب اسے طاقت حاصل ہو تو وُہ ظالم سے اپنے اوپر روا رکھے جانے والے مظالم کا انتقام لے ؀

(۳) قریش نے مسلمانوں کو بغیر کسی جائز وجہ کے مکّہ سے نکال دیا تھا۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کا ’’جرم‘‘ یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر نہ صرف خود ایمان لے آئے تھے بلکہ دُوسرے لوگوں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ لیکن یہ کوئی جرم نہیں۔ کیونکہ ہر انسان کا یہ حق ہے کہ وہ جو عقیدہ چاہے رکھے اور جس عقیدہ کو وہ حق سمجھتا ہے دُوسرے لوگوں کو بھی اس پر ایمان لانے کی تلقین کرے۔ تمام مذاہب نے

آزادیٔ افکار اور آزادیٔ تبلیغ کو ہر انسان کا پیدائشی حق تسلیم کیا ہے۔ کیونکہ حریتِ ضمیر اور حریتِ عقیدہ کے بغیر دنیا میں امن کا قیام اور افکارِ صالحہ اور آراء صحیحہ کی نشو ونما ناممکن ہے *

(۴) جارحانہ حملوں کی صورت میں اپنا دفاع ایک ایسا حق ہے جس سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ جہاد کی اجازت دے کر کافروں کے مذموم ارادوں کی تکمیل میں رُکاوٹ پیدا نہ کر دیتا۔ تو کفار مسلمانوں پر قابو پا کر نہ صرف ان کی مسجدوں کو مسمار کر دیتے بلکہ نصاریٰ کے گرجوں، ان کے راہبوں کی خانقاہوں اور یہود کی عبادتگاہوں کا نام و نشان بھی مٹا دیتے۔ اس کے بعد ہر جگہ بُت پرستی کا دور دورہ ہوتا۔ اور خدائے واحد و لاشریک کا کوئی پرستار دنیا میں نظر نہ آتا *

(۵) یہ امر یقینی تھا اور اسے بعد میں تجربے نے بھی ثابت کر دیا۔ کہ اگر مسلمانوں کو زمین پر قدم جمانے کا موقع دیا جاتا تو وہ بنی نوع انسان کی بھلائی اور بہبودی کے لئے ہر دم کوشاں رہتے۔ لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے اور بُرائی سے روکتے۔ یقیناً ایسے ہی لوگوں کا حق تھا کہ انہیں زمین کی بادشاہت سپرد کی جاتی۔ اور جو لوگ ان کے مشن کو ناکام بنانے کے لئے کھڑے ہوتے ان کا قلع قمع کر دیا جاتا *

(۶) قریش مسلمانوں کو مکہ سے نکال لینے کے بعد بھی اپنی شرارتوں اور

اور ایذا رسانیوں سے باز نہ آئے۔ اب انہوں نے ان بوڑھے مسلمانوں اور کمزور عورتوں اور بچوں کو اپنے مظالم کا نشانہ بنا لیا تھا جو مکہ میں باقی رہ گئے تھے۔ انہوں نے ان کو مدینہ ہجرت کرنے سے روک دیا اور بیڑیوں میں جکڑ کر قسم قسم کے عذاب دینے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں کا حق تھا کہ وہ ان مظلوم مسلمانوں کو کفّار کے چنگل سے چھڑانے کے لئے ان سے جنگ کرتے اور انہیں مدینہ لانے کے لئے راستہ صاف کرتے ؂

قریش نے مسلمانوں کو مکہ سے نکال کر ان کے اموال بھی اپنے قبضہ میں کر لئے تھے۔ اور سوائے حضرت عثمانؓ بن عفان کے اور کوئی شخص اپنا مال و اسباب مدینہ نہ لے جا سکا تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے بھی جواب میں ان کے تجارتی قافلوں کو روکنا شروع کیا جو مدینہ کے راستے شام جایا کرتے تھے۔ اور اس میں کسی اعتراض کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ یہ امر مسلّم ہے کہ مسلمان کفار مکہ کے ساتھ حالت جنگ میں تھے۔ اور جنگ میں دشمن کی ناکہ بندی کرکے اور اس کا راستہ روک کر مالی اور جانی نقصان پہنچانا اصولِ جنگ کے منافی نہیں سمجھا جاتا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ کفّار نے پہلے ہی سے مسلمانوں کے اموال چھین کر اپنے قبضے میں کر لئے تھے۔ اور مسلمانوں کا حق تھا کہ اپنے نقصان کی تلافی کے لئے جو کاروائی مناسب سمجھتے کرتے ؂

اسلام میں جنگ کو محض دفاعی حیثیت حاصل ہے۔ ناحق کسی کا خون بہانا اور ناجائز طور پر اموال چھیننا اسلام کی رُو سے حرام ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رُو سے مسلمانوں کو صرف اسی فریق سے جنگ کرنے کی اجازت ہے جو خود ان سے آمادۂ پیکار اور انکو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :-

وقاتلوا فی سبیل اللہ الّذین یقاتلونکم ولاتعتدوا انّ اللہ لایحبّ المعتدین (سورۂ بقرہ رکوع ۲۴)

(ترجمہ) "اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں انہی سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ اور فریق مخالف پر زیادتی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا"۔

مال و دولت کے حصول کی خاطر لڑنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے سخت اظہار ناراضی فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے :-

ماکان لنبیّ ان یکون لہٗ أسرٰی حتّٰی یثخن فی الارض تریدون عرض الدّنیا واللہ یرید الاٰخرۃ واللہ عزیز حکیم۔ لولا کتٰب من اللہ سبق لمسّکم فیما اخذتم عذاب عظیم (سورۂ انفال رکوع ۸)

(ترجمہ) "نبی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اس وقت تک قیدی

بنائے جب تک وہ (دشمنوں کے حملہ کے نتیجہ میں) خونریزی پر مجبور نہ ہو جائے۔ (اگر تم بغیر باقاعدہ جنگ کے قیدی پکڑو تو) تم دنیوی اموال کے طالب قرار پاؤ گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آخرت کی نعمتیں چاہتا ہے۔ اللہ تعالےٰ بڑا غالب اور بڑی حکمتوں والا ہے۔ اور اگر اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک حکم صریح پہلے سے نہ گزر چکا ہوتا۔ تو جو کچھ تم نے (قیدیوں کا فدیہ) لیا تھا اس کی وجہ سے تم کو بڑا عذاب پہنچتا"۔

اسی طرح سے سنن داؤد میں ہے کہ جو شخص مالِ غنیمت کی خاطر جنگ کرتا ہے وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے کسی ثواب کا مستحق قرار نہیں پائے گا۔

انہیں احکام کے نتیجے میں کسی شخص کو انفرادی طور پر مالِ غنیمت لوٹنے کی اجازت نہ تھی۔ غنائم کے حصول کا کام جنگ ختم ہونے کے بعد باقاعدہ تنظیم کے تحت کیا جاتا تھا۔ تمام غنیمتیں ایک جگہ جمع کی جاتی تھیں۔ ان کا ایک بڑا حصہ مصالح عامہ کے لئے علیحدہ کر لیا جاتا تھا۔ اور ان کے خرچ کرنے کا اختیار حکومت کے علاوہ اور کسی کو نہ تھا۔

کفار اور مسلمانوں کے مابین جنگوں کی ابتدا چھوٹی چھوٹی جھڑپوں سے ہوئی۔ ان میں سے سب سے مشہور جھڑپ وہ ہے جو عبداللہ بن

نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے۔

جحش اور کفار کے درمیان ہوئی۔ وہ قریش کے ایک قافلہ کو روکنے کی غرض سے بطن نخلہ گئے۔ اتفاقاً جب قافلہ وہاں سے گذرا تو رجب کا آخری دِن تھا۔ انہوں نے حملہ کر کے قافلے کا مال و اسباب چھین لیا۔ رجب کے مہینے کا شمار ان چار مہینوں میں ہوتا ہے جن میں عرب جنگ و جدال کرنا حرام سمجھتے تھے۔ اسلام چونکہ سلامتی اور امن کا دین ہے۔ اس لئے اس نے بھی ان چار مہینوں کی حرمت کو قائم رکھا تھا۔

جب عبداللہؓ بن جحش مدینے آئے اور یہ مشہور ہوا کہ وہ ممنوعہ مہینے میں کفار سے لڑے۔ تو مسلمانوں نے اس پر سخت اعتراض کیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بھی فرمایا کہ میں نے تمہیں ممنوعہ مہینوں میں لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ عبداللہؓ بن جحش اور ان کے ساتھی اپنے اس فعل پر نادم ہوئے۔ اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عہد کیا۔ ادھر قریش نے مسلمانوں پر زبان طعن دراز کرنی شروع کی کہ انہوں نے ممنوعہ مہینوں کی حرمت کی پروا نہ کرتے ہوئے ناحق ان کے قافلے پر حملہ

(نوٹ صفحہ گذشتہ) یہ جھڑپیں صرف مہاجرین اور قریش کے درمیان ہوتی تھیں۔ انصار ان میں شریک نہ ہوتے تھے۔ کیونکہ معاہدے کی رو سے صرف مدینہ پر حملہ کی صورت میں انصار مہاجرین کی مدد کرنے پر مجبور تھے۔

کر دیا۔ اس پر سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی :-

یسألونك عن الشهر الحرام قتال فیه۔ قل قتال فیه کبیر وصدّ عن سبیل اللہ وکفر به والمسجد الحرام واخراج اهله منه اکبر عند اللہ والفتنة اکبر من القتل (سورہ بقرہ ع ۲۷)

(ترجمہ) "یہ لوگ تجھ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں یعنی اس اس میں جنگ کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں تو کہہ دے کہ اس میں جنگ کرنا بڑی خرابی کی بات ہے۔ لیکن اللہ کے راستے سے روکنا اور اسکا (یعنی اللہ کا) اور عزّت والی مسجد کا انکار کرنا اور اسکے باشندوں کو اس میں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک (اس سے بھی) بڑی بات ہے۔ اور فتنہ و فساد قتل سے بھی بڑا گناہ ہے"۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے مشرکوں پر یہ واضح کر دیا کہ یہ صحیح ہے کہ حرمت والے مہینوں میں لڑنا درست نہیں۔ لیکن وہ کس منہ سے مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ جبکہ مسلمان تو محض لاعلمی میں اس غلطی کے مُرتکب ہوئے۔ لیکن وہ تو جان بُوجھ کر اس سے کہیں بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو مسجد حرام سے نکالا۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے مقامِ امن قرار دیا ہؤا ہے۔ اور وہاں سے کسی شخص کو ناحق نکالنا حرمت والے

مہینے میں لڑنے کے گناہ سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ اس لئے انکا اعتراض سراسر لایعنی ہے ؂

(۲) مسلمانوں اور دیگر عرب قبائل کے سیاسی تعلّقات

قسطلانی کی مواہب اللدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں مذکور ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کو جن کفّار سے واسطہ پڑا انہیں تین زمروں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ اوّل وہ قبائل جن سے آپ نے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ وہ آپ کے خلاف کسی سرگرمی میں حصّہ نہیں لیں گے نہ آپ سے لڑیں گے اور نہ آپ کے خلاف آپ کے دشمن کو مدد دینگے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ان سے غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ ہُوا تھا لیکن بعض میں ہے کہ ان سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ مسلمانوں پر بیرونی حملے کی صورت میں وہ ان کی مدد کرینگے۔ مدینے کے یہودی قبائل۔ بنو قریظہ، بنو نضیر، اور بنو قینقاع ان لوگوں میں شامل تھے۔ دُوسرے نمبر پر وہ قبائل آتے ہیں جو آپ سے برسرِ پیکار تھے۔ اور آپ کی عداوت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ ایسے قبائل میں پیش پیش قریش اور ان کے حلیف تھے۔ بعض قبائل ایسے تھے جو "انتظار کرو اور دیکھو" کی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ مسلمانوں اور قریش

کی اس کشمکش میں اگر بالآخر مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا تو اُن کیساتھ مل جائینگے۔ اور اگر قریش کا پلّہ بھاری رہا تو ان کے ساتھ ہو جائینگے۔ مذکورہ بالا قبائل کے سوا عرب کے باقی قبائل اسی زمرے میں شامل تھے۔ لیکن ان قبائل کی حالت بھی یکساں نہ تھی۔ بعض قبائل مثلاً بنو خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلبہ کے خواہاں تھے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ہی انہوں نے مسلمانوں کا حلیف بننے کا اعلان کر دیا تھا اور بعض قریش کی فتح یابی کا دل و جان سے انتظار کر رہے تھے مثلاً بنو بکر جو صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کے حلیف بنے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ عرب کے اکثر قبائل کا رجحان زیادہ تر قریش ہی کی طرف تھا۔ اور وہ ان کی فتح و نصرت کے خواہاں تھے۔ چنانچہ مستدرک حاکم میں مذکور ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم مدینہ تشریف لائے تو تمام عرب آپ کے خلاف متحد ہو گیا۔ اور اس وقت مسلمان اس قدر خوف و خطر کی حالت میں تھے کہ کسی وقت بھی ہتھیار اپنے سے جُدا نہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ رات کے وقت بھی ہتھیار بند ہو کر سوتے تھے۔

تاہم چونکہ اس زمانہ میں قریش کے علاوہ اور کسی قبیلے کی طرف سے کھلّم کھلا دشمنی کا اظہار نہ ہؤا تھا اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بھی ان سے تعرض کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور کسی قبیلے سے بھی جنگ مول نہ لی۔ اس کی وجہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے

ہیں یہ تھی کہ اسلام اپنے پیروؤں کو صرف ان لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت دیتا ہے جو پہل کر کے ان پر چڑھ آئیں اور انہیں تباہ و برباد کرنے کے درپے ہوں ۔ اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے ۔ اور پیار اور محبت کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے ۔ اسی مقصد کے پیش نظر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے جس حد تک ممکن ہو سکا جنگ سے پہلوتہی کی ۔ قریش کے علاوہ جو کھلم کھلا آپ کے مقابلے کے لئے نکل آئے تھے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے درپے تھے ۔ آپ نے اور کسی قبیلے سے جنگ مول نہیں لی ۔ حتّٰی کہ ان قبائل سے بھی تعرض نہ کیا جن کی ہمدردیاں قریش کے ساتھ تھیں اور وہ کفارِ مکہ کی فتح و نصرت کے خواہاں تھے ۔ آپ حکمت و موعظت اور نرمی اور پیار کے ذریعے لوگوں کے دل موہ لینے کی کوشش کرتے تھے ۔ کوئی قبیلہ دشمنی اور کینہ توزی میں خواہ کتنا ہی کیوں نہ بڑھ جاتا ، جب تک وہ کھلم کھلا آپ کے مقابلے میں تلوار نہ اُٹھاتا تھا آپ بھی اس سے آمادۂ پیکار نہ ہوتے تھے ۔

حکمت اور تدبر کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اس نازک وقت میں مسلمان حتی الامکان نرمی اور عفو و درگذر سے کام لے کر اور دیگر قبائلِ عرب کی عداوت کو نظر انداز کر کے صرف قریش سے مقابلے کے لئے

اپنے آپ کو تیار کرتے۔ اور قبائلِ عرب کے کسی فرد کو اس بات کا موقعہ نہ دیتے کہ اسے قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے کوئی بہانہ ہاتھ آسکتا۔

قبائلِ عرب کو قریش کی مدد سے روکنے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے یہ بھی مناسب سمجھا کہ ان سے دوستی اور صلح کے معاہدے کئے جائیں۔ چنانچہ مدینہ کے یہودی قبائل کے علاوہ آپ نے مدینہ کے قرب وجوار کے دو قبائل سے بھی اس قسم کے معاہدے کئے۔ ان میں سے پہلا معاہدہ بنوضمرہ بن بکر بن عبدمناۃ بن کنانہ سے کیا۔ جس کی عبارت درج ذیل ہے :۔

"یہ عہد نامہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کی طرف سے بنوضمرہ کے لئے ہے کہ ان کے اموال اور جانیں محفوظ رہیں گی اور اگر کوئی قبیلہ ان کے خلاف بُرے ارادے رکھے گا تو مسلمان اس کے مقابلے میں ان کی مدد کریں گے۔ بشرطیکہ وہ اللہ کے دین کے مقابلے میں جنگ نہ کریں۔ اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جب انہیں اپنی مدد کے لئے بلائیں تو اس پر لبّیک کہتے ہوئے حاضر ہوجائیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ پر اس معاہدے کی تکمیل کی ذمّہ داری ہے"۔

اسی قسم کا دوسرا معاہدہ مسلمانوں اور بنو مدلج کے درمیان ہوا۔ جو بنو ضمرہ کے حلیف تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بنو ضمرہ سے معاہدہ کیا تو بنو مدلج سے بھی معاہدہ کرنے کی راہ خود بخود نکل آئی ۞

داخلی سیاست

غزوۂ بدر اور صلح حدیبیہ کے درمیانی عرصے میں

(۱) مہاجرین اور انصار کے تعلقات

غزوۂ بدر ہجرت سے انیس ماہ بعد ہوا تھا۔ اس دوران میں مسلمانوں اور قریش کے درمیان جو جھڑپیں ہوئیں ان میں صرف مہاجرین نے حصّہ لیا۔ کیونکہ معاہدۂ عقبہ کی رو سے انصار صرف مدینہ پر حملہ کی صورت میں مہاجرین کی مدد کرنے پر مجبور تھے۔ قریش کے تجارتی قافلوں پر حملہ کرنے میں نہ وہ خود شریک ہوئے اور نہ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انہیں ایسا کرنے کے لئے مجبور کیا۔ ایک مرتبہ تو یہاں تک ہوا کہ قریش نے مدینہ کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور مسلمانوں کے مویشی لیکر چلتے بنے لیکن اس موقعہ پر بھی رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم مہاجرین ہی کی ایک جمعیّت کو لیکر ان کے مقابلے کے لئے نکلے۔ اور انصار کو

اپنے ساتھ چلنے کی دعوت نہ دی۔ کیونکہ چھاپہ مارنے والوں کی تعداد تھوڑی تھی۔ اور ان کے مقابلے کے لئے انصار کو ساتھ لینے کی ضرورت نہ تھی ؛

ہجرت سے غزوۂ بدر تک کی مدت انصار کو مہاجرین کے ساتھ اشتراکِ عمل پر آمادہ کرنے کے لئے کافی تھی۔ کیونکہ اب اجنبیت کا احساس دور ہو کر ہر دو فریق میں کامل یگانگت پیدا ہو گئی تھی۔ انصار کے اطمینان کے لئے یہ بات کافی تھی کہ مہاجرین نے اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ کو اپنا دائمی وطن بنا لیا تھا۔ اور اپنے آپ کو ان میں اس طرح جذب کر لیا تھا کہ اب کوئی طاقت انہیں انصار سے جُدا نہ کر سکتی تھی۔ انہوں نے سوچا کہ ایسی صورت میں یہ مناسب نہ ہو گا کہ وہ تو اطمینان سے بیٹھے رہیں اور مہاجرین تنہا دشمنوں سے جنگ کا بوجھ اٹھائیں۔ مدینہ کی چراگاہ پر قریش کے حملے کے بعد سے انصار کے لئے مہاجرین سے کامل اشتراک کرنا اور بھی ضروری ہو گیا تھا۔ کیونکہ کفارِ مکہ کے ہاتھوں اب خود ان کے اموال و نفوس خطرے میں تھے ؛

انصار کی پالیسی میں یہ تبدیلی سب سے پہلے غزوۂ بدر کے موقعہ پر رُونما ہوئی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم قریش کے ایک بھاری قافلے کو روکنے کے لئے نکلے تھے۔ جو ابو سفیان بن حرب کی زیرِ گردگی

شام سے کثیر منافع حاصل کر کے واپس مکہ جا رہا تھا۔ اور خیال یہ تھا کہ اس منافع کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری میں صرف کیا جائے گا۔ اس موقع پر انصار بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ہمراہ تھے۔ جب ابوسفیان نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سُنی تو اُس نے اپنے ایک قاصد کے ہاتھ یہ اطلاع قریشِ مکہ کو بھجوا دی اور وہاں سے ایک بھاری لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے مدینہ روانہ ہو گیا ؂

اس موقعہ پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انصار سے صاف الفاظ میں یہ معلوم کر لینا مناسب سمجھا کہ اب قریش کے مقابلے میں ان کا رویہ کیا ہو گا۔ کیونکہ قریش کی آمد سے صورت حال یکسر بدل چکی تھی۔ اور ضروری ہو گیا تھا کہ انصار کا آئندہ موقف واضح طور پر معلوم کر لیا جائے۔ اور جنگ میں شرکت کے لئے ان کی رضامندی بغیر کسی دباؤ کے حاصل کر لی جائے۔ تاکہ بعد میں کسی شک وشُبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اور انصار کسی دباؤ کے تحت نہیں بلکہ اپنی مرضی اور صدقِ دل سے قریش کے خلاف مہاجرین کا ساتھ دے سکیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اس فعل سے آپ کی حکیمانہ سیاست کا ایک اور بیّن ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ ایسے اہم امُور میں پہلے ہی سے صراحت کرا لینے سے کامیابی کا راستہ آسان اور شک وشبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے ؂

جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو کفّار کے لشکر کی مکہ سے روانگی کی اطلاع موصول ہوئی تو آپ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور ان سے آئندہ اقدام کے متعلق رائے دریافت فرمائی۔ آپ خصوصیت سے انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ گو اس سے قبل انصار اس شرط کے باوجود کہ وہ صرف مدینہ پر حملے کی صورت میں مہاجرین کے ساتھ اشتراک عمل کرینگے، ابوسفیان کے تجارتی قافلے کو روکنے کی غرض سے مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل چکے تھے۔ لیکن محض ان کے اس فعل سے یہ ثابت نہیں ہوتا تھا کہ آئندہ جنگوں کے موقعہ پر بھی وہ مہاجرین کے ساتھ کامل اشتراک کریں گے۔ اس کے لئے انصار کی طرف سے کھلم کھلا اظہار کی ضرورت تھی ۔

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مشورہ طلب کیا۔ تو حضرت ابوبکرؓ صدیق کھڑے ہوئے اور جاں نثارانہ تقریر کی۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ بن خطاب نے بھی ویسے ہی جذبات کا اظہار کیا۔ مقدادؓ بن اسود نے کہا :۔

یا رسولؐ اللہ! اللہ تعالےٰ نے آپ کو جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ ہم دل و جان سے آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم! ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسٰی سے کہہ دیا تھا اذھب انت و

ربّك فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون (تم اور تمہارا رب جاکر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں) بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ آپ اپنے رب کے حکم سے چل کر لڑیں ہم بھی آپ کے دوش بدوش لڑیں گے۔ خدا کی قسم! اگر آپ برک الغماد کی طرف بھی جائینگے تب بھی ہم آپ کے ہمراہ ہوں گے۔ اور ہرگز آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں گے"۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مقدادؓ کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ لیکن دراصل آپ انصار کی رائے لینا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:۔

"لوگو! مجھے مشورہ دو کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے"؟

انصار بھی سمجھ گئے تھے کہ رسولؐ اللہ کا منشاء یہ ہے کہ انکی رائے دریافت کی جائے۔ چنانچہ سعدؓ بن معاذ کھڑے ہوئے جو اپنی وجاہت اور بزرگی کی وجہ سے اوس اور خزرج دونوں قبائل میں بے حد تعظیم و تکریم کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اور انصار میں ان کا رتبہ وہی تھا جو مہاجرین میں حضرت ابوبکرؓ صدیق کا تھا۔ انہوں نے کہا:۔

"یا رسولؐ اللہ! آپ کا روئے سخن شاید ہماری جانب ہے"؟

رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:۔

"ہاں"

انہوں نے عرض کیا :-

"یارسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لاکر گواہی دے چکے ہیں کہ جو کچھ آپ نے ہمارے سامنے پیش کیا ہے وہ سچ ہے اور خدا کی طرف سے ہے۔ ہم آپ سے یہ عہد بھی کر چکے ہیں کہ جو کچھ آپ فرمائینگے دلی ذوق و شوق کے ساتھ سنیں گے اور آپ کے احکام کی کامل اطاعت کریں گے۔ پس یارسول اللہ! جو کچھ آپ کا ارادہ ہو اُسے بلاخوف وخطر عملی جامہ پہنائیے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق بات دے کر مبعوث کیا ہے کہ اگر آپ ہمیں اس سمندر (بحیرۂ قلزم) میں کودنے کا اشارہ کرینگے تو ہم بے دھڑک اور بلاچون و چرا اس حکم کو بجالائیں گے اور ہمارا ایک بھی فرد اس کام میں پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں دشمن سے مقابلے کا مطلق خوف نہیں ہے۔ ہم جنگ میں کامل ثابت قدمی اور صبر واستقلال کا ثبوت دیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو وہ نظارہ دکھادیگا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائینگی۔ پس اللہ کا نام لے کر اور اس کی برکت کے طلبگار بن کر کوچ کا حکم دے دیجئے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سعدؓ کی اس تقریر سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا :-

"کوچ شروع کردو اور خوش ہو جاؤ۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے بشارت دی ہے کہ وہ ہمیں قافلے یا لشکر ہیں سے ایک کے مقابلے میں ضرور فتح عطا فرمائے گا۔ مَیں تو ابھی سے دیکھ رہا ہُوں کہ کفّار کا کون کون شخص کہاں کہاں گرے گا"۔

اس طرح مہاجرین اور انصار کے درمیان پہلے معاہدہ کی بجائے جو سراسر دفاعی نوعیت کا تھا، ایک نیا معاہدہ تشکیل پا گیا جس کی رُو سے انصار نے رضاکارانہ طور پر اپنے اوپر یہ لازم کر لیا کہ وہ ہر لڑائی میں خواہ وہ مدینہ کے اندر لڑی جائے یا باہر، مہاجرین کا ساتھ دیں گے۔ انصار نے یہ معاہدہ کامل وفاداری کے ساتھ نبھایا۔ صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے عہدِ حیات میں نہیں بلکہ آپکے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی۔ اخلاص و وفاداری کے اس مظاہرے سے مہاجرین اور انصار کے درمیان عدیم المثال مودّت پیدا ہو گئی۔ اور محبّت کا یہ تعلّق روز بروز استوار ہی ہوتا چلا گیا۔

جہاں انصار نے قربانی کا حیرت انگیز نمونہ دکھایا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم اور مہاجرین کے مقابلے میں اپنے قریبی عزیزوں (منافقین) اور قدیمی حلیفوں (یہود) تک کی پروا نہ کی۔ وہاں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور مہاجرین نے بھی اپنے عہد کی پوری پابندی

کی۔ انہوں نے مدینہ کو اپنا دائمی وطن بنا لیا۔ اور فتح مکّہ کے بعد بھی اپنے آبائی وطن واپس جانے کا خیال تک نہ کیا۔ مکّہ کے نومسلموں کی تالیفِ قلوب کی خاطر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جنگِ حنین کی غنیمتیں انہی میں تقسیم کر دی تھیں۔ اس پر بعض انصار کو یہ خیال پیدا ہوا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے ہم قوم لوگوں کو ان پر ترجیح دی ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو جب اس کا علم ہُوا تو آپ نے انصار کو جمع کیا اور ان کے اس خیال کی تردید بڑے زوردار الفاظ میں کی۔ آپ نے فرمایا:۔

"اے انصار! مجھے تمہاری کچھ باتوں کا علم ہُوا ہے۔ کیا یہ امرِ واقعہ نہیں کہ میں نے تمہیں گمراہی کی حالت میں پایا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعے ہدایت دی۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اللہ تعالےٰ نے میرے ذریعے تمہارے درمیان اُلفت پیدا کر دی۔ قریش نئے نئے اسلام لائے ہیں۔ میں تالیفِ قلوب کی خاطر انہیں مال دینا چاہتا تھا تا وہ اسلام پر پختہ ہو جائیں۔ اے انصار! تم نے تھوڑے سے دنیوی مال کی خاطر اپنے دلوں میں بدگمانی پیدا کی۔ حالانکہ مَیں نے تمہیں اس لئے مال نہیں دیا کہ مَیں جانتا تھا تم اسلام پر پُختہ ہو۔ اور کوئی طاقت تمہیں متزلزل نہیں کر سکتی۔ اے انصار! کیا تم اس بات

پر راضی نہیں ہو کہ دُوسرے لوگ اپنے ساتھ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسول کو لے جاؤ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر دنیا کے سارے لوگ ایک راستے پر چلیں اور قریش دوسرے راستے پر تو مَیں انصار ہی کے اختیار کردہ راستے پر چلوں گا۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما اور انصار کے بیٹوں پر رحم فرما"۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی یہ پُر درد تقریر سُن کر انصار اتنا روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔ اور وُہ کہنے لگے :۔

"ہم رسولؐ اللہ کی تقسیم پر دل و جان سے راضی ہیں"

(۲) مُسلمانوں اور یہُود کے سیاسی تعلقات

دریں اثنا یہود کی مسلمانوں سے دشمنی میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا اور مسلمانوں کا اقتدار یہود کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگا۔ لیکن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم انہیں اس امید میں برابر ڈھیل دئے جاتے تھے کہ شاید کسی وقت وہ اپنی عداوت اور سرکشی سے باز آ جائیں۔ ایک وجہ یہ

بھی تھی کہ ہنوز حضورؐ کی حیثیت مدینہ میں ایک نووارد کی سی تھی۔ اور گو انصار شروع ہی سے اخلاص و وفاداری کا دم بھرتے تھے لیکن اس کا عملی ثبوت غزوۂ بدر سے پہلے مہیّا نہ ہو سکا تھا۔ اس صورت میں حضورؐ کو خدشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو یہود کے خلاف فوجی کارروائی کے وقت انصار کے پائے استقلال میں لغزش واقع ہو جائے۔ اور وہ یہود کے ساتھ اپنے پُرانے تعلّقات کا خیال کرتے ہوئے ان کی رعایت کر بیٹھیں۔

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی سے یہُود انگاروں پر لوٹنے لگے۔ اور مسلمانوں کے خلاف ان کا غیظ و غضب انتہا کو پہنچ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دو آدمیوں کو فتح کی خوشخبری دے کر مدینہ روانہ کیا تھا۔ یہ خبر سُن کر یہود کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے۔ انہیں یقین نہ آتا تھا کہ مسلمان اس قدر کمزوری کی حالت کے باوجود قریش کے منظّم اور بھاری لشکر پر فتحیاب ہو سکتے ہیں۔ ان کا سردار کعب بن اشرف بار بار کہتا تھا۔ "کیا یہ خبر سچ ہو سکتی ہے؟ بھلا ایسا ہو سکتا ہے کہ محمدؐ نے عرب کے معزّز ترین لوگوں اور مکّہ کے عظیم الشان سرداروں کو خاک و خون میں ملا دیا ہو۔ خدا کی قسم! اگر محمدؐ نے واقعی ان لوگوں پر فتح پالی ہے تو زندہ رہنے سے مر جانا بہتر ہے۔"

کعب بُلند قامت اور فربہ جسم تھا۔ شعر کہنے میں اسے مہارت حاصل تھی اور کہتا بھی خوب تھا۔ دولت و ثروت کی وجہ سے اسے تمام حجاز کے یہود کی سرداری حاصل تھی۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی فتح کی خبر صحیح ہے۔ اور اس نے اپنی آنکھوں سے قریش کے قیدیوں کو مدینہ میں داخل ہوتے دیکھ لیا تو وہ قریش کے پاس پہنچا اور اپنے جوشیلے اشعار کے ذریعے انہیں ایک بار پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔ مدینہ واپس پہنچ کر اس نے مسلمان عورتوں کے بارے میں عاشقانہ شعر کہنے شروع کر دئیے۔ مطلب یہ تھا کہ مسلمان طیش میں آکر یہود سے برسرِ پیکار ہو جائیں۔ بنو قینقاع کے یہود خاص شہر مدینہ میں مسلمانوں کے درمیان سکونت پذیر تھے۔ ان کی رہائش گاہیں مدینہ کے بالائی حصّے میں جسر بطحان کے قریب واقع تھیں۔ یہ لوگ زرگری کا کام کرتے تھے اور یہود میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ شجاعت میں بھی ان کا جواب نہ تھا۔ اسلام سے قبل ان کے اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کے درمیان دوستی کا معاہدہ تھا۔ اس موقعہ پر ان کی نظر اسی شخص پر پڑی۔ انہیں امید تھی کہ اگر انہوں نے مسلمانوں کے خلاف محاذ تیار کر لیا۔ تو عبداللہ بن ابی ان کا ساتھ دیگا۔ ان کی شرارتیں یہاں تک بڑھ گئیں۔ کہ ایک مسلمان عورت کچھ

سامان لے کر بیچنے کے لئے بنو قینقاع کے بازار میں گئی۔ اور ایک یہودی زرگر کی دکان پر بیٹھ گئی۔ یہودی دکاندار اور اس کے بھائیوں نے اس کے چہرے سے نقاب اٹھوانا چاہا۔ لیکن اس نے سختی سے انکار کر دیا۔ اس پر سُنار نے چُپکے سے عورت کے تہ بند کو ایک کانٹے سے قمیص کے ساتھ ٹانک دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ اٹھی تو ننگی ہو گئی۔ اور بے شرم یہودی ٹھٹھے مار کر ہنسنے لگے۔ عورت نے زور سے چیخ ماری اور لوگوں کو مدد کے لئے پکارا۔ قریب ہی ایک مسلمان جا رہا تھا۔ یہ ماجرا دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اور تلوار کا ایک ہاتھ مار کر اس یہودی سُنار کو جہنّم رسید کر دیا۔ سنار کو قتل کرنا تھا کہ چاروں طرف سے یہودی اس پر ٹوٹ پڑے اور اُسے شہید کر دیا ؛

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے یہود کی اس فتنہ انگیزی کا بروقت سدِ باب کرنا چاہا۔ اب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اس کی طاقت بھی حاصل تھی۔ سب سے پہلے آپ نے بنو قینقاع ہی کی طرف توجّہ کی۔ کیونکہ ایک تو یہ لوگ مسلمانوں کے درمیان آباد تھے۔ دُوسرے سرکشی اور عہد شکنی میں بھی دیگر قبائل یہود سے بڑھے ہوئے تھے۔ آپکا خیال تھا کہ اگر ان کی سرکوبی کر دی گئی تو دوسرے یہودی قبائل نصیحت حاصل کر کے بغاوت اور سرکشی سے باز رہیں گے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ

گئے ہوئے معاہدوں کا پاس کریں گے۔ چنانچہ آپ نے بنو قینقاع کو جمع کیا اور فرمایا :-

"اے گروہِ یہود! اللہ سے ڈرو اور قریش کے انجام سے عبرت حاصل کرتے ہوئے اسلام قبول کر لو۔ کیونکہ تمہیں خوب علم ہے کہ میں اللہ تعالےٰ کا نبی اور اس کا رسول ہوں۔ تمہاری کتابوں میں میرے متعلق پیشگوئیاں موجود ہیں اور تم لوگ عہد کر چکے ہو کہ جب وہ موعود رسول مبعوث ہوگا تو اُسے قبول کر لو گے"۔

یہ سن کر بنو قینقاع کہنے لگے :-

"محمدؐ معلوم ہوتا ہے تم نے ہمیں بھی اپنی قوم جیسا بزدل اور کم ہمت سمجھا ہے۔ تم ہمارے متعلق دھوکہ میں نہ آنا۔ تمہارا واسطہ ایک ایسی قوم سے پڑا تھا جو جنگی امور سے محض ناواقف تھی۔ اسی لئے تم ان پر فتح حاصل کر کے مغرور ہو گئے ہو۔ اگر تمہیں ہم سے لڑنا پڑا تو ہم دکھا دینگے کہ جنگجوئی میں ہمارا پلّہ کتنا بھاری ہے"۔

یہود کی بدعہدیوں، شرارتوں اور فتنہ و فساد کو دیکھ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارادہ پہلے ہی سے انہیں جلاوطن کرنے کا ہو چکا تھا۔ لیکن آپ نے اتمامِ حجت کے لئے یہ چاہا کہ انہیں آخری بار اسلام کی دعوت دی جائے یا کم از کم اس معاہدے پر عمل پیرا ہونے کے لئے

ہی آمادہ کرلیا جائے۔ جو انہوں نے حضورؐ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد آپ سے کیا تھا۔ لیکن یہود نے دونوں باتیں قبول کرنے سے انکار کر دیا اور بدستور تمرد اور گستاخی سے پیش آتے اور قوت وطاقت استعمال کرنے کی دھمکیاں دیتے رہے۔

اس صورت حال کی موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا۔ چنانچہ آپ نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کرلیا جو پندرہ دن تک جاری رہا۔ بالآخر مجبور ہو کر انہوں نے مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈالنے اور مدینہ سے نکل جانے کی پیشکش کی:-

(۱) ان کے تمام آدمیوں کی جان بخشی کی جائے۔

(۲) انہیں اپنی عورتوں اور بچوں کو ساتھ لے جانے کی اجازت دی جائے۔

(۳) قلعوں میں جو مال واسباب، آلاتِ زرگری اور ہتھیار وغیرہ ہیں وہ مسلمانوں کی ملکیت ہونگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ شرائط قبول کرلیں۔ اور وہ مدینہ سے نکل کر شام کی سرحد پر جا کر آباد ہو گئے۔

اس سلسلے میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ نہ تو عبداللہ بن ابی نے محاصرے کے دوران میں بنو قینقاع کی مدد کی اور نہ مدینہ کے دُوسرے قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ انہیں اس مصیبت سے نجات دلانے کیلئے آئے۔ کیونکہ اوّل تو وہ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی عظیم الشان کامیابی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ دُوسرے وہ خواہ مخواہ مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کر کے اپنے لئے مشکلات پیدا کرنا مناسب سمجھتے تھے۔ جنگِ بدر کے بعد اب ان کی نظریں بنو قینقاع کی طرف لگی ہوئی تھیں اور اپنے آئندہ اقدام کے لئے وہ اس قبیلے کے انجام کے منتظر تھے۔

مسلمانوں نے یہود کے ساتھ اپنے معاہدات کا کامل احترام کیا اور ہمیشہ ہی ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ کیونکہ اسلام صلح و امن کا خواہاں اور نرمی، محبت اور پیار کے ذریعے اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے کا خواہشمند ہے۔ اہلِ کتاب سے مروّت کا سلوک کرنے کا تو اس نے خاص طور پر حکم دیا ہے۔ کیونکہ وہ بلحاظ عقائد دیگر اقوام و ملل کی نسبت مسلمانوں کے زیادہ قریب ہیں۔ اسی لئے مسلمانوں کو ان کے ساتھ میل ملاپ رکھنے، ان کا کھانا کھانے، ذبیحہ استعمال کرنے اور ان کی عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اسلام مسلمانوں اور اہلِ کتاب کے ایک جگہ رہنے اور ایک ہی قومیت میں مدغم ہونے کی راہ میں بھی مزاحم نہیں ہے

اسلامی تعلیمات کی رو سے جو غیر مسلم اسلامی سلطنت کو اپنا ملک قرار دے کر اس میں رہائش پذیر ہوگا اسے وہ تمام حقوق حاصل ہونگے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ اسی طرح اس پر وہ تمام ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو مسلمانوں پر ہوتی ہیں۔ اسے پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ اور وہ اپنی مذہبی رسوم بیخوفی اور کامل اطمینان کے ساتھ بجالا سکے گا۔ اسلام نے مذہبی آزادی کا جو تصور پیش کیا ہے اور اس میں جس حد تک وسعت پیدا کی ہے، دوسرے تمام مذاہب اس سے خالی ہیں۔ اور غیر مذاہب کے لوگوں سے حسنِ سلوک کا جو معیار قائم کیا ہے اس کی نظیر اقوامِ عالم میں نہیں ملتی ٭

لیکن یہود کو دشمنی اور حسد نے اتنا اندھا کر دیا تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ اس نعمت کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ انکا خیال تھا کہ اسلام سے قبل وہ مال و دولت، شوکت و عزت اور اثر و رسوخ میں تمام عرب قبائل سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور ایک غیر ملک میں سکونت پذیر ہونے کے باوجود ہر لحاظ سے ان کا پلہ بھاری تھا۔ اب عرب میں یہ ایک نئی طاقت اُبھر رہی ہے جس نے مساوات، حریتِ ضمیر اور حریتِ عقیدہ کا نعرہ بُلند کیا ہے۔ اگر اسے فروغ حاصل ہوگیا تو عرب اپنی موجودہ پست حالت سے نکل کر ان کے ہم مرتبہ ہو جائیں گے۔ اور ان کا اثر و رسوخ اور بالادستی ختم ہو جائے گی۔ لہٰذا انہیں ہر قیمت پر اسلامی تحریک کی مخالفت

اور اسے نیچا دکھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہود کے دیگر قبائل نے بنو قینقاع کے انجام سے نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کی بالکل کوشش نہ کی۔ اور یکے بعد دیگرے مسلمانوں سے کئے ہوئے معاہدے توڑ ڈالے ؛

اگر غور کیا جائے تو مسلمانوں کو یہود پر حسد کرنے کا بہت زیادہ حق تھا۔ کیونکہ یہود مال و دولت اور عزت و وجاہت کے لحاظ سے مدینہ میں بسنے والے دوسرے قبائل سے بہت بڑھ چڑھ کر تھے۔ لیکن اسلام اپنے پیروؤں کو حسد کرنا نہیں سکھاتا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن دُوسروں کی خوبیوں پر رشک کرتا ہے اور ان خصائل اور صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن منافق کو دُوسروں کی خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق تو ملتی نہیں۔ لیکن ان خوبیوں کو دیکھکر وہ جل ضرور جاتا ہے۔ اور خواہش کرتا ہے کہ مخالف سے اس کی خوبیاں اور نعمتیں چھن جائیں" ؛

اسلام یہ نہیں چاہتا تھا کہ یہود کا مال واسباب اور دولت و عزت ان سے چھن جائے۔ ہاں وہ یہ ضرور چاہتا تھا کہ مسلمان بھی کسی طرح یہود سے پیچھے نہ رہیں۔ اور یہ خواہش ایک طبعی خواہش ہے جس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اسلام تمام انسانوں کو ایک سطح پر دیکھنے کا خواہشمند ہے

تاکسی کو اپنے مال و دولت اور عزت و وجاہت کے بل بوتے پر دوسروں پر رعب جمانے اور حکم چلانے کا موقع نہ مل سکے ۔

بنو قینقاع کا جو حشر ہو چکا تھا اس سے مدینے کے قرب و جوار میں بسنے والے یہود عبرت پکڑ کر مسلمانوں کے خلاف سازشوں سے باز رہ سکتے تھے ۔ لیکن مسلمانوں کی عداوت نے انہیں اندھا کر دیا تھا۔ اور ان کے دلوں سے سود و زیاں کا احساس بالکل جاتا رہا تھا۔ انہوں نے اپنے بھائی بندوں کی جلاوطنی سے کوئی فائدہ اُٹھانے کی بجائے منافقین کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف منصوبے بنانے شروع کر دیئے۔ اور قریش سے خفیہ تعلق پیدا کر کے انہیں ایک بار پھر مسلمانوں کے خلاف آمادۂ پیکار کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے ۔

۳ھ میں قریش ایک لشکرِ جرّار کے ہمراہ مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور معرکۂ احد پیش آیا۔ اس موقعہ پر بنو نضیر کے یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف بغض و عداوت کے جذبات کا کھلم کھلا اظہار شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے معاہدے کے تحت ان سے ہتھیار اور کچھ اور چیزیں عاریۃً مانگی تھیں لیکن انہوں نے یہ چیزیں دینے کی بجائے تمسخر اور استہزاء شروع کر دیا۔ اور کہنے لگے :-

"تم اپنے رب کا نام لے کر ہم سے اموال قرض مانگتے ہو۔ حالانکہ قرض دینے والا امیر اور قرض لینے والا محتاج ہوتا ہے۔ اگر تمہارا مطالبہ ٹھیک ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا رب محتاج ہے۔ اور ہم امیر اور اسکی حاجت روائی کرنے والے ہیں"۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :۔

لقد سمع اللہ قول الّذین قالوا انّ اللہ فقیر و نحن اغنیاء۔ سنکتب ما قالوا وقتلھم الانبیاء بغیر حق ونقول ذوقوا عذاب الحریق (آل عمران ع ١٩)

(ترجمہ) "جن لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تو محتاج ہے اور ہم غنی ہیں۔ اللہ نے ان کی اس بات کو یقیناً سُن لیا ہے۔ ہم ان کی یہ بات اور ان کا ناحق انبیاء کو مارنے کے درپے رہنا یقیناً لکھ رکھیں گے۔ اور ہم انہیں کہیں گے کہ جلن کا عذاب چکھو"۔

یہود نے اپنے اموال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو عاریۃً دینے سے انکار کر کے اس معاہدے کی صریح خلاف ورزی کی تھی جو اُنہوں نے حضورؐ کی مدینہ میں تشریف آوری کے موقعہ پر آپ سے کیا تھا۔ اس معاہدہ کی رُو سے یہود پر یہ بھی واجب تھا کہ کسی بیرونی حملے کی صُورت میں انہیں مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمن سے جنگ کرنی ہو گی۔ لیکن رسول اللہ

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان سے صرف مالی امداد طلب کی تھی۔ اور انہیں اپنی فوج میں شامل کرنا پسند نہ کیا تھا۔ کیونکہ آپ ان کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ اگر آپ ان سے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کفارِ مکہ سے جنگ کرنے کا مطالبہ کرتے تب بھی وہ یقیناً حیلے بہانے کر کے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ انہی کے ایک ہم مذہب شخص مخیریق نے (جو بنو ثعلبہ بن فطیون میں سے تھا) انہیں قریش کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی اور کہا تھا:۔

"اے یہود! تمہیں معلوم ہے کہ تم پر محمدؐ کی مدد واجب ہے اسلئے تم ان کے ساتھ قریش کے مقابلے کے لئے نکلو"۔

لیکن انہوں نے سبت کے دن کا بہانہ کر کے جنگ میں شمولیت سے انکار کر دیا۔ اس پر اس نے اپنے ہتھیار جسم پر سجائے اور یہ کہہ کر کہ "اگر میں مارا جاؤں تو میرا مال محمدؐ کو دے دیا جائے۔ وہ اسے جس مصرف میں لانا چاہیں لائیں"۔ مسلمانوں کی فوج میں جا کر شامل ہو گیا۔ اور بے جگری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس کے قتل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"مخیریق بہترین یہودی تھا"۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مخیریق کو اپنی فوج میں شامل

کرنا منظور کر لیا تھا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کا خیر خواہ تھا۔ اور اس کی شمولیت سے مسلمانوں کو کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہ تھا۔ اس کے بالمقابل یہود کے چند اور لوگوں نے بھی فوج میں شمولیت کی خواہش کی تھی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ عبداللہ بن ابی کے حلیف ہیں تو آپ نے انہیں واپس کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا:۔

"ہم مشرکوں کے مقابلے پر کافروں کی مدد لینے کے لئے تیار نہیں ہیں"۔

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو جس مصیبت سے دوچار ہونا پڑا۔ اس نے بنو نضیر کے لئے استہزاء اور تمسخر کا دروازہ کھول دیا۔ اور اُنہوں نے بغض و عداوت کے ان جذبات کو جو اب تک ان کے سینوں میں پنہاں تھے۔ آشکارا کرنا شروع کر دیا۔ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر طعن و تشنیع کرتے۔ اور جو شخص ان کی مجلس میں جاتا اس سے کہتے:۔

"اس جنگ میں مُسلمانوں کی شکست سے ظاہر ہو گیا ہے کہ محمدؐ محض جاہ و حشمت اور ملک و دولت کے خواہش مند ہیں۔ آج تک کسی نبی کو شکست سے دوچار ہونا نہیں پڑا۔ لیکن محمدؐ نے نہ صرف شکست کھائی۔ بلکہ زخمی ہوئے۔ اور ان کے کئی ساتھی اور بہادر مارے گئے"۔

اس طرح بنو نضیر اپنے کئے ہوئے معاہدے سے رُوگردان ہو گئے۔

اور مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہو گیا۔ کہ گوناگوں خطرات کو دیکھتے ہوئے وہ بنو قینقاع کی طرح بنو نضیر کو بھی مدینے سے جلاوطن کر دیں۔ تا آئندہ کیلئے وہ ان کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے محفوظ رہ سکیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے محمد بن مسلمہ انصاری کے ہاتھ انہیں پیغام بھیجا کہ وہ دس دن کے اندر اندر مدینہ سے نکل جائیں۔ اس کے بعد جو شخص مدینہ میں چلتا پھرتا دیکھا گیا اس کی گردن اُڑا دی جائے گی ‪‫*

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا یہ پیغام سُن کر پہلے تو اُنہوں نے واقعی نکل جانے کا ارادہ کیا کیونکہ اس سے قبل وہ بنو قینقاع کا حشر دیکھ چکے تھے۔ لیکن دریں اثناء ان کے پاس عبداللہ بن ابیّ کا ایک پیغام پہنچا کہ "تم اپنے گھروں سے نکلنے کا ہرگز ارادہ نہ کرنا۔ اور اپنے قلعوں میں ڈٹے رہنا۔ میرے پاس دو ہزار آدمی ہیں جو تمہارے قلعوں میں داخل ہو کر تمہاری طرف سے مدافعت کا فرض ادا کرینگے"*

اس پیغام سے یہ لوگ دھوکے میں آ گئے۔ اور اُنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو کہلا بھیجا کہ "ہم ہرگز اپنے گھروں سے نہیں نکلیں گے آپ جو کر سکتے ہیں کر لیں"*

بنو نضیر مدینے سے دو تین میل کے فاصلے پر وادیٔ بطحان میں سکونت پذیر تھے۔ ان کا یہ پیغام ملنے پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنے

صحابہؓ کو ساتھ لیکر نکلے اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ جو پچیس روز تک جاری رہا۔ عبداللہ بن ابی نے پہلے تو بہت زور شور سے ان کی مدد کا وعدہ کیا تھا لیکن اس محاصرہ کو دیکھ کر اس کو جرأت نہ ہوئی کہ اپنے حلیف یہود کی مدد کیلئے نکلتا۔ جب انہیں ہر طرف سے ناامیدی ہو گئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کہلا کر بھیجا کہ وہ ہتھیار ڈالنے اور مدینہ سے نکل جانے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ اُن کی جان بخشی کر دی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پیشکش قبول کر لی اور وہ وادیٔ بطحان سے نکل کر خیبر کی طرف چلے گئے۔ بعض لوگوں نے شام کا رُخ کیا جہاں اس سے قبل بنو قینقاع جا کر آباد ہو چکے تھے ؛

اب مدینہ میں صرف بنو قریظہ کا یہودی قبیلہ باقی رہ گیا تھا۔ یہ لوگ بنو قینقاع اور بنو نضیر سے زیادہ عہد کے پابند تھے۔ کیونکہ ان کی حیثیت مذکورہ قبیلوں سے کمتر تھی۔ بنو نضیر انہیں حقیر و ذلیل سمجھکر ہمیشہ انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنائے رکھتے تھے۔ وہ لوگ انہیں اس حد تک ذلیل سمجھتے تھے کہ اگر ان کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے ہاتھوں مارا جاتا تھا۔ تو وہ ان سے پورا خون بہا وصول کرتے تھے۔ لیکن اگر بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے کسی شخص کے ہاتھ سے مارا جاتا تو صرف نصف دیت ادا کرتے تھے۔ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام مدینہ تشریف لائے تو بنو قریظہ نے حضورؐ سے بنو نضیر

کے اس سلوک کی شکایت کی۔ آپ نے ہر دو قبائل کو مساوی حقوق دینے کا اعلان کیا۔ اور اس طرح بنو قریظہ بھی بنو نضیر کی سطح پر آ گئے۔

اسی حُسنِ سلوک کا اثر تھا کہ ابتدا میں بنو قریظہ کے تعلقات مسلمانوں کے ساتھ بہت اچھے رہے اور بنو قینقاع اور بنو نضیر کی جلاوطنی کے وقت انھوں نے کسی قسم کی شورش اور فساد برپا نہ کیا۔ جلاوطنی کے باعث بنو نضیر اتنے آتش زیرپا ہو گئے تھے کہ ان کے سرداروں نے جابجا گھوم پھر کر قریش اور قبائلِ عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ جب کبھی وہ قریش کے پاس آتے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے جنگ کرنے کے لئے اُکساتے تو قریش ان سے پوچھتے:۔

"اے گروہِ یہود! تم اوّلین اہلِ کتاب ہو۔ اور تمہیں ہمارے اور محمدؐ کے مابین اختلافات کا خوب علم ہے۔ تم بتاؤ ہمارا دین بہتر ہے یا محمدؐ کا؟"

یہود کو اگرچہ علم تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بھی ان کی طرح خدائے واحد کے پرستار ہیں۔ لیکن وہ قریش کی خوشامد میں آ کر کہہ دیتے تھے کہ تمہارا دین محمدؐ کے دین سے ہزار درجے بہتر ہے۔"

بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب نے قریش سے یہ عہد بھی کر لیا تھا

کہ اگر وہ مسلمانوں پر چڑھائی کر دینگے تو وہ بنو قریظہ کو سمجھا بجھا کر انہیں مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی اور ان (قریش) کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شرکت کرنے پر آمادہ کرلے گا۔ چنانچہ قریش نے دیگر قبائلِ عرب کو اپنے ساتھ ملایا اور ۵ھ میں دس ہزار کا لشکر لیکر مدینہ روانہ ہوگئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس لشکر کی آمد کی اطلاع پاکر مدینہ کے گرد خندق کھدوالی اور محصور ہوکر بیٹھ گئے۔ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار سے متجاوز نہ تھی اور محاصرہ لمبا ہوتا جارہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر کئی کمزور ایمان والے لوگ گھبراہٹ میں مبتلا ہوگئے تھے منافقین کی تو بن آئی تھی۔ ان کے مخفی کینے ظاہر ہورہے تھے۔ اور وہ اپنے گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا بہانہ کرکے اسلامی لشکر سے علیحدہ ہوکر اپنے گھروں کو جارہے تھے۔

بنو قریظہ امن وامان سے اپنے قلعوں میں سکونت پذیر تھے۔ مسلمانوں نے انہیں اپنے ساتھ جنگ میں شریک ہونے کی دعوت نہیں دی تھی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو اُن کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ اثنائے محاصرہ میں حیّی بن اخطب اپنے وعدے کے مطابق بنو قریظہ کو مسلمانوں کے خلاف آمادۂ پیکار کرنے کے لئے ان کے قلعوں میں پہنچا۔ اور ان کے سردار کعب بن اسد کے پاس ٹھرا۔ دورانِ گفتگو

میں اس نے کہا:۔

"اے کعب! میں تمہارے لئے ایک ایسی عزت و وجاہت کا سامان کرنے آیا ہوں جس کے باعث تمہارا رُتبہ تمام اقوام عرب میں بلند تر ہو جائے گا۔ قریش اپنے سرداروں، بہادروں اور شہسواروں کے ہمراہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کی غرض سے آ پہنچے ہیں۔ ان کے ہمراہ دومۃ الجندل کے شمشیر زن، غطفان کے عمائد اور بلند پایہ سردار بھی ہیں انہوں نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ وہ اس وقت تک یہاں سے واپس نہ جائیں گے۔ جب تک محمدؐ اور اس کے ساتھیوں کا کلّی قلع قمع نہ کر دیں گے"۔

حیّی بن اخطب کی یہ باتیں سن کر کعب کہنے لگا:۔

"تم میرے لئے عزّت کا نہیں بلکہ ذلّت کا سامان لے کر آئے ہو۔ تم قریش، غطفان اور فزارہ کی جمعیت پر نازاں ہو۔ لیکن اُن کی حیثیت اس بادل سے زیادہ نہیں جس کا پانی ختم ہو چکا ہے۔ وہ کڑکتا اور گرجتا ضرور ہے۔ لیکن اس کے اندر پانی کی ایک بوند بھی نہیں ہے۔ تم ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو کیونکہ ہم نے محمدؐ کو نہایت باوفا، عہد کا پورا اور سچّا پایا ہے"۔

کعب کی یہ باتیں سن کر بھی حیّی بن اخطب نے ہمّت نہ ہاری۔

اور وہ اسے برابر سبز باغ دکھا کر اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بالآخر وہ کامیاب ہو ہی گیا۔ اور اس نے کعب کو عہد شکنی پر آمادہ کر ہی لیا۔ قریش کے لشکر میں واپس جاتے ہوئے اُس نے وعدہ کیا کہ اگر قریش اور غطفان محمدؐ پر فتح نہ پا سکے اور انہیں شکست کھا کر واپس جانا پڑا تو وہ (حیّی بن اخطب) واپس جانے کی بجائے بنو قریظہ کے قلعوں میں چلا آئے گا۔ اور اپنے آپ کو بھی اسی تقدیر سے وابستہ کر دے گا۔ جو بنو قریظہ کے لئے مقدر ہو چکی ہو گی ؂

جب مسلمانوں کو بنو قریظہ کی عہد شکنی کا علم ہوا تو اُن کی گھبراہٹ کی حد نہ رہی اور انہیں اس حد تک پریشانی لاحق ہوئی کہ منافقین نے کہنا شروع کر دیا:۔

"محمدؐ ہمیں کسریٰ کے محلات اور قیصر کے خزانوں کا وعدہ دیتے تھے لیکن آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی رفع حاجت کے لئے بھی اگر باہر نہیں جا سکتا"؂

اس نازک موقعہ پر اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کی دستگیری فرمائی اور مشرکین کے ایک بہت بڑے سردار نعیم بن مسعود الاشجعی کو در پردہ اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ وہ پوشیدہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے اسلام کا اعلان کر کے

عرض کیا کہ اس موقعہ پہ اگر مجھ سے حضورؐ کے لائق کوئی خدمت ہو سکے تو میں اس کی بجا آوری کے لئے ہر طرح تیار ہوں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:۔

"اگر تم کسی طرح قریش اور بنو قریظہ کے درمیان پھوٹ ڈلوا سکو تو یہ بہت بڑی خدمت ہوگی"۔

نُعیم نے وعدہ کر لیا اور چلا گیا۔

سب سے پہلے وہ بنو قریظہ کے پاس پہنچا۔ انہوں نے اس کی بہت خاطر تواضع کی اور آمد کا مقصد پوچھا۔ نعیم کہنے لگا:۔

"بنو قریظہ! تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارا دوست اور خیر خواہ ہوں۔ اس وقت میں تمہیں ایک خطرے سے آگاہ کرنے آیا ہوں۔ اور وہ یہ کہ قریش میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ محمدؐ اور ان کے ساتھیوں پہ غلبہ حاصل کر سکیں گے۔ انہیں جلد یا بدیر ناکام ہو کر واپس جانا پڑیگا۔ تم نے اپنی بے وقوفی سے محمدؐ کے ساتھ کیئے ہوئے مواعید کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ خوب سوچ سمجھ لو کہ اگر قریش کو ناکام و نامراد واپس جانا پڑا تو پھر تمہاری خیر نہیں۔ اس لئے اگر قریش تم سے جنگ میں شریک ہونے کا مطالبہ کریں تو تم اُن سے کہہ دینا کہ ہمیں خطرہ ہے۔ تم ہمارا ساتھ چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔ اِس لئے ہم اس وقت تک تمہاری مدد نہیں کر سکتے

جب تک تم اپنے چند معزز لوگ بطورِ یرغمال ہمارے پاس نہ بھیجدو"۔

بنو قریظہ نے نعیم بن مسعود کی اس تجویز کو بیحد پسند کیا اور اس پر کاربند ہونے کا وعدہ کر لیا۔ نُعیم یہ تاکید کر کے کہ ان باتوں کا کسی کو علم نہ ہو قریش کے لشکر میں آگیا۔

وہاں آ کر اس نے بتایا کہ بنو قریظہ محمدؐ سے عہد شکنی کرنے پر نادم ہیں اور یہ تجویز سوچ رہے ہیں کہ تمہارے ستّر آدمی بطور یرغمال حاصل کریں۔ تم ہرگز ایسا نہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے دھوکہ کر کے ان آدمیوں کو قتل کرنے کے لئے محمدؐ کے حوالے کر دیں۔ نُعیم نے بنو قریظہ کی طرح قریش کو بھی تاکید کر دی کہ ان باتوں کا کسی کو علم نہ ہونے پائے۔

نعیم بن مسعود کی یہ تدبیر پُوری طرح کارگر ہوئی۔ قریش نے بنو قریظہ کو کہلا بھیجا کہ ہم محمدؐ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تم اپنے وعدے کے بموجب ہمارا ساتھ دو۔ اُنہوں نے جواباً کہلا بھیجا کہ ہمیں خطرہ ہے کہ تم ہمیں چھوڑ کر مکّہ چلے جاؤ گے اور تمہارے بعد محمدؐ ہم سے عہد شکنی کا بدلہ لیں گے۔ اس لئے ہم اس وقت تک تمہارے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے جب تک تم اپنے ستّر آدمی بطور یرغمال ہمارے حوالے نہ کر دو۔ بنو قریظہ کا یہ جواب جب قریشِ مکّہ کو پہنچا۔ تو اُنہوں نے جان لیا کہ نعیم بن مسعود

نے ان سے جو کچھ کہا تھا وہ سچ تھا۔ انہوں نے اپنے آدمی بطور یرغمال دینے سے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ اگر مدد کو آنا ہے تو بغیر کسی شرط کے آؤ۔ بنو قریظہ کو بھی قریش کے اس جواب سے یقین ہو گیا کہ نعیم کی بات سچ تھی اور قریش کی نیّت درست نہیں ہے۔ انہوں نے ان کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح ایک ادنیٰ تدبیر سے فریقین کے درمیان پھوٹ پڑ گئی ؛

تاہم مسلمانوں کے لئے ہنوز خطرہ برقرار تھا۔ کیونکہ گو بنو قریظہ اور قریش کے درمیان پھوٹ پڑ گئی تھی۔ لیکن قریش اور قبائلِ عرب کا خونخوار لشکرِ جرّار ابھی تک مدینہ کا محاصرہ کئے ہوئے پڑا تھا۔ اور بظاہر ان سے نجات کی کوئی شکل نظر نہ آتی تھی۔ بہت کچھ غور و فکر کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے یہ تدبیر نکالی کہ حملہ آور قبیلوں میں سے بعض کو مدینہ کی پیداوار کا کچھ حصّہ دے کر قریش سے علیحدہ کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے ان کے دو بڑے سرداروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کو خفیہ طور پر بلایا اور انہیں یہ پیشکش کی کہ اگر وہ قریش کا ساتھ چھوڑ دیں تو انہیں مدینہ کی پیداوار کا تہائی حصّہ دے دیا جائے گا۔ انہوں نے نصف کا مطالبہ کیا۔ اس پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مناسب سمجھا کہ اوس اور خزرج کے سرداروں سعدؓ

بن معاذ اور سعدؓ بن عبادہ سے بھی مشورہ کر لیا جائے۔ آپؐ نے انہیں بلایا اور یہ معاملہ ان کے سامنے رکھا۔ انہوں نے عرض کیا :-

"یا رسولؐ اللہ! اگر آپ یہ صلح خدائی حکم کے تحت کر رہے ہیں تب تو ہمارے لئے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ اگر اس بارے میں کوئی خدائی حکم تو نازل نہیں ہوا۔ لیکن آپ کی خواہش یہی ہے تب بھی ہمارے لئے آپ کی خوشی ہر چیز سے مقدّم ہے۔ لیکن اگر آپ ہم سے محض مشورہ طلب کر رہے ہیں تب ہمارے اور ان کے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی"۔

آپ نے فرمایا :-

"اگر یہ خدائی حکم ہوتا تو مجھے تُم سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی"۔

اس کے بعد عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا :-

"ہمیں تمہاری شرائط منظور نہیں۔ اب تو ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار ہی کے ذریعے فیصلہ ہوگا"۔

دراصل یہ ایک خدائی تدبیر تھی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قریش اور قبائلِ عرب کے متحدہ محاذ کو کمزور تر کر دیا تھا۔ عیینہ بن حصن اور حارث

بنو عوف کے دل دھکڑ پکڑ کر رہے تھے۔ کہ اگر قریش کو ان کی اس غدّاری کا علم ہو گیا تو ان کے لئے مُنہ دِکھانے کی جگہ نہ رہے گی۔ مسلمانوں نے بھی اس خبر کی خوب اشاعت کی۔ جس کے نتیجے میں قریش ان قبائل سے بھی بدظن ہو گئے اور ان کی غدّاری پہ لعنت ملامت کرنے لگے ۔

ان پے در پے حوادث سے قریش کی ہمّتیں پست ہو گئیں لشکرِ کفّار میں سے کسی کو کسی پر اعتماد نہ رہا۔ اور اس طرح ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا۔ ابھی قریش اس صورتِ حال سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ ایک رات سخت آندھی چلی جس سے ان کے خیموں کی طنابیں اُکھڑ گئیں۔ چُولھے اُلٹ گئے۔ ہانڈیاں گر پڑیں۔ قریش پہلے ہی اپنے حلیفوں کی پست ہمّتی اور غدّاری پہ دِل شکستہ ہو رہے تھے۔ اِس آفتِ ناگہانی کو دیکھ کر بالکل بدحواس ہو گئے۔ اور اس ڈر سے کہ کہیں مسلمان اور بنو قریظہ اس صورتِ حال سے فائدہ اُٹھا کر ان پہ دھاوا نہ بول دیں، راتوں رات میدانِ جنگ سے فرار ہو گئے اور صُبح تک میدان بالکل صاف تھا ۔

قریش اور قبائلِ عرب کا لشکر تو راتوں رات فرار ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص تدابیر کے ذریعے مُسلمانوں کو اس عظیم خطرے سے نجات

دلا دی۔ لیکن بنو قریظہ کا خطرہ ابھی باقی تھا۔ اور ان کا استیصال کئے بغیر مسلمان پوری طرح امن و چین سے نہ بیٹھ سکتے تھے۔ اس یہودی قبیلے کا جرم بنو قینقاع اور بنو نضیر سے بہت بڑھکر تھا۔ کیونکہ ان لوگوں نے انتہائی نازک موقعہ پر ابنائے وطن سے غداری کی تھی اور انکا ساتھ چھوڑ کر دشمن سے مل گئے تھے۔ اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے فرار ہونے کے بعد انہیں ایک گھڑی کی مہلت دینی بھی مناسب نہ سمجھی۔ آپ ظہر کے وقت مدینہ واپس آئے اور صحابہؓ سے فرمایا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ کے قلعوں کے سامنے پہنچکر ادا کی جائے۔ چنانچہ صحابہؓ فوراً ان قلعوں کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کا محاصرہ کر لیا جو پچیس دن تک سختی سے جاری رہا۔ جب ہر طرف سے ان کی راہ مسدود ہو گئی تو انہیں ہتھیار ڈالنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ وہ انہی شرائط پر ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار ہیں جن پر ان سے قبل بنو نضیر نے ہتھیار ڈالے تھے۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ان سے بلا شرط ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کیا جو انہیں مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ جب بنو قریظہ ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار ہو گئے۔ تو قبیلہ اوس کے چند لوگوں نے دوستی کے اس معاہدے کا خیال کرتے ہوئے جو ہجرتِ نبوی سے قبل ان میں اور بنو قریظہ میں ہوا تھا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے درخواست کی کہ ان کے ساتھ بنو نضیر جیسا ہی سلوک کیا جائے۔ حضورؐ نے ان کی یہ درخواست تو قبول نہ فرمائی۔ البتہ ان کی تالیفِ قلوب کی خاطر یہ اعلان کر دیا کہ قبیلہ اوس کے سردار سعدؓ بن معاذ بنو قریظہ کے متعلّق جو فیصلہ کرینگے۔ وُہ آپ کو منظور ہو گا۔ سعدؓ نے فیصلہ دیا کہ بنو قریظہ کے مرد قتل کر دئے جائیں۔ اور عورتیں اور بچّے قیدی بنا لئے جائیں ❖

یہ کوئی انوکھا اور ظالمانہ فیصلہ نہ تھا۔ خیانت اور غدّاری کی سزا کسی بھی قوم و ملّت میں موت سے کم نہیں ہے۔ بنو قریظہ نہ صرف عہد شکنی کے مُرتکب ہوئے تھے۔ بلکہ اُنہوں نے ایسے نازک وقت میں غدّاری کا ثبوت دیا تھا۔ جب قبائلِ عرب کا ایک ایک فرد مسلمانوں کے خُون کا پیاسا اور ان کی تباہی و بربادی کے درپے تھا۔ اللہ تعالےٰ نے بھی ان کی غدّاری کا پورا پورا بدلہ دیا۔ اور دُنیا سے ان کا نام و نشان تک مٹا دِیا ❖

اس طرح سرزمینِ مدینہ سے یہود کا کامل استیصال ہو گیا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے انہیں مُہلت پر مہلت دی اور ان سے انتہائی نرمی کا سلوک کیا۔ لیکن اُنہوں نے اس نرمی اور رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی کریمانہ سیاست سے قطعًا فائدہ نہ اُٹھایا اور

ہر قبیلہ عہد شکنی اور غداری پر اُتر آیا۔ بالآخر مجبور ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے خلاف تعزیری کارروائی کرنی پڑی اور وہ اپنے بدترین جُرموں کی پاداش میں اپنے انجام کو پہنچ گئے۔

(۳) مُسلمانوں اور منافقین کے تعلقات

اس دوران میں مسلمانوں اور منافقین کے تعلقات میں چنداں فرق نہ پڑا۔ منافقین اپنی عادت کے موافق نیش زنی اور مسلمانوں کو خفیہ طور پر نقصان پہنچانے کی کوششوں میں مصروف رہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم بھی اُنہیں ڈھیل پر ڈھیل دیتے چلے گئے۔ اور اوس وخزرج سے اپنے تعلقات کا خیال کر کے ان سے چشم پوشی اختیار کئے رکھی ہاں ان کی مخفی تدابیر سے بچاؤ کا سامان کرنے میں ایک دم کے لئے غافل نہ رہے۔ آپ چاہتے تھے کہ سب سے پہلے یہود کے فتنے سے نجات حاصل کر لی جائے۔ کیونکہ مخفی تدابیر اور سازشوں کے ذریعے نقصان پہنچانے میں وُہ منافقین سے زیادہ خطرناک تھے۔ دُوسرے آپ کا یہ بھی خیال تھا کہ یہود کا قلع قمع ہونے کے بعد منافقین کا زور کم ہو جائیگا اور بہُت سے لوگ ان کے انجام سے عبرت پکڑ کر اپنی اصلاح کی طرف مائل ہو جائینگے

اِس عرصے میں منافقین نے مسلمانوں کو زک پہنچانے میں پُوری کوشش صرف کر دی۔ لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی سیاسی بصیرت کو کام میں لا کر ان کی ہر تدبیر کو ناکام بنا دیا۔ اور وُہ نامُراد ہی رہے۔ غزوۂ احد کے موقعہ پر جب رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم صحابہ کو ہمراہ لے کر مدینہ سے نکلے تو عبداللہ بن ابی بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آپؐ کے ساتھ تھا۔ اس لئے نہیں کہ جہاد کا ولولہ اور شوق اسے میدانِ جنگ میں جانے پر مجبور کر رہا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ وہ راستے میں کسی تدبیر کے ذریعے مسلمانوں میں بددِلی پھیلا کر ان کی طاقت کو کمزور کر دے۔ اور وُہ دل جمعی سے قریشِ مکّہ کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ چنانچہ جب لشکر مدینہ اور احد کے درمیان شوطؔ مقام پر پہنچا تو وہ اپنے تین سو ساتھیوں اور کمزور مسلمانوں کو لے کر لشکر سے علیحدہ ہو گیا۔ ایک مخلص مسلمان عبدؓاللہ بن عمرو بن حرام یہ دیکھ کر ان لوگوں کے پاس پہنچے اور کہنے لگے:-

"اے میری قوم! مَیں تمہیں اللہ تعالےٰ کے احکام کی یاد دِلاتا ہوں تُم ایسے موقعہ پر جب کہ دُشمن کا لشکر سامنے ہے اپنی قوم اور اپنے نبیؐ کو نہ چھوڑو اور ان کے ساتھ مل کر جہاد میں حِصّہ لو۔"

عبدؓاللہ بن عمرو کی یہ بات سُن کر عبداللہ بن ابی بولا:-

"اگر ہمیں یہ یقین ہوتا کہ قریشِ مکّہ سے تمہاری جنگ ضرور ہو گی

تو ہم کبھی تم سے علیحدہ نہ ہوتے۔ لیکن ہمیں تو یہ دِکھائی دے رہا ہے کہ جنگ نہیں ہوگی"۔

جب عبداللہ بن عمرو بن حرام کی کوشش بارآور نہ ہوئی تو وُہ یہ کہکر اسلامی لشکر میں واپس آ گئے :۔

"اے اللہ کے دُشمنو! خُدا تم پر لعنت کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو تمہاری مدد سے مستغنی کر دیگا"۔

عبداللہ بن ابی بن سلول کے اس لایعنیٰ عُذر کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے :۔

وما اصابکم یوم التقی الجمعان فباذن اللہ ولیعلم المومنین ولیعلم الذین نافقوا وقیل لھم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ اوادفعوا۔ قالوا لونعلم قتالاً لاتبعناکم۔ ھم للکفر یومئذٍ اقرب منھم للایمان۔ یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم واللہ اعلم بما یکتمون ٥

(سورہ آلِ عمران ع ۱۷)

(ترجمہ)" اور جس دن دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئی تھیں اُس دِن جو دُکھ تمہیں پہنچا تھا وہ اللہ کے حکم سے ہی پہنچا تھا اور اس لئے پہنچا تھا تاکہ مومنوں اور منافقوں کو ظاہر کر دے۔

ان منافقوں سے کہا گیا تھا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔ اور دشمن کے حملے کو روکو جس پر انہوں نے کہا کہ اگر ہمیں علم ہوتا کہ جنگ ہوگی تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ وہ لوگ اس دن ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے منہ سے کہتے تھے جو ان کے دلوں میں نہیں۔ اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اللہ اسے سب سے زیادہ جانتا ہے"۔

غزوۂ احد سے قبل عبداللہ بن ابیّ لوگوں کو دھوکا دینے کی غرض سے ہر جمعہ کے روز رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خطبہ دینے کے بعد مسجد میں کھڑا ہو جاتا اور کہتا:-

اے لوگو! یہ اللہ کے رسولؐ تمہارے درمیان موجود ہیں۔ اللہ نے تمہیں ان کی بدولت معزز و مکرّم بنایا ہے۔ اس لئے ان کی مدد کرو۔ اور ان کے ہر حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرو"۔

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگِ احد سے فارغ ہو کر واپس مدینہ تشریف لائے اور جمعہ کا دن آیا تو عبداللہ بن ابیّ نے حسبِ معمول کھڑے ہو کر تقریر کرنی چاہی۔ ابھی اس کے منہ سے کوئی لفظ نکلا نہ تھا کہ لوگوں نے آگے بڑھ کر اس کا دامن پکڑ لیا اور کہا:-

"اے اللہ کے دشمن! بیٹھ جا۔ تو اس بات کا اہل نہیں ہے۔ کہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے منبر پہ چڑھکر ہمیں خطاب کرے۔ تیری کرتُوتوں کا مدینہ کے ہر فرد بشر کو علم ہے۔ اس کے باوجود تو ان کے سامنے آنے کی جُرأت کرتا ہے؟"

اس پر وُہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا اور یہ کہتا ہُوا باہر نکل آیا کہ "میں تو ان ہی کا بھلا چاہتا تھا۔ اگر یہ میری بات سُننا نہیں چاہتے تو نہ سُنیں میرا کیا ہرج ہے؟"

مسجد کے دروازے پر اسے ایک انصاری ملے۔ اُنہوں نے پُوچھا:۔

"تم کہاں جاتے ہو؟"

عبداللہ بن ابی نے سارا ماجرا کہہ سُنایا۔ انصاری نے کہا:۔

"میرے ساتھ واپس چلو۔ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم سے تمہارے لئے دُعائے مغفرت کراؤں گا۔"

اس نے جواب دیا:۔

"مجھے ان کی دُعا کی ضرورت نہیں"

اور یہ کہہ کر مسجد سے باہر نکل گیا۔

منافقین کی فتنہ پردازی کا ایک عظیم مظاہرہ ۵ھ میں غزوہ بنو مصطلق کے موقعہ پر ہُوا۔ اسلامی فوجیں اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس آ رہی تھیں کہ راستے میں ایک چشمے پر حضرت عمرؓ ابنِ خطاب کے ایک غفاری نوکر

اور ایک انصاری کے درمیان پانی بھرنے پر جھگڑا ہوگیا۔ انصاری نے "یامعشر الانصار" کہکر انصار کو اپنی مدد کے لئے بلایا۔ اور حضرت عمرؓ کے نوکر نے "یامعشر المہاجرین" کہہ کر مہاجرین کو اپنی مدد کے لئے آواز دی۔ فریقین کے بعض جوشیلے آدمی موقعہ پر پہنچ گئے۔ قریب تھا کہ دونوں میں تلوار کھنچ جاتی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو خبر ہوگئی۔ آپ فوراً وہاں پہنچے اور ہر دو فریق کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے ہوتے ہوئے تم نے جاہلیت کی باتیں دوبارہ شروع کر دیں۔ اور ایک دُوسرے کے خلاف آمادہ پیکار ہوگئے۔ یہ کہکر دونوں فریقوں میں صُلح کرادی اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔

لیکن عبداللہ بن ابی نے اسی واقعہ کو فساد انگیزی کی بُنیاد بنالیا اس نے خزرج کے چند لوگوں کو جمع کیا۔ اور ان کے سامنے ایک نہایت اشتعال انگیز تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"میں نے آج سے زیادہ ذلت آمیز دن اور کوئی نہیں دیکھا۔ مہاجرین نے اس کُتے کی طرح جو سیر ہوکر بھی اپنے مالک پر حملہ کرنے سے نہیں چُوکتا، تم پر دست درازیاں شرُوع کردی ہیں۔ یہ سب کچھ تُمہارا اپنا قصُور ہے۔ تم نے انہیں اپنے ہاں پناہ دی اور اپنے اموال ان میں تقسیم کردئے۔ مگر اب بھی وقت ہے۔ تم ان کی مالی اور جانی امداد سے

دست کش ہو جاؤ۔ مجبور ہو کر یہ کسی اور علاقے کا رُخ کرینگے۔ اور خدا کی قسم جب مدینہ واپس پہنچیں گے تو سب سے معزز شخص سب سے ذلیل شخص کو باہر نکال دے گا۔" (نعوذ باللہ من ہٰذہ الخرافات)

"جس وقت عبداللہ بن ابی یہ گفتگو کر رہا تھا تو ایک نوعمر بچہ زید بن ارقم بھی وہاں کھڑا اس کی باتیں سُن رہا تھا۔ اس نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے تمام ماجرا عرض کر دیا۔ اس وقت آپ کے پاس حضرت عمرؓ بن خطاب بھی موجود تھے۔ انہوں نے آپ سے اس نابکار شخص کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔ لیکن آپ نے یہ کہکر انکار کر دیا:۔

"عمر! ایسا کرنا مناسب نہیں۔ لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے ہیں۔ البتہ لوگوں کو کُوچ کرنے کا حکم دو تاکہ منافقوں کو فتنہ انگیز باتیں لوگوں میں پھیلانے کا موقعہ نہ مل سکے۔"

چنانچہ سخت گرمی کے باوجود فوج اسی وقت مدینہ کی جانب روانہ ہو گئی۔

جب عبداللہ بن ابی کو معلوم ہوا کہ اس کی فتنہ انگیز باتوں کی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کو ہو چکی ہے تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور قسم کھائی کہ اس نے ہرگز اس قسم کی باتیں نہیں کیں۔

ایک انصاری نے جو اس وقت حضورؐ کے پاس موجود تھے کہا کہ یا رسولؐ اللہ! زید بن ارقم بچہ ہے۔ اس نے بات کو پورے طور پر سمجھا نہ ہو گا۔ عبداللہ بن ابی کا بیٹا عبداللہ اپنے باپ کے برعکس بڑا مخلص اور سچا مومن تھا۔ جب اسے ان باتوں کا علم ہوا تو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:-

"یا رسولؐ اللہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرے باپ کی فتنہ پردازیوں اور شر انگیز باتوں کی وجہ سے آپ کا ارادہ اسے قتل کرانے کا ہے۔ اگر آپ کا واقعی یہ ارادہ ہے تو کسی دوسرے کی بجائے میرے سپرد یہ ذمہ داری کر دیجئے۔ مَیں ابھی اس کا سر اُتار کر آپ کے پاس لے آؤں گا۔ خزرج جانتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ کوئی اپنے والد کا فرمانبردار نہیں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ نے میرے سوا کسی دُوسرے کو اس کے قتل کا حکم دیا تو کہیں مُجھ میں جاہلیت کی رگ نہ پھڑک اُٹھے اور مَیں جوش میں آکر اپنے باپ کے قاتل کو قتل نہ کر بیٹھوں اور اس طرح کافر کے بدلے ایک مومن آدمی کو قتل کر کے جہنم کی سزا کا مستحق بن جاؤں"۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس کی یہ باتیں سُن کر فرمایا:-

"نہیں۔ ہمارا ارادہ اسے قتل کرانے کا ہرگز نہیں ہے۔ ہم اس کے ساتھ نرمی اور محبت کا سلوک کریں گے"۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اس طرزِ عمل کا عبداللہ بن ابی کے ساتھیوں پر بڑا اثر ہوا۔ اور اس کے بعد جب کبھی وہ فتنہ انگیزی کی کوئی بات کرتا تو اس کے ساتھی ہی اسے لعنت ملامت کرنے لگتے تھے۔ جب کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمرؓ سے فرماتے :۔

"عمرؓ! اب تمہارا کیا خیال ہے؟ جس دن تم نے مجھ سے عبداللہ بن ابی کے قتل کے واسطے کہا تھا۔ اگر میں اسے قتل کرا دیتا تو لوگ مجھ سے بدظن ہو جاتے۔ اب اگر میں انہی لوگوں کو اس کے قتل کرنے کا حکم دوں۔ تو وہ خود اسے قتل کر دیں"۔

حضرت عمرؓ عرض کرتے :۔

"خدا کی قسم! مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ بے شک حضورؐ کی رائے میری رائے سے افضل اور بہتر ہے"

منافقین کی ان ریشہ دوانیوں، سازشوں اور فتنہ پردازیوں کا ذکر اللہ تعالےٰ نے سورۂ منافقین میں اس طرح فرمایا ہے :۔

اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله

یعلم انک لرسولہ واللہ یشھد انّ المنافقین لکاذبون۔ اتّخذوا ایمانھم جنّۃ فصدّوا عن سبیل اللہ انّھم ساءَ ما کانوا یعملون۔ ذالک بانّھم اٰمنُوا ثُمّ کفروا فطبع علیٰ قلوبھم فھُم لا یفقھون۔ واذا رأیتھم تعجبک اجسامھم وان یّقولوا تسمع لقولھم کانّھم خشبٌ مسنّدۃ۔ یحسبون کلّ صیحۃ علیھم ھم العدوّ فاحذرھم قاتلھم اللہ انّیٰ یؤفکون۔ واذا قیل لھم تعالوا یستغفر لکم رسول اللہ لوّوا رؤسھم واذا رأیتھم یصدّون وھم مستکبرون۔ سوآءٌ علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم لن یّغفر اللہ لھم انّ اللہ لا یھدی القوم الفٰسقین۔ ھم الّذین یقولون لا تنفقوا علیٰ من عند رسول اللہ حتّیٰ ینفضّوا وللّٰہ خزائن السّمٰوات والارض ولٰکنّ المنافقین لا یفقھون۔ یقولون لئن رّجعنا الی المدینۃ لیخرجنّ الاعزّ منھا الاذلّ وللّٰہ العزّۃ ولرسولہ ولٰکنّ المنافقین لا یعلمون ٥

(ترجمہ) "جب تیرے پاس منافق آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم قسم کھا کر گواہی دیتے ہیں کہ تو اللہ کا رسول ہے اور اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے۔ مگر ساتھ ہی اللہ قسم کھا کر گواہی دیتا ہے

کہ منافق جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو تیری گرفت سے بچنے کے لئے ڈھال بنا لیا ہے۔ اور وہ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں بہت بُرا ہے۔ یہ کام وُہ اِسلئے کرتے ہیں کہ وُہ پہلے ایمان لائے پھر انہوں نے انکار کر دیا۔ جس کے نتیجے میں ان کے دِلوں پر مُہر لگا دی گئی۔ اور اب وہ سمجھتے نہیں۔ جب تو انہیں دیکھتا ہے تو ان کے مضبوط جسم تجھے تعجب میں ڈالتے ہیں۔ اور اگر وہ کوئی بات کرتے ہیں (تو ایسے شاندار طریقے سے) کہ تو ان کی بات کو (باوجود ان کے حالات جاننے کے) سن لیتا ہے (وُہ مجلس میں اسطرح بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں) گویا کہ وُہ بڑے بڑے شہتیر ہیں جو (دیوار سے) اٹکائے ہوئے ہیں۔ جب کسی عذاب کی خبر (قرآن میں) نازل ہو تو وُہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے ہی متعلق ہے۔ وُہ پکّے دُشمن ہیں۔ پس تو ان سے ہوشیار رہ۔ اللہ ان کو ہلاک کرے وہ کہاں سے پھرا کر (راہِ حق سے دُور) لے جائے جاتے ہیں *

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کا رسولؐ تمہارے لئے استغفار کرے تو وُہ اپنے سر (تکبّر اور انکار سے) پھیر لیتے ہیں۔ اور تُو ان کو دیکھتا ہے کہ وہ راہِ حق سے لوگوں کو پھرا رہے ہیں اور وُہ تکبّر کے مرض میں مبتلا ہیں *

تو ان کے لئے استغفار کرے یا استغفار نہ کرے ان کے حق میں سب برابر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو کبھی معاف نہ کریگا (جب تک وہ خود توبہ نہ کریں) اللہ تعالیٰ اطاعت سے نکل جانے والی قوم کو کامیابی کا منہ نہیں دکھاتا۔ یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول کے پاس جو لوگ رہتے ہیں ان پر خرچ نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ (فاقوں سے) سے تنگ آکر بھاگ جائیں۔ حالانکہ آسمان اور زمین کے خزانے اللہ تعالےٰ کے پاس ہیں۔ لیکن منافق سمجھتے نہیں ؂

وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے تو جو مدینہ کا سب سے معزّز آدمی ہے وہ مدینہ کے سب سے ذلیل آدمی کو اس سے نکال دے گا۔ حالانکہ عزت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنوں ہی کو حاصل ہے۔ لیکن منافق جانتے نہیں" ؂

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کمزور دل منافقین کا نقشہ بالوضاحت کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ یہاں مسلمانوں کو ان کی سازشوں سے باخبر رہنے کا حکم تو دیا گیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کردی گئی ہے کہ ان لوگوں کو ایک سازشی ٹولے سے زیادہ اہمیت نہ دی جائے۔ کیونکہ انکی بزدلی اور دُوں ہمتّی اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ ہر مصیبت کا شکار وہ اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق یہ خیال بھی نہیں کیا جاسکتا

کہ وہ کسی وقت مسلمانوں کے خلاف آمادۂ پیکار ہونیکی جرأت کرینگے یا سازشیں برپا کرنے اور مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کے فرائض سرانجام دینے کے سوا وہ اور کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ لھٰذا مسلمانوں کو بھی اس طرف سے چوکس رہنا چاہیئے تاکہ انہیں بے خبری میں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچ سکے۔ ویسے انہیں منافقین اور ان کے رئیس عبداللہ بن ابی سے حقارت آمیز سلوک روا رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ غزوۂ احد اور غزوہ بنو مصطلق کے موقعہ پر اس سے جو حرکات صادر ہوئیں وہ کسی بہادر اور شریف آدمی کے شایانِ شان نہیں ہوسکتیں ۔

چنانچہ انہی فرمودات کے بموجب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے منافقین کو پرِکاہ کے برابر بھی وقعت نہ دی۔ نہ کبھی کسی معاملے میں ان پر اعتماد کیا۔ اور نہ کبھی اپنے راز سے انہیں واقف ہونے دیا بلکہ انہیں ڈھیل دئے رکھی اور اس طرح ان کا فتنہ اپنی موت آپ مرگیا ۔

خارجی سیاست

غزوۂ بدر اور صلح حدیبیہ کے درمیانی عرصے میں

(۱) مسلمانوں اور قریش کے تعلقات کی نوعیت

اس دوران میں قریش نے مدینہ پر دوبار حملے کئے۔ پہلا حملہ ۳ھ میں ہوا۔ جس میں قریش اور ان کے حلیفوں بنو مصطلق اور بنو الہون وغیرہ کے تین ہزار افراد نے حصّہ لیا۔ قریش کی چڑھائی کی خبر سُن کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہؓ کو مشورے کے لئے جمع کیا اور اُنکے سامنے صورت حال کی وضاحت کی۔ بعض نے یہ مشورہ دیا کہ مدینہ ہی میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اپنی رائے بھی یہی تھی۔ لیکن جوشیلے اصحاب کی رائے تھی کہ باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ چونکہ اکثریت مؤخر الذکر رائے کے حق میں تھی اس لئے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے پہلی رائے کے مؤید ہونے کے باوجود دوسری رائے پر عمل کرنا مناسب سمجھا۔ اس طرح رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم یہ امر لوگوں

کے ذہن نشین کرانا چاہتے تھے کہ شورائی نظام حکومت میں اکثریت کی رائے کا احترام کرنا چاہیئے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر آج کل کی شورائی اور جمہوری حکومتوں کا نظام قائم ہے۔ کیونکہ یہی ایک طریقہ ہے جس سے وحدتِ امت قائم ہوسکتی ہے اور روز افزوں فتنوں کا سدِّباب کیا جا سکتا ہے ٭

یہ جنگ غزوۂ اُحد کے نام سے مشہور ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مدینہ سے ایک ہزار کا لشکر لے کر نکلے تھے۔ (جن میں سے تین سو افراد کو عبد اللہ بن ابی واپس لے گیا تھا) میدانِ جنگ میں پہنچ کر آپ نے چند تیر اندازوں کو ایک درہ پر متعین کر دیا۔ اور انہیں تاکید کر دی کہ خواہ مسلمانوں کو فتح ہو یا شکست وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ جنگ میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور انہوں نے اموالِ غنیمت اکٹھے کرنے شروع کر دیئے۔ بدقسمتی سے درہ پر متعیّن تیر انداز بھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حکم کو فراموش کر کے میدانِ جنگ میں اُتر آئے اور غنیمتیں اکٹھی کرنی شروع کر دیں۔ اس طرح مسلمانوں کی پشت بالکل غیر محفوظ ہو گئی۔ خالدؓ بن ولید نے ——— جو ہنوز حالتِ شرک پر قائم اور لشکرِ کفار کے سردار تھے ——— اس چیز کو تاڑ لیا۔ اور اپنے لشکر کو لے کر پیچھے کی طرف سے مسلمانوں پر دھاوا بول دیا جو کسی آفت ناگہانی سے بے خبر غنیمتیں جمع کرنے میں مشغول تھے۔ اس اچانک حملے نے مسلمانو

کو بدحواس کر دیا۔ اور وہ جم کر کفار کا مقابلہ نہ کر سکے۔ ان کے ستر سے زیادہ آدمی شہید اور بے شمار زخمی ہوئے۔ زخمی ہونے والوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ لیکن آپ نے ثابت قدمی، صبر و استقلال اور شجاعت کا حیرت انگیز نمونہ دکھایا۔ اور مشرکینِ مکہ کو اس امر کا موقعہ نہ دیا کہ وُہ ایک بھر پور حملہ کر کے مسلمانوں کی جمعیت کو بالکل ختم کرنے میں کامیاب ہو سکتے۔ مسلمان اس وقت انتشار کی حالت میں تھے۔ اور کفار کے اچانک حملے کی وجہ سے ان کے حواس پراگندہ ہو رہے تھے۔ لیکن مشرکین نے پہلے ہلّہ میں مسلمانوں کو جس قدر نقصان پہنچایا تھا۔ اسی کو کافی سمجھ کر جنگ کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ کیونکہ اُنہیں ڈر تھا کہ اگر انہوں نے لڑائی کو طُول دیا تو مسلمان مدینہ سے کمک منگوا لیں گے اور انہیں بالآخر شکست کا سامنا کرنا پڑے گا؛

غزوۂ بدر کے برعکس غزوۂ احد میں مسلمان فتح و ظفر سے ہم کنار نہ ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالےٰ اس موقعہ پر مسلمانوں کا امتحان لینا اور انہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ جنگوں میں لامحالہ انہیں دُوسری قوموں جیسے حالات پیش آئیں گے۔ کبھی فتح و نصرت اُن کے قدم چُومے گی اور کبھی شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اِس لئے انہیں غزوۂ بدر میں اپنی فتح پر نازاں نہ ہونا چاہیئے۔ اور بنی اسرائیل کی طرح یہ خیال نہ

کرنا چاہئے کہ چونکہ وہ خدا کی خاص جماعت میں شامل ہیں اس لئے کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ حصولِ فتح کے لئے انہیں بہر حال ان اسباب کو اپنانا ہوگا جو جنگ جیتنے کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ قائد کی کامل اطاعت کرنی ہوگی اور جنگ میں پورے ذوق و شوق اور اخلاص سے حصّہ لینا ہوگا ؛

دوسرا غزوہ ۵ھ میں وقوع پذیر ہُوا۔ اس موقع پر قریش دس ہزار کے لشکر کے ہمراہ مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اس لشکر میں قریش کے علاوہ ان کے حلیف قبائل بنو غطفان، بنو مرّہ، بنو اشجع، بنو سلیم، بنو اسد وغیرہم شامل تھے۔ مدینہ کے جلا وطن یہودی بھی اس لشکر میں موجود تھے ؛

جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس لشکر کی آمد کی خبر ملی۔ تو آپ نے صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا۔ حضرت سلمانؓ فارسی نے عرض کیا :-

"یا رسولؐ اللہ! ہم ایرانی لوگ جب دشمن سے بہت زیادہ خطرہ محسوس کرتے تھے تو شہر کے اردگرد خندق کھود لیا کرتے تھے" ؛

رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور مدینہ کے شمالی حصّے میں خندق کھودنے کا حکم دیا۔ کیونکہ یہی حصّہ کھلا ہُوا تھا

اور باقی اطراف میں باغات اور محلّے اس طرح پھیلے ہوئے تھے کہ دشمن کا ادھر سے حملہ کرنا بہت مشکل تھا۔

جب مشرکین کا لشکر مدینہ پہنچا تو اپنے سامنے خندق کھدی دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔ لیکن کوئی چارۂ کار نہ دیکھ کر خندق کے پرے ڈیرے ڈال دئے اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ دورانِ محاصرہ میں انہوں نے کئی بار خندق پار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور محاصرہ لمبا ہوتا گیا۔ دریں اثنا اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کر دئے کہ لشکرِ کفار میں پھوٹ پڑ گئی اور آخر کار ایک شدید آندھی کے نتیجے میں انہیں انتہائی بدحواس ہو کر راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔

ان کی واپسی کی خبر سن کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"اب کفار کبھی ہم پر چڑھائی نہ کر سکیں گے۔ اب انشاء اللہ ہم ان پر چڑھائی کرینگے"۔

اس غزوہ کو غزوۂ خندق اور غزوۂ احزاب کہا جاتا ہے۔ قریش نے اس موقعہ پر دیگر قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں پر چڑھائی کی تھی اور ان پر بے دریغ دولت بھی خرچ کی تھی۔ لیکن انہوں نے دیکھ لیا کہ لڑائی اور حربی سیاست میں دیگر قبائل ان کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ انہوں نے ان پر جس قدر دولت صرف کی تھی وہ رائیگاں گئی اور انہیں

مدینہ سے انتہائی ذلت اور ناکامی و نامرادی کے ساتھ لوٹنا پڑا۔ اِس جنگ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور قریش کے درمیان سیاست کا ایک نیا باب کھل گیا۔ جس کا ذکر ہم آئندہ صفحات میں کرینگے ؂

(۲) مسلمانوں اور دیگر قبائلِ عرب کے سیاسی تعلقات

جمہور عرب قبائل مُشرک ہونے کی وجہ سے طبعًا قریش کی طرف مائل تھے۔ لیکن جنگِ بدر سے قبل وہ قریش کی فوجی کاروائی میں ان کے شریک نہ تھے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ قریش اکیلے ہی مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح سے انہیں معلوم ہو گیا کہ انہوں نے مسلمانوں کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ اِس لئے اب وُہ قریش کے ساتھ مل کر کُھلم کُھلا مسلمانوں سے جنگ کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔ بنوھون۔ بنو مصطلق۔ بنو غطفان۔ بنو مرہ۔ بنو اشجع۔ بنو سلیم اور بنو اسد یہ تھے وہ قبائل جن کی تائید و حمایت قریش کو حاصل تھی۔ اور جو اُن کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے درپے تھے ؂

اب تک تو صرف قریش ہی کا خطرہ تھا۔ لیکن مذکورہ قبائل کے آمادۂ پیکار ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے خطرہ بہت بڑھ گیا۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی حکیمانہ سیاست سے کام لے کر اس

عظیم الشّان خطرے کی نوعیت کو بہت حد تک کم کر دیا۔ آپ کی کوشش ہمیشہ یہ ہوتی تھی کہ کفّار سے جنگ مدینہ کے قریب ہو۔ تاکہ مسلمانوں کو اپنے دفاع کے لئے ہر ممکن سہولت میسّر آ سکے۔ اور کفارِ عرب طویل طویل مسافت طے کرنے کے باعث اپنی قوّت و طاقت بہت حد تک پہلے ہی صرف کر بیٹھیں اور تھکاوٹ اور ماحول سے ناواقفیت کے باعث دل جمعی سے جنگ نہ کر سکیں۔ چنانچہ غزوۂ احد اور غزوۂ احزاب میں یہی ہوُا اگر غزوۂ احد میں میدانِ جنگ مدینہ سے قریب نہ ہوتا تو نتیجہ بہت زیادہ ہولناک صورت میں نکلتا۔ قریش نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے قدم ایکبار اکھڑنے کے بعد پھر جم گئے ہیں تو انہوں نے ان پر دوبارہ حملہ کرنے سے پہلوتہی کی۔ کیونکہ انہیں ڈر تھا کہ کہیں مدینہ سے تازہ دم فوج نہ آجائے اور مسلمانوں پر ایک بار غلبہ پاکر انہوں نے جو وقتی کامیابی حاصل کی ہے وہ ناکامی میں نہ بدل جائے۔ چنانچہ انہوں نے مکمل فتح حاصل کئے بغیر لڑائی ختم کرنے کا اعلان کر دیا اور مکّہ روانہ ہو گئے۔ غزوۂ احزاب میں بھی مدینہ سے قرب کے باعث مسلمان کفّار کے حملوں کی زد سے بچے رہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کفّار کا عظیم الشان لشکر مسلمانوں کی نحیف و نزار اور قلیل فوج کو آن کی آن میں کچل کر رکھ دیتا ❊

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم دشمن قبائل کی طرف اپنے

جاسوس اور مخبر بھی روانہ کرتے رہتے تھے۔ جونہی آپ کو علم ہوتا کہ کوئی قبیلہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے آپ فوراً فوج کو اسکی جانب کوچ کرنے کا حکم دے دیتے۔ اور قبل اسکے کہ وُہ قبیلہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے نکل سکے خود اس پر حملہ کر کے اس کی طاقت کو پاش پاش کر دیتے۔ چنانچہ بنو مصطلق کے ساتھ یہی ماجرا گزرا۔ آپ کو اطلاع ملی کہ یہ قبیلہ مسلمانوں سے لڑائی کی تیاریاں کر رہا ہے (یہ غزوۂ احزاب سے کچھ عرصہ قبل کی بات ہے) اس قبیلے نے جنگِ احد میں بھی قریش کی مدد کی تھی۔ یہ اطلاع ملتے ہی آپ اسلامی لشکر کو لے کر اس کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور قبل اس کے کہ یہ لوگ اپنی جنگی تیاریاں مکمل کرتے آپ نے اچانک حملہ کر کے ان کے بھاگنے کی راہ مسدود کر دی دس آدمی قتل ہوئے اور باقیوں کو ان کی بیویوں اور بچوں سمیت قید کر لیا گیا۔ دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ قید ہونے والی عورتوں میں اس کے سردار حارث کی بیٹی برّہ بھی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چاہتے تھے کہ کسی طرح ان لوگوں پر احسان کر کے انہیں اسلام کی طرف مائل کیا جائے۔ اور انہیں یہ یقین دلایا جائے کہ ان حملوں کی غرض لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کرنا نہیں ہے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر بہترین تدبیر آپ نے یہ

سوچی کہ حارث کی بیٹی سے شادی کر لی جائے۔ تاکہ اس رشتۂ مصاہرت کا خیال کر کے آپؐ کے صحابہؓ ان لوگوں سے عزت و تکریم سے پیش آئیں اور عفو و درگزر سے کام لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب صحابہ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے قبیلے کے سردار کی بیٹی سے شادی کر لی ہے تو انہوں نے کہا ہم اس قبیلے کے لوگوں کو کس طرح قید میں رکھ سکتے ہیں۔ جس سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دامادی کا تعلق قائم کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے تمام قیدی آزاد کر دئے۔ اور جو کچھ مال غنیمت حاصل ہوا تھا وہ واپس کر دیا۔ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور آپ کے صحابہؓ کا یہ حسنِ سلوک دیکھ کر قبیلے کا بچّہ بچّہ مسلمان ہو گیا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے "برّہ" کا نام بدل کر "جویریہ" رکھ دیا۔ اور حضرت عائشہؓ کے قول کے بموجب وہ اپنی قوم کے لئے سب سے زیادہ بابرکت وجود ثابت ہوئیں ۞

(۴۳) مُسلمانوں اور عیسائیوں کے تعلّقات

اب تک مسلمانوں کے تعلقات عیسائیوں میں صرف اہلِ حبشہ سے تھے۔ چونکہ اہلِ حبشہ نے ہجرتِ مدینہ سے قبل مظلوم مسلمانوں کو پناہ دی تھی۔ اس لئے یہ تعلقات انتہائی خلوص اور مودّت پر مبنی تھے۔ اور

مسلمان ہمیشہ ان کے احسان مند رہے - گو ہر دو فریق علیحدہ علیحدہ مذہب کے پیروکار تھے - لیکن مذہب کا یہ اختلاف ان کے مخلصانہ تعلقات کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکا اور مسلمانوں اور حبشہ کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے ۔

حبشہ کے برعکس دیگر علاقوں کے عیسائیوں نے مسلمانوں سے مخلصانہ تعلقات رکھنا پسند نہ کئے بلکہ قریش اور قبائلِ عرب کی ہمنوائی کرتے ہوئے دشمنی اور مخالفت پر کمر باندھ لی - ان میں پیش پیش دومۃ الجندل کے عیسائی تھے جو شام کی حدود پر آباد تھے - دومۃ الجندل شام کے دیگر شہروں کی نسبت مدینے سے زیادہ قریب تھا - یہ دمشق سے پانچ اور مدینے سے پندرہ راتوں کی مسافت پر واقع تھا - جو مسلمان تجارت کیلئے شام جاتے اہالیانِ دومۃ الجندل انہیں بہت تنگ کرتے تھے - اور یہ سب کچھ قریشِ مکہ کی شہ پر ہوتا تھا - کیونکہ ان کے جو قافلے شام جانے کے لئے مدینہ سے گزرتے تھے مسلمان انہیں روکنے کی کوشش کیا کرتے تھے - اہالیان دومۃ الجندل نے اپنے حلیفوں کا انتقام لینے کی غرض سے مسلمانوں کے ساتھ یہی سلوک شروع کر دیا - اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کے منصوبے بھی بنانے لگے ۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان حالات کی اطلاع

ہوئی تو ۵ھ میں آپ ایک ہزار آدمیوں کو لے کر دومۃ الجندل کی جانب روانہ ہوئے۔ جب اسلامی لشکر قریب پہنچا تو وہ ڈر کے مارے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ان کے مویشیوں اور دیگر مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان لوگوں کی تلاش میں لشکر کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے نواحی علاقوں میں روانہ کیا۔ لیکن کوئی شخص مسلمانوں کے ہاتھ نہ آیا۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مال غنیمت سمیت واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

۶ھ میں آپ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی زیر سرکردگی ایک اور لشکر ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ لیکن از راہِ ترحّم انہیں یہ ہدایت کر دی کہ وہ کسی شخص کا مثلہ نہ کریں۔ کسی بچے کو قتل نہ کریں۔ اور بدعہدی اور دھوکا دہی سے مجتنب رہیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے پہنچنے پر اہالیان دومۃ الجندل کے سردار اصبغ بن عمرو نے اسلام قبول کر لیا۔ اور اس کے ساتھ اس کی قوم بھی اسلام لے آئی۔ جن لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ انہوں نے جزیہ دینے کا اقرار کیا۔

اہالیان دومۃ الجندل پہلے عیسائی تھے جو مسلمانوں سے آمادہ پیکار

ہوئے۔ اور جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، پہل ان ہی کی طرف سے ہوئی۔ مسلمانوں نے اس وقت تک ان سے تعرّض نہ کیا جب تک وُہ کُھلم کُھلا ان کے مقابلے میں آ کر معاندانہ کارروائیوں میں حصّہ نہ لینے لگے۔ اس لحاظ سے مسلمانوں کے ساتھ ان کا طرزِ عمل بالکل وہی تھا جو اس سے قبل قریش اور یہود کا تھا؂

داخلی سیاست

صلح حدیبیہ اور فتح مکّہ کے درمیانی عرصے میں

۱۔ مسلمانوں اور منافقین کے تعلّقات

صلح حدیبیہ ۶ھ میں ہوئی تھی اور فتح مکہ ۸ھ میں۔ اس سے قبل مدینہ یہود کے تینوں قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ سے خالی ہو چکا تھا۔ اس لئے اب مسلمانوں اور منافقین کے علاوہ مدینہ میں اور کوئی فریق باقی نہ رہا تھا۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حسبِ سابق اس دوران میں بھی منافقین سے نرمی اور عفو و درگذر سے کام لیتے رہے۔ منافقین نے بھی اپنی خفیہ سازشوں اور فتنہ و فساد پھیلانے کی کوششوں میں بہت حد تک کمی کر دی تھی۔ اور آرام اور سکون کے ساتھ بیٹھے ہوئے

تھے۔ اس کی دو وجوہ تھیں۔ اوّل یہ کہ ان سازشوں اور فتنہ و فساد کے پیچھے دراصل یہود کا ہاتھ تھا۔ وہی مسلمانوں کے خلاف منافقین کو برانگیختہ کرتے رہتے تھے۔ اور منافقین نے بھی یہ سمجھ کر کہ وُہ یہود کی مدد سے بہت جلد مسلمانوں کو مدینے سے باہر نکالنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ ان کا آلۂ کار بننا منظور کر لیا تھا ؛

یہود کے استیصال کے بعد منافقین کو اپنی جانوں کا خطرہ محسوس ہونے لگا تھا۔ وُہ ڈرتے تھے کہ ان کی کارروائیوں سے تنگ آکر مسلمان کہیں ان سے بھی یہود جیسا سلوک نہ کریں اور انہیں مدینہ سے جلاوطن ہونا پڑے۔ چونکہ یہ لوگ نہایت بُزدِل تھے۔ اس لئے انہیں ایسی کھلم کھلا مسلمانوں کے مقابلے میں آنے کی جرائت نہ ہو سکی۔ دُوسروں کا آلۂ کار بن کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا اور فتنہ و فساد پھیلانا ہی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اب جب ان کی پُشت پناہی کرنے اور انہیں آمادۂ فساد کرنے والے ہی ختم ہو گئے تو ان کے لئے خاموشی سے بیٹھ جانے کے سوا اَور کوئی چارہ کار نہ رہا ؛

منافقین کی خاموشی کا دُوسرا بڑا سبب معاہدۂ حدیبیہ تھا جو مسلمانوں اور قریش کے درمیان طے پایا تھا۔ منافقین یہود کی طرح قریشِ مکّہ کے بھی آلۂ کار تھے۔ اور انکی طرف سے جاسوسی کے فرائض سرانجام دیا کرتے

تھے۔ اس صلح کے نتیجے میں قریش کو منافقین کی خدمات کی بھی ضرورت
نہ رہی اور وہ جنگ وجدل کی بجائے ہمہ تن تجارتی مشاغل میں منہمک
ہو گئے۔ ان کی تجارت پچھلے پانچ سال تک جنگوں میں مشغول رہنے
کی وجہ سے بالکل تباہ ہو گئی تھی۔ اور ان کی آمدنی کے ذرائع بالکل
مفقود ہو چکے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد جب انہیں اطمینان نصیب ہُوا
تو اُن کی پوری توجہ اپنی بگڑی ہوئی مالی حالت کو سدھارنے کی
طرف مبذول ہو گئی۔ اور مسلمانوں کے خفیہ راز معلوم کرنے کی انہیں
کوئی ضرورت نہ رہی۔ اب منافقین مایوس ہو کر ایک گوشے میں
بیٹھ جانے کے سوا اور کیا کر سکتے تھے؟

خارجی سیاست

صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصے میں

ا۔ مسلمانوں اور قریش کے تعلقات

اس دور میں مسلمانوں کے دشمنوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) قریشِ مکّہ (۲) خیبر کے یہود۔ اور (۳) قبائلِ عرب۔

قریش نے گذشتہ پانچ سال سے جدال و قتال کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ لیکن اُنہیں اپنے مقصد کے حصول میں کوئی کامیابی نہ ہوئی تھی۔ اسکے بر عکس مسلمانوں کو ان جنگوں کی بدولت بے حد فائدہ حاصل ہوا۔ اور انکا رعب قبائل عرب پر چھا گیا۔ غزوۂ بدر میں تو مسلمانوں کو عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی۔ اپنی شکست کا انتقام لینے کے لئے قریش نے بعد میں دو مرتبہ مسلمانوں پر چڑھائی کی۔ اور احد اور احزاب کے غزوات پیش آئے لیکن اس کے باوجود جس کامیابی کے وہ خواہاں تھے وُہ انہیں حاصل نہ

ہوئی۔ مسلمان روز بروز قوت و طاقت حاصل کرتے گئے اور شام کا تجارتی راستہ جس پر قریش کی زندگی کا دارومدار تھا اہلِ مکّہ کے لئے بند ہو گیا۔

جنگوں کے پیہم سلسلے نے پہلے ہی سے قریش کی ہمتیں پست کر رکھی تھیں۔ اور ان کے مال و جان کا بے حد اتلاف ہو چکا تھا۔ اس نئی مصیبت نے تو ان کے ہوش و حواس بالکل پراگندہ کر دئے۔ اُنہوں نے شام جانے کے لئے مدینہ والا راستہ تبدیل کر کے عراق والا راستہ اختیار کرنا چاہا۔ لیکن ابھی پہلا ہی قافلہ روانہ کیا تھا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خبر ہو گئی۔ اور آپ نے فی الفور ایک دستے کو اسکی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا۔ اس طرح یہ راستہ بھی بند ہو گیا۔ اور تجارت بالکل ختم ہو گئی۔ قریش کے لئے یہ ایک ناقابلِ تلافی نقصان تھا جس نے انہیں بالکل تباہ کر دیا۔ اور ان کی مالی حالت روز بروز ابتر ہوتی چلی گئی۔

اسی دوران میں یہ واقعہ پیش آیا کہ مسلمانوں کے ایک دستے نے یمامہ کے ایک سردار ثمامہ بن اثال کو دورانِ سفر میں اسکے بعض ساتھیوں سمیت گرفتار کر لیا۔ اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی خدمت میں لے آئے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے احسان کر کے ان سب کو رہا کر دیا۔ ثمامہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حسنِ سلوک اور اعلیٰ اخلاق سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے وہیں مسلمان ہونے کا اعلان

کر دیا۔ مدینہ سے روانہ ہو کر وُہ عمرہ کرنے کی غرض سے مکّہ آیا۔ جب قریش کو اس کے مسلمان ہونے کا علم ہؤا تو انہوں نے اُسے بہت بُرا بھلا کہا اور ایذا رسانی کے درپے ہو گئے۔ مکّہ میں غلّہ یمامہ سے آیا کرتا تھا۔ جب ثمامہ نے مکّے والوں کا یہ طرزِ عمل دیکھا تو اسے بہت غصّہ آیا اور اُس نے اعلان کر دیا کہ آئندہ یمامہ سے غلّہ کا ایک دانہ بھی اس وقت تک مکّہ نہیں پہنچے گا جب تک اہلِ مکّہ ایمان نہ لے آئیں گے۔ اُس نے محض دھمکی دینے پر اکتفا نہ کیا بلکہ یمامہ پہنچ کر واقعی غلّہ کی ترسیل روک لی ؛

تجارت بند ہونے سے قریش کے لئے آمدنی کی راہ پہلے ہی مسدود ہو گئی تھی۔ اب غلّہ آنا بھی بند ہو گیا اور مکہ میں سخت قحط پڑ گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مکّہ والے گوبر کھانے پر مجبور ہو گئے۔ جب حالت انتہائی ابتر ہو گئی تو انہوں نے ابوسفیان بن حرب کے ہاتھ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو یہ خط بھیجا :-

"آپ لوگوں کو توصلہ رحمی کا حُکم دیتے ہیں لیکن ہم سے قطع رحمی کرتے ہیں" ؛

ابُوسفیان نے مدینہ پہنچ کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو خط دیا۔ اور کہا :-

"اے محمّدؐ ! میں تمہیں اللہ اور قرابتداری کا واسطہ دے کر کہتا ہوں

کہ ہم پر رحم کرو۔ کیا یہ مناسب ہے کہ تمہاری قوم تو گوبر اور خون کھائے اور تم مدینہ میں آرام سے بیٹھے رہو"۔

ابوسفیان کی معروضات سن کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو رحم آیا۔ اور آپؐ نے ثمامہ بن اثال کو لکھا کہ وہ مکّہ والوں کو غلّہ دوبارہ بھیجنا شروع کر دیں۔ ارشادِ نبویؐ کی تعمیل میں ثمامہ نے غلّہ کی ترسیل پر سے پابندی ہٹالی۔ اور مکّہ والوں کو غلّہ دوبارہ پہنچنا شروع ہو گیا۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا یہ طرزِ عمل اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھا۔ اسلام ایمان کے معاملے میں جبر و اکراہ کا قائل نہیں اور اس کے اصول اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ مسلمان لوگوں کو مجبور اور لاچار کر کے دائرہ اسلام میں داخل کریں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کینے اور بے جا عداوت سے کوسوں دور تھے۔ اور اہلِ مکّہ کو اسلام لانے پر مجبور کرنے کے لئے ان کی ناکہ بندی کرنیکی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ یہ درست ہے کہ آپ نے قریش کے تجارتی قافلوں کو روک کر ان کی تجارت کا راستہ مسدود کر دیا تھا۔ لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ اس طرح آپ ان کے جارحانہ حملوں کا سدِّباب کرنا چاہتے تھے۔ اور جارحیت کو روکنے کے لئے اس قسم کے اقدامات کرنا کسی بھی ضابطۂ قانون اور ضابطۂ اخلاق کی رُو سے ممنوع نہیں۔ لیکن ثمامہ بن اثال کے

اقدام کی نوعیت بالکل دوسری تھی۔ وہ یمامہ کا غلہ روک کر کفارِ مکّہ کو اسلام لانے پر مجبور کرنا چاہتے تھے۔ اور اسلامی تعلیمات کی رُو سے غیر مسلموں پر اس قسم کا جبر و اکراہ کرنا درست نہیں ؛

قریش کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ وہ یہ کہ اس زمانے میں یہودیوں کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ انہوں نے خیبر کو مرکز بنا کر مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دی تھیں اور اپنی اشتعال انگیز تقریروں سے قبائلِ عرب کو بھڑکانے کی مہم تیز تر کر دی تھی۔ مخالفت کے اس طوفان کو دیکھ کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے یہ مناسب سمجھا کہ چونکہ اس وقت قریش پر کمزوری کی حالت طاری ہے اس لئے ان کے ساتھ احسان کر کے انہیں اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی جائے۔ تاکہ بعد میں آسانی سے ان یہود سے نپٹا جا سکے جنہیں مسلمانوں کی دھمکی نے اتنا اندھا کر دیا تھا کہ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کا عبرت ناک انجام بھی انہیں راہِ راست پر نہ لا سکا ؛

قریش کی قوّت و طاقت میں کمی کے باعث ان کے جارحانہ حملوں کا سلسلہ بند ہو چکا تھا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے غزوۂ احزاب کے بعد یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، یہ ہم پر چڑھائی نہ کر سکیں گے لیکن رسول اللہ صلّی اللہ

علیہ وآلہ وسلّم نے بلا وجہ مکّہ پر حملہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ اب جب کہ مسلمانوں کی قوّت و طاقت بڑھ چکی تھی اور کفارِ مکّہ پر ضعف و اضمحلال کی حالت طاری تھی، آپ انہیں ایک بار پھر اسی شانِ جمالی کا نظارہ کرانا چاہتے تھے جو ہجرت سے قبل وہ بارہا کر چکے تھے۔ آپ ان پر واضح کرنا چاہتے تھے کہ اسلام صلح اور امن کا مذہب ہے۔ اسے بے فائدہ جنگ و جدال سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ نہ وہ دُشمن کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر اُسے نیچا دکھانا اور اس کے علاقے پر تسلط حاصل کرنا چاہتا ہے اور نہ دُنیوی طاقتوں کی طرح قوّت و طاقت اور شان و شوکت کا اندھا دُھند اور غیر ضروری مظاہرہ کرکے ان پر اپنا رُعب و داب قائم کرنا اس کا مقصد ہے۔ اس کے برعکس وُہ دُشمن سے اس کی کمزوری کی حالت میں رحمت و شفقت اور محبّت و پیار کا سلوک کرکے ہدایت کا سامان مہیا کرتا ہے اور لوہے کے تیروں سے نہیں بلکہ پیار اور محبّت کے تیروں سے گھائل کرکے اسے اپنا شکار بنانا چاہتا ہے۔ یہ مقصد اسے دیگر تمام مقاصد سے عزیز تر ہے۔ اور اسی کے حصول کی خاطر وُہ اپنے پیرووُں کو ہر قسم کی قربانی کرنے کی تلقین کرتا رہتا ہے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بہت آسانی سے مکّہ پر چڑھائی کرکے مکّہ والوں کو ان کی کرتُوتوں کا مزا چکھا سکتے تھے۔ لیکن آپ نے

ایسا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ یہ مقدر کر چکا تھا کہ اس کا رسولؐ غازی کی حیثیت سے نہیں بلکہ عمرہ کرنے والے کی حیثیت سے عاجزی اور انکساری کے جذبات لئے ہوئے مکہ میں داخل ہو۔ تاکہ عربوں کو یہ بتایا جاسکے کہ اسلام کے نزدیک بھی کعبہ اتنا ہی محترم ہے جتنا اہلِ مکہ کے نزدیک۔ اور مسلمان بھی وہاں کے شعائر کی بجا آوری اتنی ہی ضروری سمجھتے ہیں جتنا دیگر اہلِ عرب۔ اس طرح کفار متأثر ہو کر مسلمانوں کے قریب تر آجائیں گے۔ اور ان کی نفرت میں کسی قدر کمی واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک رؤیا دکھایا کہ آپؐ اور آپ کے صحابہؓ حالتِ امن میں خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ آپ نے صحابہؓ کو اپنا رؤیا سُنا کر حکم دیا کہ وہ اسے ظاہر میں پُورا کرنے کے لئے مکہ چلنے کی تیاری کریں۔ تاکہ وہاں پہنچ کر رؤیا کے مطابق عمرہ کے ارکان ادا کئے جائیں۔

بعض معترضین کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا حق تھا کہ آپ عمرہ کرنے کے لئے مکہ جاتے جب کہ وہاں قریش کی حکومت تھی۔ اور ان سے ہنوز حالتِ جنگ برقرار تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کعبہ کی حیثیت ابتدا ہی سے اللہ تعالےٰ کے گھر کی تھی۔ قریش کو اس پر مالکانہ حقوق حاصل نہ تھے۔ اور نہ انہیں کسی شخص کو اس سے روکنے کا حق

حاصل تھا۔ مسلمان ان سے جنگ کرنے کے لئے نہیں بلکہ محض عمرہ کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ کا قصد کیا تو اعلان کر دیا کہ چونکہ ہمارا مقصد محض مسجد حرام کی زیارت ہے اس لئے کوئی شخص تلواروں کے علاوہ اور کوئی ہتھیار اپنے ساتھ لے کر نہ چلے۔

آپ ذی القعدہ ۶ھ میں ڈیڑھ ہزار صحابہ کے ہمراہ مکہ روانہ ہوئے کثیر تعداد میں قربانی کے جانور بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ کا ارادہ تھا کہ قربانی کے بعد ان جانوروں کا گوشت مکہ کے فقراء میں تقسیم کر دیا جائیگا تاکہ اس طرح قریش کے دل نرم پڑ سکیں۔ اور وہ ماضی کو بھول کر آئندہ کے لئے مسلمانوں سے محبت اور پیار کا سلوک کریں لیکن قریش ابھی اس جدید سیاست سے ناواقف تھے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ اختیار کرنا چاہتے تھے۔ جب آپ مکہ سے دو منزل کے فاصلے پر مقام عُسفان پر پہنچے تو آپ کو اطلاع ملی کہ قریش آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اور اس غرض کے لئے انہوں نے خالد بن ولید کو دو سو آدمیوں کے ہمراہ بطور مقدمۃ الجیش آگے روانہ کر دیا ہے:۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا:۔

" افسوس! قریش ابھی پرانی عداوت بھلا نہیں سکے۔ جنگ نے انہیں تباہ کر دیا ہے لیکن پھر بھی وہ باز نہیں آتے۔ اگر یہ مجھے تمام عرب کے مقابلے کے لئے تنہا چھوڑ دیں اور خود الگ ہو جائیں تو بہتر ہے۔ اگر میں مغلوب ہو گیا تو اس طرح ان کا مقصد خود بخود حل ہو جائے گا۔ اور اگر غالب آ گیا تو دوسروں کی طرح یہ بھی اسلام لے آئیں ورنہ اگر قوت ہو تو مجھ سے جنگ کریں۔ قریش کا کیا خیال ہے؟ خدا کی قسم! میں اسلام کی سربلندی کے لئے اس وقت تک کوشش کرتا رہوں گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ اسے غالب نہ کر دے۔ یا مجھے اس کی راہ میں قربان نہ کر دے"

اس کے بعد آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ شاہراہ عام سے ہٹ جائیں۔ تاکہ خالد بن ولید کے دستے سے مٹھ بھیڑ نہ ہو سکے۔ آپ جنگ سے ہر ممکن طریقہ سے بچنا چاہتے تھے۔ کیونکہ جنگ کی صورت میں عمرہ کی غرض فوت ہو جاتی۔ چنانچہ مسلمان اصل راستے سے ہٹ کر حدیبیہ[1] کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ثنیۃ المراء پر پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اسے اٹھانا چاہا۔ لیکن وہ کھڑی نہ ہوئی آپ نے فرمایا:۔

"اسے اس ہستی نے روکا ہے جس نے اس سے پہلے اصحاب فیل

---

[1] حدیبیہ مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ایک کنوئیں کا نام ہے۔

کو روکا تھا۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ آج قریش صلۂ رحمی کے جو حقوق مجھ سے طلب کریں گے میں انہیں دُوں گا۔"

اس طرح ایک بار پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس جذبے کا برملا اظہار کیا کہ آپ ہر حالت میں صُلح کو جنگ پر ترجیح دیتے ہیں اور پُرانے واقعات کو فراموش کر کے قریش سے نئے سرے سے تعلّقات استوار کرنا چاہتے ہیں۔ آپ دشمن کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر اس کی ذِلّت کے درپے نہ ہونا چاہتے تھے۔ بلکہ آپکی خواہش تھی کہ حرب و پیکار اور بُغض و عداوت کا جو سلسلہ لمبے عرصے سے چل رہا ہے وہ بند ہو جائے اور قرابت اور رشتے داری کے تعلّقات نئے سرے سے استوار ہو جائیں۔ کیونکہ اسلام کی تعلیم یہی تھی کہ صلہ رحمی سے کام لیا جائے۔ بدی کو نیکی کے ذریعے دُور کیا جائے۔ اور طاقت و قوت حاصل ہونے کے وقت عفو و درگُذر کا سلوک کیا جائے۔

جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اُونٹنی نے اُٹھنے سے انکار کر دیا۔ تو آپ نے خود اسے جھڑکا جس پر وُہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور حدیبیہ کی آخری سرحد پر جا کر بیٹھ گئی۔ جب قریش نے دیکھا کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خالد بن ولید کے دستے کے سامنے سے ہٹ کر دوسرے

راستے پر نکل گئے ہیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ آپ لڑنے کے لئے نہیں آئے۔ اس پر ان کا جوش و خروش کچھ کم ہوا اور انہوں نے بُدیل بن ورقاء خزاعی کو تحقیق احوال کے لئے آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اسے بتایا کہ یہاں آنے سے ہمارا مقصد صرف عمرہ کرنا ہے۔ جنگ چھیڑنا نہیں۔ گفتگو کے دوران میں آپ نے اس پر جنگوں کی تباہ کاریوں کا حال واضح کیا۔ اور کہا کہ ہماری خواہش ہے کہ قریش سے صلح کا معاہدہ ہو جائے۔ اور جنگوں کا یہ طویل سلسلہ کچھ عرصہ کیلئے رک جائے۔ بدیل نے کہا میں آپ کی باتیں اپنی قوم تک پہنچادوں گا۔ چنانچہ اس نے واپس جاکر تمام باتوں سے قریش کو آگاہ کردیا۔ لیکن قریش صلح کا معاہدہ کرنے کیلئے تیار نہ ہوئے۔ عُروہ بن مسعود ثقفی نے اپنی قوم کی ہٹ دھرمی دیکھ کر کہا۔ کہ محمدؐ نے تمہارے سامنے ایک بہترین تجویز پیش کی ہے تمہیں چاہئے کہ اسے قبول کرلو اور مجھے اجازت دو کہ محمدؐ کے پاس جاکر اسکے متعلق بات چیت کروں۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں اس نے صحابہؓ کے اخلاص و وفاداری کے وہ نمونے دیکھے جو اُس نے اپنی ساری عُمر میں کہیں نہ دیکھے تھے وہ بیحد متاثر ہو کر واپس آیا اور کہنے لگا :-

" اے قریش! مَیں نے کسریٰ کا دربار بھی دیکھا ہے اور قیصر کی شان و شوکت بھی ملاحظہ کی ہے لیکن اطاعت و وفاداری اور اخلاص

محبت کا جو جذبہ مَیں نے محمدؐ کے ساتھیوں میں دیکھا ہے وہ کسی اور جگہ مشاہدہ میں نہیں آیا۔ خواہ کچھ ہو جائے محمدؐ کے ساتھی کبھی انہیں بلے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے۔ مَیں تمہارا خیر خواہ ہوں اور یہی صلاح دیتا ہوں کہ محمدؐ نے تمہیں جو پیشکش کی ہے وہ بہت معقول ہے اسے قبول کر لو۔ اور یاد رکھو کہ اگر تم نے مسلمانوں سے جنگ چھیڑنی چاہی تو کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے"۔

قریش نے جواب دیا :۔

"ابھی محمدؐ کے سامنے جھک جانا مناسب نہیں۔ ہم اس سال تو انہیں عمرہ نہیں کرنے دیں گے۔ اگر چاہیں تو اگلے سال آکر کر سکتے ہیں"۔

عروہ بن مسعود کے بعد قریش نے اپنے حلیف قبائل "احابیش" کے سردار حلیس بن علقمہ کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں بھیجا۔ "احابیش" قربانی کے جانوروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اسے آتے دیکھا تو صحابہ کو حکم دیا کہ وہ قربانی کے جانور اس کے راستے میں کھڑے کر دیں تاکہ اس پر اس نظارے کا اچھا اثر ہو۔ چنانچہ انہوں نے سارے جانور حلیس کے راستے میں لا کھڑے کئے۔ اور عمرہ کی تکبیریں زور زور سے پڑھنے لگے۔ جب حلیس

نے یہ نظارہ دیکھا تو وہ قریش کے پاس واپس گیا اور کہنے لگا :-
"سبحان اللہ! یہ ہرگز مناسب نہیں کہ مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روک دیا جائے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ لخم، جذام اور حمیر تو بلا روک ٹوک حج کریں۔ لیکن ابنِ عبدالمطلب کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت بھی نہ ہو۔ یہ لوگ صرف عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اس کے سوا ان کا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔"

حلیس کی باتیں سن کر قریش کہنے لگے :-
"تو دیہاتی آدمی ہے، تجھے مسلمانوں کے مکر و فریب کی کیا خبر۔ جا اپنی جگہ آرام سے بیٹھ۔"

جب قریش کی طرف سے پے در پے آدمی آنے شروع ہوئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ اپنی طرف سے بھی کسی آدمی کو مکہ بھیجا جائے جو وہاں جا کر تمام باتیں کھول کر بیان کر دے۔ اس غرض کے لئے آپ نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو بھیجا۔ حضرت عثمانؓ نے جا کر ان سے گفتگو کی۔ لیکن انہوں نے نہ صرف یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عمرہ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا بلکہ حضرت عثمانؓ کو حدیبیہ بھی واپس نہ جانے دیا۔ حالانکہ اس سے قبل ان کے جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گفتگو کرنے کے لئے آتے

تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان میں سے کسی کو بھی واپس مکہ جانے سے نہ روکا تھا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی سیاست کس قدر تنگ نظری پر مبنی تھی اور اسلام کی سیاست کس قدر وسعتِ قلبی پر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منتظر تھے کہ عثمانؓ واپس آکر کیا رپورٹ دیتے ہیں لیکن انہیں تو قریش نے مکہ میں روک لیا تھا۔ دریں اثناء اسلامی کیمپ میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر ڈالا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"اب ہم اس وقت تک یہاں سے نہ ہٹیں گے جب تک جنگ کے ذریعے عثمانؓ کا بدلہ نہ لے لیں گے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا تقاضائے وقت کے عین مطابق تھا۔ کیونکہ اب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے انتہائی مروّت اور رواداری کا سلوک کیا تھا۔ لیکن نرمی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اس حد سے تجاوز کرنا فائدہ مند ہونے کی بجائے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کو گرفتار کرنے کے بعد قریش نے اپنے پچاس آدمی اس غرض کے لئے حدیبیہ روانہ کئے کہ وہ اسلامی لشکر کے گرد چکر لگائیں اور اگر کوئی اکا دکا مسلمان ان کے ہاتھ لگ جائے تو اسے

گرفتار کر کے لے آئیں۔ لیکن مسلمان پہریداروں نے انہیں دیکھ لیا اور پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ اس کے بعد قریش کا ایک اور دستہ حدیبیہ پہنچا۔ جس نے بلا سوچے سمجھے اسلامی لشکر سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ مسلمانوں نے اُن کے بارہ آدمی قید کر لئے اور اِن کا ایک آدمی شہید ہُوا۔

جب قریش نے دیکھا کہ مسلمان آسانی سے ہار ماننے والے نہیں تو ان کے دل پر رعب طاری ہو گیا اور انہوں نے سہیل بن عمرو کو صلح کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اس نے آکر چار شرطیں پیش کیں:۔

(۱) مسلمانوں اور قریش کے درمیان چار سال تک جنگ بند رہے گی۔

(۲) قریش میں سے جو شخص بھاگ کر مسلمانوں کے پاس چلا جائیگا، مسلمان اسے واپس کرنے کے لئے مجبور ہوں گے۔ لیکن اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی قریش کے پاس آجائے گا، تو وہ اُسے واپس نہیں کریں گے۔

(۳) مسلمان اس سال عمرہ کئے بغیر واپس چلے جائیں۔ اگلے سال آسکتے ہیں لیکن اس شرط پر کہ تین روز سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھہرینگے

اور تلواروں کے علاوہ جو میانوں میں بند ہوں گی دوسرے ہتھیار اپنے ساتھ نہ لائیں گے۔

(۴) قریش کے علاوہ دیگر قبائلِ عرب میں سے جو قبیلہ چاہے مسلمانوں کے ساتھ صُلح کا معاہدہ کرلے اور جو چاہے قریش کے ساتھ مل جائے۔ ان قبائل پر بھی اس معاہدے کی شرائط منطبق ہوں گی۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے صحابہؓ کو جمع کرکے ان شرائط سے آگاہ کیا اور فرمایا کہ میں انہیں قبول کرنے پر رضامند ہوں۔ یہ درست ہے کہ ان میں سے بعض شرطیں مسلمانوں کو سخت ناگوار تھیں لیکن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم قریش کو زیادہ سے زیادہ موقعہ دینا چاہتے تھے کیونکہ آپ کو امید تھی کہ جلد یا بدیر وہ اسلام کی طرف ضرور راغب ہوں گے۔ اس وقت جنگوں کے باعث ان پر ضعف و اضمحلال کی کیفیت طاری تھی۔ اور کمزور فریق جب طاقت ور فریق کی حد سے بڑھی ہوئی رواداری دیکھتا ہے تو اپنی طرف سے صُلح کی بڑی کڑی شرطیں پیش کرتا ہے۔ لیکن ان کڑی شرطوں کا پیش کرنا اس کے لئے سودمند ثابت نہیں ہوتا۔ اسے بہرحال اسی انجام سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو کمزور اقوام کے لئے مقدر ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لئے تدبر کا تقاضا یہ ہے کہ مقصود حاصل کرنے کے لئے اگر کڑی شرطیں بھی قبول کرنی پڑیں تو ان سے

دریغ نہ کیا جائے۔ خواہ مقصود دیر ہی میں کیوں نہ حاصل ہو۔ قریش کا شمار عمائدین عرب میں ہوتا تھا۔ تمام ملک میں انہیں انتہائی عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کے اسلام قبول کرنے سے سارے عرب میں اسلام کی اشاعت کی راہ کھل جاتی تھی۔ اس لئے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم انہیں مُہلت پر مُہلت دیتے چلے گئے تاکہ وہ تباہ ہونے سے بچ جائیں۔ اور اسلام لاکر اس کی قُوّت و طاقت کا باعث بنیں۔

لیکن بیشتر صحابہ کرام کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اس نئی سیاست کے رمُوز و نکات کا علم نہ تھا۔ اس لئے اُنہیں یہ شرطیں سخت ناگوار گزُریں اور انھوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے عرض کیا:۔

"سبحان اللہ! یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ان کا جو شخص مُسلمان ہوکر ہمارے پاس آجائے اسے تو ہم واپس کردیں۔ اور ہمارا جو شخص مُرتد ہوکر ان کے پاس چلا جائے ہم اس کی واپسی کا مطالبہ نہ کریں"

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"اگر ہمارا کوئی شخص مُرتد ہوکر ان کے پاس چلا جائے تو ہمیں تو

خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہم سے اس گند کو دور کیا۔ البتہ اگر ان کا کوئی آدمی مسلمان ہو کر واپس آجائے اور ہم معاہدہ کی شرط کے مطابق اسے واپس کر دیں تو اللہ تعالےٰ اس کے لئے فراخی اور کشائش کا کوئی نہ کوئی سامان پیدا کر ہی دے گا[1]۔

اسی طرح مسلمانوں کو تیسری شرط پر بھی سخت اعتراض تھا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں بتایا تھا کہ اس رؤیا کے بموجب جو اللہ تعالےٰ نے آپ کو دکھایا تھا مسلمان ضرور عمرہ کے لئے مکہ میں داخل ہوں گے۔ ایسے لوگوں میں پیش پیش حضرت عمرؓ بن خطاب تھے۔ جب اُنہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے اس رؤیا کا ذکر کیا۔ تو اُنہوں نے کہا:۔

"کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں یہ کہا تھا کہ تم اسی سال عمرہ کے لئے مکہ میں داخل ہو گے؟"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہؓ کو ان شرائط کے

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ بات بالآخر پوری ہوئی۔ قریش کے جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کر دیا تھا وہ مکہ سے بھاگ کر شام کو جانے والے راستے پر جمع ہو گئے۔ اور انہوں نے قریش کا تجارتی راستہ بند کر دیا۔ اس پر مجبوراً قریش کو اس شرط کی منسوخی کی درخواست کرنی پڑی۔

قبول کرنے پر آمادہ تو کر لیا۔ لیکن ان کے دل مطمئن نہ تھے۔ کیونکہ وُہ دیکھ رہے تھے کہ اس وقت قوّت وطاقت میں قریش سے ہر لحاظ سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ایسی صورت میں قریش کی ان کڑی شرطوں کو قبول کرنے کی مصلحت ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ تاہم معاہدہ لکھا گیا۔ اور اس کی دو نقلیں کرائی گئیں۔ ایک رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لئے اور دُوسری قریش کے لئے۔ معاہدے کی کتابت حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے کی۔ جب معاہدہ لکھا جانے لگا۔ تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا :-

"لکھو بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم"

لیکن سہیل نے باسمك اللّٰھمّ لکھوانے پر اصرار کیا۔ اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس کی بات مان کر حضرت علیؓ کو یہی لفظ لکھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے کہا :-

"لکھو کہ یہ وہ معاہدہ ہے جو محمدؐ رسول اللہ ......"

سہیل نے فوراً ٹوک دیا۔ اور کہا کہ اگر ہم آپ کو رسُول تسلیم کرتے تو یہ جھگڑے ہی کیوں پیدا ہوتے۔ محمدؐ رسول اللہ کی بجائے محمدؐ بن عبداللہ لکھوائیے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے سہیل کی یہ بات بھی مان لی۔ اور محمدؐ رسول اللہ کی بجائے محمدؐ بن عبداللہ لکھنے کا

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اس حکمتِ عملی سے ایک بہت بڑا سبق حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ آپ نے اپنے مقصدِ اوّلین یعنی صُلح کے حصول کے لئے سہیل بن عمرو کی وہ باتیں بھی مان لیں جو محض ثانوی حیثیت رکھتی تھیں۔ اور اس طرح ایسا کوئی موقع بہم نہ پہنچایا جس سے صُلح کی راہ میں رُکاوٹ پڑ جاتی۔ اس کے برعکس بہت سے لوگ جن میں سیاسی سُوجھ بُوجھ کی کمی ہوتی ہے چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہی اڑ بیٹھتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ اپنے مقصد کے حصُول میں ناکام رہتے ہیں۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی یہ جدید سیاست بہت کامیاب ثابت ہوئی۔ اس سے قبل قریش تمام قبائلِ عرب کے سردار تسلیم کیے جاتے تھے۔ اور انہی کی سرکردگی میں ان قبائل کی افواج مسلمانوں سے برسرِپیکار ہوتی تھیں لیکن صلح حدیبیہ کے ذریعے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے قریش کو ان قبائل سے علیحدہ کر لیا تھا۔ اور اب آپ ان سے نبرد آزما ہو کر بڑی آسانی سے ان کا زور توڑ سکتے تھے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا مقصد بھی یہی تھا کہ اس صلح کے ذریعے جہاں قریش سے جنگ بند ہو جائے وہاں دُوسرے عرب قبائل کا کس بل نکالنے کا راستہ صاف ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا تمام قبائل کو آپکی اطاعت کرنی پڑی۔ اور ان میں اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے

راستہ صاف ہوگیا۔ اس طرح یہ صُلح میدانِ سیاست میں عظیم فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اور میدانِ سیاست کی فتح میدانِ جنگ کی فتح سے بہر حال مُوثر ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے اس صُلح کو مسلمانوں کی زبردست فتح قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ فتح کے شروع میں فرماتا ہے:۔

انّا فتحنا لك فتحاً مبينا ليغفر لك الله ما تقدّمَ من ذنبك وما تاخّر ويتمّ نعمته عليك ويهديك صراطاً مُستقيماً ۝

(ترجمہ) "اے رسول! ہم نے تجھے ایک کُھلی کُھلی فتح بخشی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ تیرے متعلق کیئے گئے وُہ گناہ جو پہلے گزُر چکے ہیں ڈھانک دے گا۔ اور جو اب تک نہیں ہوئے (لیکن آئندہ ہونے کا امکان ہے) ان کو بھی ڈھانک دے گا۔ اور تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے گا اور تجھے سیدھا راستہ دکھائے گا۔

(۲) صلح حدیبیہ کے سیاسی نتائج

صلح حدیبیہ کے بعد قریش پر جمود کی سی حالت طاری ہوگئی تھی۔ اب ان کی تمامتر توجّہ اپنی اقتصادی بدحالی کو دُور کرنے اور تجارتی سلسلہ

کو بحال کرنے کی طرف مبذول ہو چکی تھی۔ انہوں نے اس صُلح سے سیاسی فوائد حاصل کرنے کی بالکل کوشش نہ کی۔ معاہدے کی چوتھی شق کے بموجب تمام قبائلِ عرب کو آزادی تھی کہ وہ قریش اور مسلمانوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ قبیلہ بنو بکر نے قریش سے دوستی کا معاہدہ کر لیا۔ اور بنو خزاعہ نے مسلمانوں سے اتفاق سے یہ دونوں قبائل مکّہ کے قریب آباد تھے۔ اور ان میں زمانہ قبل از اسلام سے دُشمنی چلی آ رہی تھی۔ مکّہ کے قریب ایک قبیلے کا مسلمانوں سے ملکر دوستی کا معاہدہ کر لینا قریش کے لئے گوناگوں خطرات کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا تھا۔ قریشِ مکہ کے لئے مناسب تھا کہ وہ دیگر قبائل سے معاہدے کر کے اس خطرے کو امکانی حد تک کم کرنے کی کوشش کرتے۔ لیکن انہوں نے محض بنو بکر سے معاہدہ کرنے پہ اکتفا کیا اور دُوسرے قبائل کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش نہ کی ؎

اس کے برعکس رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس صُلح کے ذریعے عظیم الشان فوائد حاصل کئے۔ آپ نے صرف بنو خزاعہ ہی کو اپنے ساتھ ملانے پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ پیہم جدّ و جہد کر کے عرب کے اور بھی بہت سے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا کر ان سے دوستی کے معاہدے کر لئے ؎

اس کے بعد آپ نے خیبر کے یہود کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ (جو اس وقت سرزمینِ عرب میں آپ کے بدترین دشمن تھے) اور انکا قلع قمع کر دیا۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں قریش سے معاہدہ صلح کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اہلِ مکّہ کی طرف سے مطمئن ہو کر اپنی پوری قوّت یہود کے مقابلے میں صرف کی جائے ٭

تبلیغی میدان میں بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو نمایاں کامیابی ہوئی آپ نے اپنی تبلیغ کا دائرہ بیرونی ممالک تک وسیع کر دیا اور امراءِ عرب کے علاوہ روم، فارس اور حبشہ کے بادشاہوں اور عراق، شام، بحرین اور یمن کے حکام کو تبلیغی خطوط روانہ فرمائے۔ بیرونی ممالک کے بادشاہوں اور حکام کو تبلیغی خطوط بھیجنے میں ایک مصلحت یہ بھی کارفرما تھی کہ جب عرب دیکھیں گے کہ تبلیغِ اسلام کا سلسلہ عرب کی حدود سے باہر بھی پھیل گیا ہے تو وہ مرعوب ہو کر اس طرف توجّہ کریںگے اور قبولِ اسلام کا دروازہ ان کے لئے کھل جائے گا ٭

۳۔ مسلمانوں اور دیگر قبائلِ عرب کے تعلّقات

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے عرب قبائل سے تعلّقات استوار کرنے کی منظّم جدّوجہد شروع کر دی تھی۔ یہ قبائل اس

صلح کے باعث قریش سے بہت ناراض تھے۔ کیونکہ قریش ہی کی انگیخت پر اُنہوں نے عرصۂ دراز سے مسلمانوں سے لڑائی مول لے رکھی تھی۔ لیکن صُلح کے موقعہ پر انہوں نے اِن سے مشورہ تک لینا ضروری نہ سمجھا۔ اور انہیں شریک کئے بغیر بطور خود مسلمانوں سے معاہدہ کر لیا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک کے سوا اور کسی قبیلے نے قریش سے دوستی کا معاہدہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور مسلمانوں سے لڑائی کا سلسلہ یک قلم موقوف کر دیا ؎

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس صورتِ حال سے پورا فائدہ اُٹھایا اور یکے بعد دیگرے ان قبائل کو اپنے ساتھ ملانا شروع کر دیا۔ کسی کو نرمی سے کسی کو سختی سے۔ چنانچہ ابھی اس صلح کو دو سال بھی نہ گذرے تھے کہ بیشتر قبائلِ عرب اسلام کی آغوش میں آ گئے۔ اور قریش بدستور خوابِ غفلت میں پڑے سوتے رہے۔ عرب میں ایک انقلابِ عظیم نمودار ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کی قوت و طاقت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی لیکن اُن کی نظروں میں اِن باتوں کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔ ان کے طرزِ عمل سے ظاہر ہوتا تھا کہ وُہ صلح کو صرف چار سال کے لئے نہیں بلکہ دائمی سمجھتے تھے۔ انہیں یہ خیال بھی نہ تھا کہ ایک وقت آئے گا جب معاہدۂ صُلح باطل ہو جائے گا اور انہیں اپنی غفلت پر کفِ افسوس ملنا پڑیگا ؎

معلوم ہوتا ہے صُلح کے بعد قریش کو احساس ہو گیا تھا کہ اب

میدان ان کے ہاتھ سے نکل چکا ہے اور میدانِ جنگ کی طرح میدانِ سیاست میں بھی انہیں مات کھانی پڑی ہے۔ پے در پے ناکامیوں کے باعث ان کے حوصلے اور ولولے سرد پڑ چکے تھے۔ اور انہوں نے یہ سوچکر کہ اب مسلمانوں کے خلاف مزید جدّوجہد بیکار ہوگی، اپنے معاملات تقدیر کے حوالے کردئے تھے۔ اب وہ اس بات کے منتظر تھے کہ دوسرے قبائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ کیا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔ انہیں خیال تھا کہ اگر اسلام کو قبائلِ عرب پر غلبہ نصیب ہوگیا تو وُہ بھی اسلام لے آئیں گے۔ لیکن اگر دوسرے قبائل مسلمانوں پر غالب آگئے۔ تو ایکطرف تو ان کی دِلی مراد بر آئے گی۔ دوسرے وہ اموال و نفوس کے ضیاع سے محفوظ رہیں گے۔ جس سے آج تک وہ خود دوچار ہوتے رہے ہیں +

۴۔ مسلمانوں اور یہود کے تعلّقات

خیبر یہودیوں کا بہت بڑا گڑھ تھا جو مدینہ سے چھیانوے میل کے فاصلے پر شام کی جانب واقع تھا۔ بنو نضیر کے یہودیوں نے مدینہ سے جلا وطن ہونے کے بعد یہیں کا رُخ کیا تھا۔ اور خیبر کے یہود کے ساتھ مل کر مُسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہوگئے تھے۔ انہوں نے دُوسرے قبائلِ عرب کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی جدّوجہد شروع کردی۔ اور بُہت حد تک انہیں

کامیاب بھی ہو گئے۔ جنگِ احزاب دراصل انہی یہود کی انگیخت کے نتیجے میں واقع ہوئی تھی۔ اس جنگ میں ناکامی کے باوجود انہوں نے ہمت نہ ہاری اور قبائلِ عرب کے ساتھ دوستی کے معاہدے کر کے انہیں دوبارہ مسلمانوں کے خلاف منظم کرنا شروع کر دیا۔ جو قبائل مسلمانوں کے خلاف یہود کی سازشوں میں شریک تھے ان میں ایک قبیلہ سعد بن بکر بھی تھا جو مدینہ سے خیبر کی جانب چھ میل کے فاصلے پر ایک مقام "فدک" میں آباد تھا۔ اس قبیلے نے یہود سے سمجھوتہ کر کے مسلمانوں کے خلاف فوجیں اکٹھی کرنی شروع کر دیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قبیلے کی جنگی تیاریوں کی اطلاع ملی تو آپ نے ان پر حملہ کرنے کے لئے ایک دستہ روانہ فرمایا جو کثیر مالِ غنیمت لے کر واپس آ گیا۔

ابو رافع سلام بن ابی الحقیق خیبر کے یہود کا سردار تھا اور انہیں ہر وقت مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے اکساتا رہتا تھا۔ تجارت میں زبردست مہارت حاصل ہونے کی وجہ سے اسے تاجرِ حجاز کہا جاتا تھا۔ اور دولت کے بل بوتے پر یہود کو جس طرح چاہتا تھا اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اس کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ پردازیوں سے تنگ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ خزرج کے پانچ

آدمیوں کو مقرر فرمایا جنہوں نے جا کر چپکے سے اس کا خاتمہ کر دیا۔ یہود نے اس کی جگہ اُسیر بن رزام کو اپنا سردار منتخب کر لیا۔ سردار منتخب ہونے کے بعد اس نے اپنی قوم سے کہا کہ میں محمدؐ کے ساتھ وہ کچھ کرونگا جو آج تک کسی نے نہ کیا ہوگا۔ میں غطفان کے پاس جاتا ہوں۔ اور انہیں جنگ کے لئے آمادہ کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے قبائلِ عرب میں پھر کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم نے اس کی سرگرمیوں کی خبر سُنکر حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو تیس انصار کے ہمراہ اسکے پاس روانہ کیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اسے سمجھا بجھا کر صُلح کرنے پر آمادہ کریں۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ سے بات چیت کے نتیجے میں اسیر بن رزام صلح پر آمادہ ہو گیا اور تیس یہودیوں کو اپنے ہمراہ لے کر عبداللہؓ بن رواحہ کے ساتھ مدینہ روانہ ہو گیا۔ تاکہ وہاں جا کر صُلح کا معاہدہ لکھا جائے۔ صلح کے لئے اُس نے یہ شرط پیش کی تھی کہ اسے خیبر کے یہود کی قیادت بدستور حاصل رہے گی۔ لیکن راستے میں اسکی نیّت بدل گئی۔ کیونکہ صُلح کے نتیجے میں اسے مسلمانوں کی اطاعت قبول کرنی پڑتی تھی۔ اس نے چاہا کہ کسی طرح عبداللہؓ بن رواحہ اور ان کے ساتھیوں کا خاتمہ کر دے۔ چنانچہ اس نے اپنا ہاتھ عبداللہ کی تلوار کی طرف

بڑھایا - وہ اس کی نیت بھانپ گئے - اور یہ کہکر کہ :-

"اے دُشمنِ خدا! تو بدعہدی کرنا چاہتا ہے"؟

تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ گردن الگ جا پڑی - ان کے ساتھی باقی یہود پر پل پڑے اور ان کا خاتمہ کر دیا۔

جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دیکھا کہ یہود اپنی شرارتوں اور عداوت میں بڑھتے جا رہے ہیں تو آپ نے ۶ھ میں قریش کے ساتھ حدیبیہ کے مقام پر صلح کا معاہدہ کیا اور ۷ھ میں یہود کے قلعوں کی طرف کوچ کر دیا۔ خیبر پہنچ کر آپ نے ان کے تمام قلعے فتح کر لئے اور انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ ہتھیار ڈالنے کے لئے یہود نے یہ شرط پیش کی کہ ان کی جان بخشی کر دی جائے۔ اور اُنہیں سرزمینِ خیبر سے نکل جانے کی اجازت دی جائے۔ وہ سوائے بدن کے کپڑوں کے اور کوئی چیز ہمراہ نہ لے جائیں گے۔ لیکن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان سے ان کی امیدوں سے بڑھکر رواداری کا سلوک کیا۔ اور اس شرط پر صلح کر لی کہ خیبر کی ساری زمین مسلمانوں کی ملکیت ہو گی۔ لیکن یہود بٹائی پر کام کریں گے۔ اور فصل کے موقعہ پر اپنا حصّہ خود رکھکر باقی مسلمانوں کے حوالے کر دینگے۔ ساتھ ہی حضورؐ نے انہیں یہ انتباہ بھی فرما دیا کہ اگر اب بھی وُہ شرارتوں سے باز نہ آئے

تو انہیں خیبر سے نکال دیا جائیگا ۔

خیبر کی فتح کے بعد آپ نے فدک کے یہودیوں کی سرکوبی کیلئے فوج روانہ کی۔ انہوں نے اس شرط پر مصالحت کرلی کہ ان کی جان بخشی کردی جائے گی اور ان کے اموال انہی کے قبضے میں رہنے دیے جائیں گے۔ جب تیماء[1] کے یہود کو خیبر کے یہود کی شکست کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے مسلمانوں سے جزیے پر صلح کرلی اور اپنے علاقے ہی میں مقیم رہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وادی قریٰ کے یہود کی جانب توجہ مبذول کی۔ انہوں نے بھی اس شرط پر مصالحت کرلی کہ ان کی زمینیں ان کے پاس رہیں گی۔ اور وہ ہر سال پیداوار کا کچھ حصہ مسلمانوں کو ادا کردیا کرینگے ۔

اس طرح حجاز کے یہود اپنے انجام کو پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ اس علاقے کو مسلمانوں اور یہود کا مشترکہ وطن قرار دیا جائے۔ اور تمام حقوق جو مسلمانوں کو حاصل ہیں انہیں بھی حاصل رہیں۔ لیکن یہود کی سرشت ایسی تھی کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ پُرامن طور پر نہ رہ سکتے تھے۔ انہوں نے ان کے خلاف ریشہ دوانیوں اور فتنہ و فساد کا لامتناہی سلسلہ جاری کردیا۔ اور اپنی کرتوتوں میں اس حد تک

---

[1] تیماء مدینہ سے آٹھ منزل کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے۔

بڑھ گئے کہ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو ان کا قلع قمع کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اگر وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی فراخدلانہ پیشکش کو قبول کر کے مساویانہ حیثیت میں مسلمانوں کے ساتھ رہنا منظور کر لیتے تو انہیں یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ لیکن نخوت، تکبّر، فخر و غرور اور اپنی برتری کا احساس ان سب چیزوں پر غالب آگیا۔ اور اسی چیز نے انہیں تباہی کے مہیب غار میں دھکیل کر جزیرہ عرب سے ان کا نام و نشان مٹا دیا۔

۵۔ بادشاہوں اور امراء سے خط و کتابت

سرزمین عرب سے متصل دو عظیم الشان سلطنتیں واقع تھیں مشرق میں سلطنت ایران اور مغرب میں دولتِ رُوم۔ ان سلطنتوں کے ماتحت عراق شام اور یمن میں عرب امارتیں قائم تھیں۔ یہ دونوں طاقتیں لمبے عرصے سے باہم برسرِ پیکار تھیں۔ اور انہوں نے جوع الارض کی خاطر عربوں کو بھی جنگ کی بھٹی میں جھونک رکھا تھا۔ ایرانیوں کے مطیع عربی قبائل ان کی طرف سے میدانِ کارزار میں دادِ شجاعت دیتے تھے۔ اور رُومیوں کے مطیع قبائل ان کی طرف سے جنگ کرتے تھے۔ لیکن رُومی اور ایرانی فوجوں کے برعکس عربوں کو اونٹ اور گھوڑے مہیا نہ کئے جاتے تھے۔ ان بے چاروں کو پیدل ہی میدان جنگ میں گھسٹنا پڑتا تھا۔ ۶۲۱ء میں

ایرانی رومیوں پر غالب آ گئے۔ اور شام، مصر اور ایشیائے کوچک کے وسیع علاقے پر قابض ہو گئے۔ قریب تھا کہ وہ رومی دارالسلطنت قسطنطنیہ پر بھی قابض ہو جاتے۔ یہ مسلمانوں کی ہجرت مدینہ سے قبل کی بات ہے۔

رومیوں کی ابتر حالت کو دیکھ کر ہرقل نے سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی اور اپنے مقبوضات ایرانیوں سے واپس لینے کے لئے بڑے پیمانے پر جدوجہد شروع کر دی۔ ایرانیوں اور رومیوں کے درمیان متعدد معرکے پیش آئے۔ اب کے رومیوں کا پلہ بھاری رہا اور وہ ایرانیوں کے بہت سے شہروں پر قابض ہو گئے۔ سب سے خوفناک جنگ نینوا کے مقام پر ۶۲۶ء میں پیش آئی جس میں ہرقل نے ایرانیوں کے مقابلے میں زبردست کامیابی حاصل کی۔ کسریٰ شاہ ایران دارالحکومت کو چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ دریں اثناء کسریٰ کے بیٹے شیرویہ نے باپ کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی اور اسے قتل کر کے سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ تخت پر متمکن ہونے کے بعد اس نے رومیوں سے صلح کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اور بالآخر اس شرط پر فریقین میں صلح ہو گئی کہ ایرانی اور رومی اپنے اپنے مقبوضات چھوڑ دیں اور دونوں سلطنتوں کی حدود وہی مقرر کی جائیں جو ایرانی اور رومی آویزش سے قبل متعین تھیں۔ یہ صلح بھی

سال ہوئی جس سال صلح حدیبیہ واقع ہوئی تھی ؏

ان حالات کو دیکھ کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مناسب سمجھا کہ ان سلطنتوں کو بھی خدائی پیغام سے آگاہ کیا جائے۔ جنگ وجدل کے ذریعے اپنے آپ کو تباہ و برباد اور گندی سیاست کے پیچھے لاکھوں بندگان خدا کو موت کے منہ میں دھکیل رہی ہیں۔ انہیں تباہی سے بچانے کا بہترین ذریعہ یہی تھا کہ ان سلطنتوں کے فرمانرواؤں اور حکمرانوں کو تبلیغی خطوط روانہ کئے جاتے اور انہیں تلقین کی جاتی کہ وہ اپنی موجودہ روش کو ترک کر کے اس دین کو قبول کر لیں جو امن کا علمبردار ہے اور جسے اختیار کرنے سے یہ دنیا ظلم و جور اور طغیان و فساد کی بجائے امن و سکون کی آماجگاہ بن سکتی ہے ؏

جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ان بادشاہوں اور حکّام کو خطوط تحریر فرمانے لگے تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ لوگ اس وقت تک کوئی خط نہیں پڑھتے جب تک اس پر لکھنے والے کی مُہر ثبت نہ ہو۔ چنانچہ اس غرض کے لئے آپ نے چاندی کی ایک مہر بنوائی جس کا نقش یہ تھا:۔

محمد

رسول

اللہ

یعنی تین سطریں تھیں۔ اور ہر سطر میں ایک لفظ تھا۔ یہ انگوٹھی آپ اپنی انگلی میں پہنے رہتے تھے۔ اور وفات تک یہ آپ کے ہاتھ ہی میں رہی۔ وفات کے بعد یہ انگوٹھی علی الترتیب حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے پاس رہی۔ یہ تینوں بزرگ اسے پہنے رہتے تھے۔ جس سال حضرت عثمانؓ کو شہید کیا گیا اسی سال یہ انگوٹھی آپ کی انگلی سے نکلکر اریس کنویں میں جا پڑی۔ تین روز تک اس کی تلاش ہوتی رہی۔ لیکن اس کا سراغ نہ ملا ؎

۷۔ امرائے عرب سے خط و کتابت

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے عہد میں جزیرۂ عرب کے اطراف و جوانب میں بعض امارتیں قائم تھیں۔ جن میں سے بعض شمالی جانب تھیں اور بعض جنوبی جانب۔ شمال میں ایک امارت دمشق کی تھی۔ جس کا حاکم حارث بن شمر غسانی تھا۔ اور ایک امارت بُصریٰ کی تھی۔ جو عرب اور شام کی سرحد پر ایک قصبہ ہے۔ یہ دونوں امارتیں سلطنتِ روم کے ماتحت تھیں اور یہاں کے باشندے رُومیوں کی طرح عیسائی مذہب کے پیرو تھے ؎

جنوبی جانب ایک امارت بحرین کی تھی جس کا حاکم منذر بن ساوی

تھا۔ یہ اپنی ہمسایہ سلطنت ایران کے اثر کی وجہ سے مجوسی المذہب تھا۔
ایک امارت عمان کی تھی۔ اور جلندی کے دو بیٹے جیفر اور عبد وہاں کے
حاکم تھے۔ ایک امارت یمامہ کی تھی۔ اور اس کا حاکم ہوزہ بن علی الحنفی تھا۔

رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حارث بن ابی شمر کی طرف
شجاعؓ بن وہب کو مندرجہ ذیل خط دے کر بھیجا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے حارث بن
ابی شمر کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی
کی اور اللہ پر ایمان لایا اور اس کی باتوں کو سچ جانا۔ میں تمہیں دعوت
دیتا ہوں کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ جو اکیلا ہے۔ اور اس کا کوئی شریک
نہیں۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا ملک تمہارے ہاتھوں ہی میں رہیگا"۔

حارث بن ابی شمر نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا یہ خط پڑھتے
ہی زمین پر پھینک دیا۔ اور کہا:۔

"کس کی مجال ہے جو مجھ سے میرا ملک چھین سکے"۔

ساتھ ہی اس نے اپنے لشکر کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کیلئے
تیار ہونے کا حکم دیا اور شجاعؓ بن وہب سے کہا:۔

"تم واپس جاؤ۔ اور اپنے آقا کو ہماری جنگی تیاریوں سے آگاہ
کر دو"۔

اس کے بعد اس نے ہرقل شاہ رُوم کو خط لکھ کر مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کی اجازت مانگی۔ لیکن ہرقل نے اُسے ایسا کرنے سے منع کر دیا اور کہلا بھیجا کہ مَیں ایرانیوں پر فتح حاصل کرنے کی خوشی میں ایلیاء (بیت المقدس) کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ تم جنگی تیاریوں کو چھوڑو اور میرے استقبال کے انتظامات کرو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں حارث نے جنگی تیاریوں کا سلسلہ ختم کر دیا۔ اور شجاعؓ بن وہب کو انعام اور زادِ راہ دے کر رخصت کر دیا۔

دراصل حارث نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خط کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کی۔ آپ اس کا ملک چھیننے اور اس پر چڑھائی کرنے کے ہرگز خواہش مند نہ تھے۔ بلکہ چاہتے تھے کہ اسلام لانے کے نتیجے میں اسے دوسروں کی غلامی سے نجات مل جائے اور اسے حقیقی معنوں میں اپنے علاقے کی بادشاہت حاصل ہو۔ کیونکہ اس وقت اُسے محض برائے نام بادشاہت حاصل تھی۔ اصل اقتدار رُومیوں کے ہاتھ میں تھا۔ اور انہی کے احکام وہاں نافذ ہوتے تھے۔ اگر وہ اسلام لے آتا تو قدرتی طور پر اس کے تعلّقات رومیوں سے منقطع ہو جاتے۔ اور وُہ حقیقی معنوں میں بادشاہ بن جاتا۔ لیکن اس نے اپنی نادانی سے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں کرنے لگا لیکن تقدیر

کو کون بدل سکتا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں غسانی بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور وہ شام کے طول و عرض پر قابض ہو گئے ؛

امیر بُصریٰ کو آپ نے حارثؓ بن عمیر ازدی کے ہاتھ خط بھیجا۔ وہ ابھی مؤتہ[1] ہی پہنچے تھے کہ انہیں شرجبیل بن عمرو غسانی ملا۔ اور یہ علم ہونے پر کہ وہ مدینہ سے آرہے ہیں اس نے انہیں قتل کرا دیا۔ حالانکہ قاصدوں کا قتل کسی بھی قوم و ملت میں روا نہیں ہے ؛

غسانیوں کی ان حرکات کو دیکھ کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو بھی مجبوراً جنگ کی تیاریاں کرنی پڑیں۔ اور ۸ھ میں آپ نے تین ہزار کا ایک لشکر زیدؓ بن حارثہ کی زیر قیادت حارثؓ بن عمیر ازدی کے قتل کا انتقام لینے کے لئے شام روانہ کیا۔ جب یہ لشکر مؤتہ پہنچا تو اس کی مڈبھیڑ رومیوں اور غسانیوں کے ایک عظیم الشان لشکر سے ہوئی جو اُن سے کئی گنا بڑا تھا۔ رومی لشکر اپنی کثرت کے باعث مسلمانوں کے اس کمزور لشکر پر غالب آگیا۔ سب سے پہلے سردارِ لشکر زیدؓ بن حارثہ شہید ہوئے۔ ان کے بعد قیادت جعفرؓ بن ابی طالب کے ہاتھ میں آئی۔ وہ بھی شہید ہو گئے۔ بعد ازاں عبداللہؓ بن رواحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا لیکن انہیں

---

[1] مؤتہ شام کی سرحد پر کرک کے قریب ایک قصبہ ہے۔

بھی جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔ آخر لوگوں نے خالدؓ بن ولید سے لشکر کی قیادت اپنے ہاتھ میں لینے کی درخواست کی۔ وہ اپنی جنگی مہارت کو کام میں لاکر لشکرِ اسلام کو رُومیوں کے نرغے سے نکال لائے اور اسے تباہی سے بچا لیا۔

جلندی کے بیٹوں جیفر اور عبد کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمروؓ بن العاص کے ہاتھ یہ خط بھیجا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے جلندی کے بیٹوں جیفر اور عبد کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ امن میں رہو گے۔ میں تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تاکہ ان لوگوں کو ڈراؤں جو اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں اور کافروں پر اتمامِ حجت ہو جائے۔ اگر تم دونوں اسلام لے آؤ تو میں تمہیں بدستور تمہارے علاقے کا حاکم بنائے رکھوں گا۔ لیکن اگر انکار کیا تو تمہارا علاقہ تمہارے ہاتھ سے چھن جائے گا۔ مسلمانوں کے گھوڑے تمہاری زمینوں کو روند ڈالیں گے۔ اور میری نبوّت کا علم تمہارے ملک پر بلند ہو جائے گا۔ والسلام"

جو شخص یہ خط پڑھے گا وہ محسوس کرے گا کہ اس میں اسلام قبول نہ

کرنے پر طاقت استعمال کرنے کی دھمکی دی گئی ہے اور بادی النظر میں یہ بات اسلامی تعلیمات کے خلاف نظر آتی ہے۔ کیونکہ اسلام اپنی اشاعت کے سلسلے میں تلوار اور قوت و طاقت کا رہینِ منت نہیں۔ بلکہ حکمت و موعظت اور وعظ و نصیحت کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے۔ شاید اس دھمکی کا یہ سبب ہو کہ یہ امارتیں ان عرب قبائل کی مدد کرتی رہتی تھیں جو مسلمانوں سے برسرِ پیکار تھے۔ یہ علاقے سرسبز و شاداب تھے۔ اور یہیں سے مذکورہ بالا قبائل کو غلّہ اور اسلحہ فراہم ہوتا تھا۔ اسطرح یہ قبائل مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمنوں کو بالواسطہ مدد پہنچاتے رہتے تھے۔ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ جس زمانے میں قریش کو یمامہ سے غلّہ پہنچنا بند ہو گیا تھا تو ان کی جان پر بن گئی تھی اور وہ گوبر تک کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ ایسی حالت میں کوئی شخص جنگ کے متعلق سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ جب تک مسلمانوں کے دشمن قبائل کو ان علاقوں سے غلّہ اور اسلحہ فراہم ہوتا رہے گا جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اسلئے آپ نے ان کے خلاف سخت قدم اُٹھانے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ آئندہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کرنے کے قابل نہ ہو سکیں۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اس معاملے میں جنوبی اور شمالی ریاستیں یکساں طور پر مُجرم تھیں۔ اور

ہر دو جانب سے مسلمانوں کے دشمن قبائل کی مدد کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

حضرت عمروؓ بن العاص یہ خط لے کر عمان پہنچے۔ اور سب سے پہلے عبد سے ملے۔ اس نے خط پڑھکر کہا:۔

"محمدؐ کن چیزوں کے کرنے کا حکم دیتے ہیں اور کن چیزوں سے روکتے ہیں"؟

انہوں نے جواب دیا:۔

"وہ اللہ عزوجل کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اسکی نافرمانی سے روکتے ہیں۔ نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ اور ظلم، سرکشی زنا، شرابخوری اور پتھروں، بتوں اور صلیب کی پرستش سے روکتے ہیں"۔

عبد کہنے لگا:۔

"یہ تو بہت اچھی تعلیم ہے۔ اگر میرا بھائی بھی میرے ساتھ متفق ہوتا، تو ہم دونوں مدینہ جاتے اور محمدؐ پر ایمان لے آتے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ آسانی سے ملک چھوڑنے اور دوسرے کی ماتحتی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے جواب دیا:۔

"اگر تمہارا بھائی اسلام لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلّم اسے بدستور علاقے کا حاکم بنائے رکھیں گے اور حکومت کے تمام اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہونگے ۔“

عبد نے کہا:۔

”یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے ۔“

چنانچہ اس نے حضرت عمرؓو بن العاص کو اپنے بھائی جیفر سے ملایا۔ ان کی تبلیغ کے نتیجہ میں دونوں بھائی اسلام لے آئے۔ حضرت عمروؓ بن العاص زکوٰۃ اور صدقات کی وصولی کے لئے وہیں ٹھہر گئے۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وفات ہوئی وہ وہیں تھے ۔

منذر بن ساوی کے پاس رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے علاءؓ بن حضرمی کو بھیجا۔ منذر کے نام خط کا مضمون یہ تھا:۔

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ تم اسلام لے آؤ۔ میں تمہارے سامنے اس خدا کی تعریف بیان کرتا ہوں جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ جو شخص ہم جیسی نماز پڑھتا ہے ۔ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے وہ مسلمان ہے اور اللہ اور اللہ کا رسولؐ اس کے حقوق کی ادائیگی کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں۔ مجوسیوں میں سے جو شخص ان باتوں کو اختیار کرنا پسند کرے وہ مومن ہے۔ اور اس سے مسلمانوں کا سا سلوک کیا جائے گا۔ لیکن جو شخص انہیں قبول کرنے

سے انکار کرے اُسے جزیہ ادا کرنا پڑے گا"۔

علاء یہ خط لیکر منذر کے پاس پہنچے اور اسے کہا:۔

"اے منذر! تم دنیوی امور میں ہمیشہ عقل و خرد کا ثبوت دیتے ہو، آخرت کے بارے میں بے عقلی نہ دکھاؤ۔ مجوسیت بہت بُرا دین ہے۔ مجوسیوں میں نہ عربوں جیسے اعلیٰ اخلاق ہیں اور نہ اہلِ کتاب جیسا علم۔ وہ ایسی جگہ شادی کر لیتے ہیں جہاں دُوسرے لوگ کرتے ہوئے شرم سے پانی پانی ہو جائیں۔ اور ایسی چیزیں کھاتے ہیں جنہیں کوئی باذوق انسان نہیں کھا سکتا۔ دُنیا میں وہ آگ کی پرستش کرتے ہیں جو قیامت کے دن انہیں کھائے گی۔ تم عقل و دانش کے مالک ہو۔ ذرا غور تو کرو جس شخص نے زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا اس کی تصدیق کرنے میں تمہیں کیا امر مانع ہے؟ اور جس نے کبھی خیانت نہیں کی تم اسے امین کیوں نہیں سمجھتے؟ جس شخص نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی تم اس پر بھروسہ کیوں نہیں کرتے؟ یقیناً محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور عقل و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ تم ان پر ایمان لے آؤ اور دُنیا و آخرت کی نعمتوں کے وارث بنو"۔

غرضیکہ علاءؓ بن حضرمی نے منذر کو اس قدر دل نشین پیرائے میں تبلیغ کی کہ وہ فوراً ایمان لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے اسے بدستور امارت پر برقرار رکھا۔ اس کی وفات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات سے کچھ ہی عرصہ قبل ہوئی ۔

ہوذہ بن علی کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلیطؓ بن عمرو العامری کو یہ خط دے کر بھیجا :-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - یہ خط محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے۔ یہ جان لو کہ میرا دین روئے زمین پر غالب آجائے گا۔ اس لئے اسلام لے آؤ امن میں رہو گے اور تمہارا علاقہ بھی تمہارے ہی پاس رہے گا "۔

سلیطؓ یہ خط لے کر ہوذہ بن علی کے پاس پہنچے۔ اس نے خط کو پڑھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مندرجہ ذیل جواب لکھا :-

"آپ کی تعلیم یقیناً اعلیٰ اور بہتر ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی قوم کا بہت بڑا شاعر اور خطیب ہوں - اور عربوں میں میرا مقام بہت بلند ہے - اس لئے اگر آپ یہ وصیت کر جائیں کہ حکومت کا کچھ حصہ آپ کے بعد مجھے بھی مل جائے تو میں آپ پر ایمان لانے کے لئے تیار ہوں "۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ شرط قبول کرنے

سے انکار کر دیا۔ کیونکہ لالچ کے ذریعے لوگوں کو اسلام کی طرف متوجہ کرنا آپ کا مقصد نہ تھا۔ آپ کے پیش نظر لوگوں کی ہدایت تھی اور اسی مقصد کو سامنے رکھکر آپ اپنی دعوت خاص و عام تک پہنچاتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ لوگ کسی لالچ کی وجہ سے نہیں بلکہ خلوصِ دل سے اسلام قبول کریں۔ تاکہ ایمان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے دِلوں میں راسخ ہو جائے۔ اسی لئے جب آپ نے ہوذہ بن علی کا خط پڑھا تو فرمایا:۔

"اگر وہ مُجھ سے کھجور کا ایک کچّا دانہ بھی مانگے تو مَیں اسے نہ دوں گا"۔

یہ درست ہے کہ جو حاکم اسلام لے آئے آپ نے انہیں بدستور ان کے عہدوں پر برقرار رکھا۔ لیکن آپ نے یہ اس لئے کیا کہ وہ خلوصِ دِل سے اسلام لے آئے تھے۔ اور ان کی طرف سے اس قسم کا کوئی خدشہ نہ تھا کہ وہ موقعہ پاکر بدعہدی پر اتر آئینگے۔ اور مسلمانوں کے لئے ایک مصیبت بن جائینگے۔

ہوذہ کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ مہلت نہ دی۔ ۸ھ میں عین اُن دِنوں جب حضورؐ فتحِ مکّہ سے فارغ ہو کر مدینہ واپس تشریف لے جارہے تھے اس کا انتقال ہو گیا۔

۷۔ شاہِ حبشہ سے خط و کتابت

مسلمانوں کا حبشہ سے تعلق ہجرتِ مدینہ سے بہت پہلے اس وقت سے قائم ہو چکا تھا جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے کفّارِ مکہ کے مظالم سے تنگ آکر اپنے صحابہ کو اس مُلک کی جانب ہجرت کرنے کا ارشاد فرمایا تھا۔ چنانچہ بہت سے مسلمان ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ ہجرت مدینہ کے بعد کچھ لوگ تو مدینہ آ گئے۔ لیکن کچھ وہیں مقیم رہے اور آرام سے زندگی بسر کرتے رہے۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ہجرتِ حبشہ کے وقت وہاں کا بادشاہ اصحمہ تھا۔ اس نے مہاجرین کی تعظیم و تکریم میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ اور قریش کے جو آدمی انہیں لینے کے لئے آئے تھے انہیں ناکام و نامراد واپس کر دیا۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے عرب اور اس کے قُرب و جوار کے حُکّام کو تبلیغی خطوط لکھنے کے ساتھ ہی حبشہ کے شاہ نجاشی کو بھی ایک خط لکھا۔ اور اسے عمرؓو بن امیہ ضمری کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ مؤرخین میں اس بات پر اختلاف ہے کہ وہ کون سا نجاشی تھا جسے حضورؐ نے خط لکھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نجاشی وہی اصحمہ تھا جس نے مسلمانوں کو پناہ دی تھی۔ اور بعض کا خیال ہے کہ اصحمہ کے بعد جو نجاشی

سریر آرائے سلطنت ہوا تھا اسے یہ خط بھیجا گیا تھا۔ جن لوگوں کے خیال ہیں حضورؐ نے اصحمہ کے نام خط روانہ فرمایا تھا وہ کہتے ہیں کہ آپ کے خط کا مضمون مندرجہ ذیل تھا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے نجاشی الاصحم شاہِ حبشہ کے نام ہے۔ میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں اور تمہارے سامنے اس خدا کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی زمین و آسمان کا حقیقی بادشاہ ہے۔ اور تمام خوبیوں کا جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے۔ وہ مخلوق کو امن دینے والا اور دنیا کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اور میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ حضرت عیسٰیؑ بن مریم خدا کے کلام کے ذریعے مبعوث ہوئے۔ اور اس کے حکم سے عالم وجود میں آئے۔ جو اس نے آپ کی انتہائی پاکدامن والدہ حضرت مریمؑ بتول پر نازل کیا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو اپنی رُوح کے ذریعے پیدا کیا۔ اور اس رُوح کو اسی طرح ان میں پھونکا جس طرح اس نے آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تھا۔ اور اس میں رُوح پھونکی تھی۔ اے بادشاہ! میں آپکو خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں آپکو دعوت دیتا ہوں کہ خدا کی اطاعت میں میرے ساتھ تعاون کریں۔ اور میری اتباع

اختیار کرتے ہوئے اس کلام پر ایمان لائیں جو مجھ پر نازل ہُوا ہے کیونکہ میں خدا کا رسول ہوں اور اسی حیثیت میں آپ کو اور آپ کی رعایا کو خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے آپ کو اپنا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اور اخلاص اور ہمدردی کے ساتھ آپ کو صداقت کی طرف دعوت دی ہے۔ پس میرے اس اخلاص اور ہمدردی کو قبول کریں۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس خط کا نجاشی نے یہ جواب دیا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط محمدؐ رسول اللہ کے نام نجاشی اصحمہ کی طرف سے ہے۔ یارسول اللہ! آپ پر سلامتی ہو۔ اور اس خدا کی طرف سے برکتیں نازل ہوں جس کے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں۔ اور وہی ہے جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی ہے۔ یارسولؐ اللہ! آپ کا خط مجھے ملا۔ خدا کی قسم! جو کچھ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بیان کیا ہے۔ میں انہیں اس سے ذرہ بھر بھی زیادہ نہیں سمجھتا۔ ہم نے آپ کی دعوتِ حق کو سمجھ لیا ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں جن کے متعلق پہلے صحیفوں میں بھی خبر دی گئی ہے"۔

نجاشی نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قاصد حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری سے زبانی بات چیت بھی کی اور کہا :-

"مجھے معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آنے کی بشارت دی ہے۔ لیکن حبشہ میں میرے مددگار تھوڑے ہیں۔ اس لئے میں اپنے اسلام کو اس وقت تک خفیہ رکھنا چاہتا ہوں جب تک میرے مددگار تعداد میں زیادہ نہ ہو جائیں۔ اور میں تالیفِ قلوب کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف مائل نہ کر لوں"۔

رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے نجاشی کو یہ بھی لکھا تھا کہ حبشہ میں جو مہاجرین باقی رہ گئے ہیں انہیں میرے قاصد کے ہاتھ مدینہ بھیج دو۔ چنانچہ اصحمہ نے عمروؓ بن امیہ ضمری کے ہمراہ انہیں مدینہ بھجوا دیا یہ واقعات ۹ھ میں پیش آئے۔

جن لوگوں کا خیال ہے کہ اس زمانے میں حبشہ پر وہ نجاشی حکمران نہیں تھا جس نے مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نے اسے مندرجہ ذیل خط لکھا تھا :-

"یہ خط محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے نجاشی الاصحم شاہِ حبشہ کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ خدا کی وحدانیت کی گواہی دی اور مجھے

خدا کا بندہ اور رسول تسلیم کیا۔ میں آپ کو خدا کے پیغام سے آگاہ کرتا ہوں۔ کیونکہ میں اس کا رسول ہوں۔ آپ اسلام لے آئیے۔ امن سے رہیں گے۔ اے اہلِ کتاب! اس بات پر متحد ہو جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا اَور کسی کی عبادت نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ خدا کو چھوڑ کر اپنے میں سے کسی کو اپنا آقا اور حاجت روا نہ گردانیں۔ اگر آپ نے ان باتوں کو قبول کر لیا تو آپ مسلمان ہیں۔ ورنہ پھر آپ کی قوم کے گناہوں کا سارا بوجھ آپ کے سر ہوگا"۔

اگر یہ درست ہے کہ یہ خط اس نجاشی کو نہیں لکھا گیا جس نے مسلمانوں کو پناہ دی تھی۔ تو یہ ماننا پڑے گا کہ اس میں "اصحم" کا لفظ راویوں کی غلطی کی وجہ سے شامل کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ "اصحم" پہلے نجاشی کا نام تھا موجودہ نجاشی کا نام نہیں تھا۔

یورپ کے بعض فضلاء نے نجاشی کے اسلام لانے کی روایت کو اس بناء پر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ کہ حبشہ کی تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں آتا۔ لیکن وہ سراسر غلطی پر ہیں۔ مندرجہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی خفیہ طور پر اسلام لایا تھا۔ اس صورت میں حبشہ کی تاریخ میں اس کے قبول اسلام کا ذکر کیسے آسکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلّم اور آپ کے چند خاص صحابہؓ کے علاوہ اور کسی کو اصحمہ کے اسلام لانے کا علم نہ تھا۔ اس کی وفات کی خبر سُن کر آپ نے صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا :-

"آج خدا کا ایک بندہ اصحمہ وفات پا گیا ہے۔ اس کی نماز جنازہ پڑھو"۔

بعض صحابہ کہنے لگے :-

"کیا آپ ہمیں ایک کافر کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں؟"

اس پر قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں :-

"وانّ من اھل الکتاب لمن یؤمن باللہ وما انزل الیکم وما انزل الیھم خاشعین للہ لا یشترون باٰیات اللہ ثمناً قلیلا۔ اولٰئک لھم اجرھم عند ربّھم انّ اللہ سریع الحساب (آل عمران ع ۲۰)

(ترجمہ) "اور اہل کتاب میں سے بعض لوگ یقیناً ایسے ہیں جو اللہ پر اور جو کچھ تم پر اتارا گیا ہے اس پر اور جو کچھ ان پر اُتارا گیا اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ساتھ ہی وہ اللہ کے آگے فروتنی بھی اختیار کرنے والے ہیں۔ اور اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑا مول نہیں لیتے یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کے اعمال کا بدلہ انکے رب کے پاس ان کیلئے

محفوظ ہے۔ اللہ یقیناً جلد حساب لینے والا ہے"۔

ایرِ فنج نے اپنی کتاب "حیاۃ محمدؐ" میں لکھا ہے کہ نجاشی نسطوری عیسائی تھا۔ اور نسطوری عیسائی توحید کے قائل اور الوہیتِ مسیح کے انکاری ہیں۔ ایرِ فنج نے یہ بھی لکھا ہے کہ نجاشی کہا کرتا تھا:۔

"مریم کو 'ام اللہ' نہ کہا کرو۔ کیونکہ وہ بھی دوسرے انسانوں کی طرح بشر ہیں۔ اور یہ بات ناممکن ہے کہ ایک بشر سے خدا پیدا ہو سکے"۔

اس روایت سے نجاشی کے قبول اسلام کی روایت کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے مسلمان مہاجرین کے ساتھ جو حُسنِ سلوک کیا تھا اس کی وجہ کیا تھی؟

۸۔ شاہِ رُوم کے ساتھ خط وکتابت

اس زمانے میں رُوم پر قیصر کی حکومت تھی۔ ۶۲۶ء میں اس نے نینوی کے مقام پر ایرانی افواج کے مقابلے میں زبردست کامیابی حاصل کرنے کے شکریے میں یہ نذر مانی تھی کہ وہ پیدل سفر کر کے ایلیاء (بیت المقدس) کی زیارت کرے گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے دحیہ بن خلیفہ کلبی کے ہاتھ اُسے یہ خط بھیجا:۔

• بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - یہ خط محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے ہرقل شاہ روم کے نام ہے - سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی - اے شاہ روم! مَیں آپ کو اسلام کی ہدایت کی طرف بلاتا ہوں - مسلمان ہو کر خدا کی سلامتی کو قبول کیجئے کہ اب یہی نجات کا راستہ ہے - اسلام لائیے خدا تعالےٰ آپ کو اس کا اجر دے گا - لیکن اگر آپ نے رُوگردانی کی تو یاد رکھیے کہ آپ کی رعایا اور فلاحین (کاشتکاروں) کا گناہ بھی آپکی گردن پر ہوگا"۔

وحیہ کلبیؓ یہ خط لیکر پہلے امیر بُصریٰ کے پاس پہنچے - اس نے انہیں عدیؓ بن حاتم طائی کے ساتھ ہرقل کے پاس بھیج دیا - ہرقل اُس وقت حمص میں مقیم تھا - یہ دونوں اسے جا کر ملے - اور وحیہ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا خط اسکے حوالے کر دیا ۔

ہرقل نے سرکردہ رومیوں کو جمع کیا - اور اس خط کا ذکر کر کے کہنے لگا کہ

"اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا ملک تمہارے پاس رہے اور تمہیں ہر دم کامیابی و کامرانی حاصل ہوتی رہے - تو اس نبی کی پیروی اختیار کرو"۔

ہرقل کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہی دربار میں شور و غوغا

برپا ہو گیا۔ رومی امراء گدھوں کی طرح چیختے چلاتے دروازوں کی طرف بھاگے۔ مگر ہرقل نے انہیں پہلے ہی مقفل کرا دیا تھا۔ مجبوراً واپس آئے اور ہرقل سے کہنے لگے :۔

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم اپنا مذہب ترک کر کے اس عرب بدو کی پیروی اختیار کر لیں؟ یہ کبھی نہیں ہو سکتا"۔

جب ہرقل نے رُومی امراء کی یہ حالت دیکھی تو اسے مجبوراً بات بنانی پڑی۔ اس نے کہا :۔

"میں تو دراصل تمہیں آزمانا اور یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم اپنے مذہب پر کس قدر پختہ ہو۔ چنانچہ میں نے دیکھ لیا"۔

اس پر انہوں نے اسے سجدہ کیا اور چلے گئے۔ ہرقل نے دحیہؓ کلبی کو تحفے تحائف دے کر رُخصت کر دیا۔

ہرقل نے رُومی سرداروں کو جو نصائح کی تھیں میرے خیال میں سچے دل سے کی تھیں۔ بعد میں اس کا یہ عذر کرنا کہ میں تو تمہارے ایمان کی آزمائش کرنا چاہتا تھا محض بہانہ تھا۔ آگے چل کر زمانے نے بھی یہ ثابت کر دیا کہ ہرقل نے انہیں جو نصائح کی تھیں کس قدر مبنی بر صداقت تھیں۔ ان واقعات کو ابھی چند برس ہی گذرے تھے کہ رومی اقتدار شام سے رُخصت ہو گیا اور مسلمان وہاں کے طول و عرض پر قابض ہو گئے۔

گذشتہ واقعات کے مطالعہ سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا خط ملنے پر ہرقل نے جو موقف اختیار کیا تھا وہ توقّع کے عین مطابق تھا۔ کیونکہ رومیوں اور ایرانیوں کی آویزش کے دوران میں مسلمان رومیوں کی فتح کے خواہش مند تھے۔ بایں وجہ کہ رومی ان کی طرح اہلِ کتاب اور ایرانیوں کی نسبت ان سے زیادہ قریب تھے۔ ان کے بالمقابل قریش مکّہ ایرانیوں کے طرفدار تھے۔ کیونکہ جس طرح قریش بُتوں کے آگے سر نیہوڑاتے تھے اسی طرح ایرانی آگ کی پرستش کرتے تھے۔ ہجرت سے ایک سال قبل ۶۲۱ء میں ایرانی رومیوں پر غالب آگئے تو مسلمانوں کو بہت رنج ہوا۔ اور قریش اپنے ہم مشرب لوگوں کی فتح سے بہت خوش ہوئے۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کی تسلّی کے لئے سورۂ رُوم کی ابتدائی آیات نازل فرمائیں جن میں انہیں وعدہ دیا گیا تھا کہ رُومی چند سال بعد دوبارہ ایرانیوں پر غالب آجائیں گے۔ وہ آیات مندرجہ ذیل ہیں:-

الٓمٓ۔ غلبت الرّوم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون۔ فی بضع سنین۔ للہ الامر من قبل ومن بعد یومئذٍ یفرح المومنون۔ بنصر اللہ ینصر من یّشآء وھو العزیز الرّحیم۔ وعد اللہ لا یخلف اللہ وعدہٗ ولکنّ اکثر النّاس

لا یعلمون ○

(ترجمہ) "رومی لوگ (حجاز کے) قریب کے علاقے میں مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد پھر چند سال میں دوبارہ غالب آجائینگے اس واقعہ سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی حکومت ہوگی اور بعد میں بھی اسکی حکومت ہوگی اور اس دن مومن اللہ کی مدد سے بہت خوش ہونگے۔ اللہ جسے پسند کرتا ہے اس کی مدد کرتا ہے۔ اور وہ غالب اور بار بار کرم کرنے والا ہے۔ اللہ کے وعدے کو (خوب یاد رکھو) (اور) اللہ اپنے وعدوں کو جھوٹا نہیں کرتا۔ مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے"۔

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ قریش کے پاس گئے اور کہا کہ تم ایرانیوں کی عارضی فتح سے پھولے نہیں سمارہے ہو۔ تمہاری یہ خوشی عارضی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بتایا ہے کہ رومی عنقریب ایرانیوں پر غالب آجائیں گے"۔

یہ بات سن کر اُبیّ بن خلف کھڑا ہوا اور کہنے لگا:۔

"تم جھوٹ بولتے ہو"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:۔

"اے اللہ کے دشمن! تو سب سے زیادہ جھوٹا ہے۔ مَیں تجھ سے

شرط لگاتا ہوں کہ اگر تین سال کے اندر اندر رومی ایرانیوں پر غالب نہ آئے تو میں تجھے دس اونٹنیاں دوں گا۔ اور اگر غالب آ گئے۔ تو تجھ سے دس اونٹنیاں لے لوں گا ؛

یہ شرط لگا کر حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے۔ اور اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا :-

" میں نے تو یہ نہیں کہا تھا کہ رُومی تین سال کے اندر اندر غالب آ جائیں گے۔ خدا کی وحی میں بِضع کا لفظ ہے۔ اور یہ لفظ تین سال سے نو سال کی مدّت کے لئے بولا جاتا ہے۔ اسلئے تم اُبیّ سے جا کر ۹ سال کی مدّت مقرّر کر دو اور شرط کے اونٹ زیادہ کر دو ؛

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ایسا ہی کیا۔ وہ اسی وقت اُبیّ کے پاس پہنچے۔ اور شرط کے اونٹ دس سے بڑھا کر سَو مقرّر کر دِئے۔ اسی طرح مدّت تین سال کی بجائے نو سال مقرّر کر دی ؛

جب مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنی شروع کی تو اُبیّ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے ڈر ہے کہ تم مکّہ سے چلے جاؤ گے اور میرے شرط کے اونٹ ضائع چلے جائیں گے۔ اس لئے کوئی ضامن مقرر کرو، جس سے میں اپنے اونٹ وصول کر سکوں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ضامن مقرر کر کے مکّہ میں چھوڑ دیا ؛

۳ھ میں غزوۂ احد کے موقعہ پر جب اُبیّ بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ اس مہم پر جانے لگا تو عبداللہ بن ابی بکر اس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں وہ اس جنگ میں مارا نہ جائے اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں تجھے اس وقت تک مکّہ سے باہر نہ جانے دوں گا جب تک تُو اپنی جگہ کسی ضامن کا انتظام نہ کرے گا۔ چنانچہ اس نے ضامن کا انتظام کیا اور جنگ پر چلا گیا۔ جنگ میں وہ بُری طرح زخمی ہؤا اور مکّہ واپس آنے کے تھوڑے دن بعد مر گیا ؛

کچھ عرصہ بعد ہرقل نے سلطنت روما پر قبضہ کر کے رُومی مقبوضات کو ایرانیوں کے ہاتھوں سے چُھڑانے کی جدّوجہد شروع کر دی۔ ۶۲۶ء میں نینوی کے مقام پر رومیوں اور ایرانیوں کے درمیان زبردست اور فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ جس میں رومیوں کو فتح عظیم نصیب ہوئی۔ اور ایرانی ان علاقوں کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے جن پر کچھ عرصہ قبل انہوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس طرح قرآن کریم کی پیشگوئی بڑی شان سے پوری ہو گئی۔ اور نہ صرف قریش بلکہ رُومیوں اور ایرانیوں کے لئے بھی ایک نشان ٹھہری ؛

چونکہ عربوں اور رُومیوں کے تعلقات قدیم سے چلے آ رہے تھے۔ اس

لئے اس امر پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ مسلمانوں کی رومیوں سے ہمدردی اور ان کی فتح کے متعلق قرآنِ کریم کی پیشگوئی کی خبریں ہرقل کو نہ پہنچی ہوں گی۔ ان باتوں کا اس کے دل پر یقیناً بہت اثر ہوا ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا خط اس کے پاس پہنچا۔ تو وُہ دل سے آپ کی صداقت کا قائل ہو گیا۔ لیکن رُومی سرداروں کے مخالفانہ رویّے کو دیکھ کر وہ اسلام کی حقّانیت کا برملا اظہار نہ کر سکا۔ البتہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے قاصد حضرت دحیہؓ کے ساتھ بہت تعظیم و تکریم سے پیش آیا اور انہیں بہت سے تحفے تحائف دیکر رُخصت کیا۔ اسی طرح جب اس کے ایک ماتحت حاکم حارث بن ابی شمر نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے سختی کے ساتھ اسے روک دیا۔ اور کسریٰ شاہِ ایران جیسا طرزِ عمل اختیار نہ کیا جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں بیان کی جائے گی ﴿

۹۔ حاکمِ مصر کے ساتھ خط وکتابت

مصر اُس زمانے میں سلطنتِ روم کے ماتحت تھا۔ اور وہاں کا حاکم مقوقس کہلاتا تھا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حاطب بن ابی بلتعہ کے ہاتھ اسے مندرجہ ذیل خط روانہ کیا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے قبطیوں کے حاکم مقوقس کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت قبول کرتا ہے میں آپکو اسلام کی ہدایت کی طرف بلاتا ہوں مسلمان ہو کر خدا کی سلامتی کو قبول کیجئے اسلام لائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا دُہرا اجر دے گا۔ لیکن اگر آپنے رُوگردانی کی تو یاد رکھئے قبطیوں کا گُناہ بھی آپ کی گردن پہ ہوگا۔ اور اے اہلِ کتاب! اس بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے یعنی ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی صورت میں خدا کا کوئی شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور خدا کو چھوڑ کر اپنے میں سے کسی کو اپنا آقا اور حاجت روا نہ گردانیں۔ پھر اگر ان لوگوں نے رُوگردانی کی تو ان سے کہہ دو کہ ہم تو بہر حال خدائے واحد کے دامن کے ساتھ وابستہ اور اسکے فرمانبردار بندے ہیں۔"

حاطب یہ خط لے کر مقوقس کے پاس پہنچے۔ وُہ یہ خط پڑھکر ان سے

کہنے لگا :-

"اگر تمہارے صاحب واقعی نبی ہیں تو اپنے مخالفین کے خلاف بد دُعا کر کے انہیں ہلاک کیوں نہیں کر دیتے"؟

حاطب رضؓ نے جواب دیا :-

"آپ مسیح بن مریم کو خدا کا بیٹا تسلیم کرتے ہیں۔ جب یہودیوں نے انہیں پکڑ کر صلیب دینی چاہی تو اُنہوں نے بد دُعا کر کے انہیں ہلاک کیوں نہ کر دیا"؟

مقوقس نے کہا :-

"واقعی تم نے مجھے لاجواب کر دیا۔ تم خود بھی عقل و دانش کے مالک ہو۔ اور تمہارا نبی بھی بے نظیر عقل و خرد کا مالک ہے"۔

اس کے بعد کہنے لگا :-

"میں نے اس نبی کے معاملے پر خوب غور و فکر کیا ہے۔ وہ جس بات کا حکم دیتا ہے پہلے خود اس پر عمل کرتا ہے اور جس بات سے روکتا ہے پہلے خود اس سے اجتناب کرتا ہے۔ وہ نہ جادوگر ہے نہ کاہن۔ نبوّت کی نشانیاں اس میں یقیناً پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ غیب کی خبریں بتا دیتا ہے اور چھپی ہوئی باتوں کو ظاہر کر دیتا ہے"۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خط کا اُس نے یہ جواب دیا :-

"یہ خط محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام قبطیوں کے حاکم مقوقس کی طرف سے ہے۔ آپ پر سلامتی ہو۔ میں نے آپ کا خط پڑھا آپ کے مفہوم کو سمجھا۔ اور آپ کی دعوت پر غور کیا۔ مجھے یہ یقیناً معلوم تھا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ مگر میرا خیال تھا کہ وہ ملک شام میں پیدا ہوگا۔ میں آپ کے سفیر کے ساتھ عزت سے پیش آیا ہوں اور اس کے ساتھ دو لڑکیاں بھجوا رہا ہوں جنہیں قبطی قوم میں بڑا درجہ حاصل ہے۔ علاوہ ازیں کچھ کپڑے بھی بھجوا رہا ہوں۔ اور آپ کی سواری کے لئے ایک خچر بھی نذر کر رہا ہوں۔ والسلام"

جو دو لڑکیاں مقوقس نے بھجوائی تھیں ان میں سے ایک کا نام ماریہ قبطیہ تھا۔ اور دوسری کا نام سیرین۔ یہ دونوں آپس میں بہنیں تھیں اور ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماریہ سے خود شادی کر لی۔ ان کے بطن سے ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ جو بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ اور سیرین کو حسانؓ بن ثابت کے عقد میں دے دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پڑھکر جو رویہ ہرقل شاہ روم نے اختیار کیا تھا وہی مقوقس نے اختیار کیا۔ اس نے گو اسلام

تو قبول نہ کیا۔ لیکن نہ صرف آپ کے سفیر کی عزّت اور خاطر مدارات کی بلکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں تحفے تحائف بھی ارسال کیئے۔ لوگ ہر کام میں اپنے بادشاہوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس نے یہ رویّہ ہرقل کے حکم کے مطابق اختیار کیا ہو ؟

۱۰۔ شہنشاہِ ایران سے خط و کتابت

اس زمانے میں فارس کا بادشاہ خسرو پرویز تھا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عبداللہؓ بن حذافہ سہمی کے ہاتھ اسے یہ خط بھیجا:۔

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے فارس کے بادشاہ کسریٰ کے نام ہے۔ سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کو قبول کرتا ہے۔ اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہے۔ اس بات پر گواہی دیتا ہے کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور نہ اس کا کوئی شریک ہی ہے۔ اور وہ اس بات کی بھی گواہی دیتا ہے کہ محمدؐ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اے رئیسِ فارس! مَیں آپ کو خدا کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں۔ کیونکہ میں سب انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہُوں۔ تاکہ ہر زندہ انسان کو ہوشیار کروں اور انکار کرنے والوں پر خدا کا فیصلہ واجب ہو جائے۔ اے رئیس فارس! آپ اسلام

قبول کر لیں۔ کیونکہ اب آپ کے لئے صرف اسی میں سلامتی کا راستہ ہے۔ لیکن اگر آپ رُوگردانی کرینگے تو یاد رکھیں کہ اس صُورت میں آپ کی مجوسی رعایا کا گناہ بھی آپ کی گردن پر ہوگا"۔

عبداللہؓ بن حذافہ یہ خط لیکر کسریٰ کے دربار میں پہنچے۔ اس زمانے میں پے در پے شکستوں کے باعث ایرانیوں میں ضعف و اضمحلال سرایت کر چکا تھا۔ اور ان پر انتہائی پژمردگی چھائی ہوئی تھی۔ جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا خط خسرو پرویز کے پاس پہنچا تو اس نے خیال کیا کہ محمدؐ اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر اپنے لئے راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ایرانیوں کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے جنگِ ذی قار[1] میں جب عربوں نے ایرانیوں پر فتح پائی تو یہ خبر سُن کر آپؐ نے فرمایا تھا:۔

"آج پہلا روز ہے جب عجمیوں کے مقابلے میں عربوں سے انصاف ہوُا ہے۔ اور انہیں یہ فتح محض میری وجہ سے حاصل ہوئی ہے"۔

اس کے بعد ایرانیوں اور رُومیوں کی جنگوں کے زمانے میں بھی مسلمانوں نے رومیوں سے ہمدردی کے جذبات کا اظہار کیا۔ اور جب ایرانیوں نے رومیوں پر فتح پائی تو مسلمانوں کو یہ امر شاق گذرا۔ اور قرآن کریم میں رومیوں

---

[1] ذی قار بصرہ کے قریب ایک چشمہ کا نام ہے۔

کی فتح کی پیشگوئی کی گئی ؂

یہ اختلافات صرف افراد تک ہی محدود نہ تھے بلکہ اسلام اور مجوسیت میں بھی بُعد المشرقین تھا۔ مجوسیت کی بنیاد آگ کی پرستش اور اپنے بادشاہوں کو خدائی کا درجہ دینے پر تھی۔ لیکن اسلام وحدانیت کی تعلیم دیتا تھا۔ اختلافات کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ایرانی عربوں کو بہت حقیر سمجھتے تھے۔ اور اُن کے ساتھ بہت بُرا برتاؤ کرتے تھے ؂

یہی وجہ تھی کہ جب کسریٰ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا خط پڑھا تو یہ تمام چیزیں ایک ایک کر کے اس کے سامنے آگئیں۔ اور اس کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا۔ اس نے خط کو پھاڑ ڈالا اور یمن میں اپنے عامل باذان کو لکھا کہ دو بہادر آدمیوں کو فوراً حجاز بھیج دو جو اس شخص کو گرفتار کر کے میرے سامنے حاضر کریں۔ اِدھر جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو معلوم ہوا کہ کسریٰ نے آپ کے خط کو پھاڑ ڈالا ہے تو آپ نے فرمایا :۔ "اس نے میرے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا "

باذان نے شہنشاہ کے حکم کی تعمیل میں ایک شخص قہرمانہ بابویہ اور ایک دوسرے شخص کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی گرفتاری کے لئے مدینہ بھیجا۔ یہ دونوں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اور عرض کیا کہ شہنشاہِ کسریٰ نے شاہ باذان کو آپ کی گرفتاری کا حکم دیا ہے۔ اور باذان نے اس غرض کے لئے ہمیں بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ چلے چلیں تو وہ شہنشاہ کو لکھ کر آپ کا قصور معاف کرا دے گا لیکن اگر آپ انکار کرینگے تو اس کا خمیازہ آپ کو بہت بُری طرح بھُگتنا پڑیگا۔ وہ نہ صرف آپ کو ہلاک کر دے گا۔ بلکہ آپ کی قوم کو بھی تباہ کر کے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیگا ؛

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان کی باتیں سُن کر فرمایا :-

"اب تو جاؤ۔ کل آنا"!

اللہ کی قدرت کہ عین اسی رات کو کسریٰ پرویز اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اللہ تعالےٰ نے وحی کے ذریعے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اس کی اطلاع دے دی۔ آپ نے اگلے روز ان دونوں کو بلایا اور فرمایا۔ کہ "آج رات میرے خُدا نے تمہارے خُداوند کو ہلاک کر دیا"۔ وہ حیران ہو کر آپ کا منہ دیکھنے لگے اور بولے :-

"آپ کو پتہ بھی ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں ؟ ہم یہ باتیں اپنے بادشاہ کو لکھدیں"؟

آپ نے فرمایا :-

"ضرور لکھدو۔ اور یہ بھی لکھدو کہ وُہ وقت نزدیک ہے۔ جب

مسلمانوں کے گھوڑے تمام ایرانی سلطنت کو اپنے ٹاپوؤں تلے روند ڈالیں گے۔ اگر وہ اپنی جان کی خیر چاہتا ہے تو اسلام قبول کر لے۔ اسکا ملک اسی کے پاس رہے گا۔ اور یمن کے ایرانیوں پر بھی اس کی عملداری برقرار رہے گی۔

وہ دونوں اسی وقت مدینہ سے روانہ ہو کر باذان کے پاس یمن پہنچے۔ اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں سے آگاہ کیا۔ وہ سن کر کہنے لگا:۔

"خدا کی قسم! یہ باتیں کسی بادشاہ یا سردار کی نہیں ہو سکتیں۔ مجھے تو یہ دکھائی دیتا ہے کہ یہ شخص واقعی نبی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ غیب سے کیا وقوع میں آتا ہے۔ اگر یہ باتیں سچ نکلیں تب ہم یقیناً اسے اللہ کا رسول تسلیم کر لیں گے۔ ورنہ پھر دیکھیں گے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے"۔

ابھی زیادہ دن نہ گزرنے پائے تھے کہ باذان کے نام شیرویہ کا خط آیا جس میں لکھا تھا:۔

"واضح ہو کہ میں نے کسریٰ کو قتل کر دیا ہے۔ کیونکہ اس نے شرفاء اور معززین کی تذلیل و توہین پر کمر باندھ لی تھی۔ سلطنتِ ایران کے کئی مایۂ ناز فرزند اسکے حکم کے بموجب موت کے گھاٹ اُتار دیے

گئے تھے۔ دشمنوں نے اس کی غفلت سے فائدہ اُٹھا کر ہماری سرحدوں کو تاخت و تاراج کر دیا تھا۔ جب میرا یہ خط تمہارے پاس پہنچے تو لوگوں سے میری اطاعت کا حلف لو اور میرے باپ نے عرب کے جس شخص کی گرفتاری کا حکم دیا تھا اُسے فی الحال منسوخ سمجھو، جب تک کہ تمہارے پاس میری طرف سے کوئی قطعی حکم نہ پہنچے"۔

جب باذان نے یہ خط پڑھا تو کہنے لگا:۔

"واقعی یہ شخص نبی ہے"۔

چنانچہ اس نے فوراً اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی اطاعت اختیار کر لی۔ اس کے ساتھ یمن میں رہنے والے ایرانی بھی جنہیں ابنآء کہا جاتا تھا اسلام لے آئے اور یمن کا علاقہ ایرانیوں کی عملداری سے نکل کر حکومتِ مدینہ کے ماتحت آگیا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں سلطنتِ ایران کی تباہی کی داستان یہیں سے شروع ہوتی ہے۔

۱۱۔ اس خط و کتابت کا اثر

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی یہ خط و کتابت اپنے نتائج کے لحاظ سے یقینی طور پر کامیاب رہی۔ اسکے ذریعے حضور علیہ الصّلوٰۃ

والسّلام نے خدائی پیغام ایرانی اور رومی سلطنتوں تک پہنچا دیا۔ یہی وُہ دونوں حکومتیں تھیں جو اس وقت کی معلومہ دنیا کے اکثر حصّے پر چھائی ہوئی تھیں۔ کئی بادشاہوں اور امراء نے آپ کی پیش کردہ دعوت کو قبول کر لیا۔ اور جنہوں نے قبول نہ کیا ان میں سے بھی بیشتر نے آپ کے قاصدوں کی بہت خاطر و مدارات کی۔ اور ان سے تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔ اس خط و کتابت کے نتیجے میں جزیرۂ عرب کے تین اہم علاقوں عمان، بحرین اور یمن کے امرار حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ یہ علاقے اپنی زرخیزی اور دولت و ثروت کے لحاظ سے عرب کے دیگر تمام علاقوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ ان کا حکومت مدینہ کے زیر اثر آجانا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زبردست کامیابی تھی ؛

اس کامیابی کا دشمنانِ اسلام پر بھی خاطر خواہ اثر ہوا۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ ان کی سر توڑ مخالفت محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکی۔ اور ان کے حصّے میں مال و جان کے ضیاع اور ناکامی و نامرادی کے سوا اور کچھ نہ آیا۔ تو وہ اپنے موقف پر نظرِ ثانی کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔ بعض نے مخالفت میں کمی کر دی۔ اور بعض حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اطاعت قبول کر کے حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ اس ذہنی انقلاب کے نتیجے میں یہود کی ریشہ دوانیاں بھی ختم ہو گئیں اور قبائلِ

عرب کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کا سلسلہ منقطع ہو گیا
یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ یہ عظیم الشان انقلاب انتہائی قلیل عرصے میں خون کا
ایک قطرہ بہائے بغیر واقع ہو گیا ‫:‬

یہ سب کچھ نتیجہ تھا اس صُلح کا جو حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں اور قریش
کے درمیان ہوئی تھی۔ گو مسلمانوں کو اسکی بعض ظاہری شرائط ناگوار گذری
تھیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی دُور بین نگاہ سے دیکھ
لیا تھا کہ یہی شرائط آگے چل کر اسلام کی فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوں گی۔
چنانچہ واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی رائے
کتنی صائب اور آپکی نظر کس قدر دُور رس تھی۔ اللہ تعالےٰ نے اس
صلح کو فتح مبین کا نام دیا تھا۔ اور واقعی یہ صُلح مسلمانوں کیلئے فتحِ مبین ثابت
ہوئی۔ ان پر فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ اور یدخلون فی
دین اللہ افواجا کا نظارہ بہت جلد ان کے سامنے آ گیا ‫:‬

داخلی سیاست

فتح مکّہ سے وفات تک کے درمیانی عرصے میں

۱۔ مسلمانوں اور منافقین کے تعلّقات

پچھلے ابواب میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ منافقین کے متعلق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی پالیسی عفو و درگذر پر مبنی تھی مصلحت بھی یہی تھی۔ کہ ان سے نرمی اور چشم پوشی سے کام لیا جاتا۔ لیکن اب وقت آچکا تھا کہ منافقین سے وہی سلوک کیا جاتا جس کے وہ قرارِ واقعی مستحق تھے مکّہ فتح ہو چکا تھا۔ اور وہ قریش جن کی شہ پر منافقین نے سازشوں کا جال پھیلایا ہُوا تھا مسلمان ہو چکے تھے۔ دیگر قبائلِ عرب بھی جوق در جوق اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اطاعت قبول کر رہے تھے۔ اور اسلام بڑی تیزی سے عرب میں پھیل رہا تھا۔ انصار نے اپنے آپ کو اسلامی برادری میں اس حد تک جذب کر لیا تھا کہ وہ

ان منافقین سے قرابت کا تعلّق بھی فراموش کر چکے تھے - اور ان کا لحاظ کرنے کے لئے بالکل تیار نہ تھے - غرضیکہ اب منافقین کی کرتوتوں سے چشم پوشی کرنے اور ان کے ساتھ خصوصی رعایت برتنے کے لئے کوئی وجہ باقی نہ رہی تھی ۔

فتحِ مکّہ کے بعد منافقین پر بھی یاس و نومیدی طاری ہوگئی تھی - اور ان کی کاروائیاں بہت حد تک مدّھم پڑ گئی تھیں - لیکن کچھ عرصہ گذرنے کے بعد جب شام کے عیسائیوں سے مسلمانوں کی جنگ چھڑ گئی تو منافقین کے ولولے پھر تازہ ہو گئے - انہوں نے رُومیوں سے خُفیہ طور پر رابطہ پیدا کر کے ایک بار پھر اپنی ریشہ دوانیاں شروع کر دیں اور مسلمانوں میں بد دِلی اور خوف و ہراس پھیلانے لگے - اس مرتبہ وُہ بہت زیادہ پُر امید تھے - کیونکہ رُومی سلطنت مسلمانوں کے مقابلے میں سینکڑوں گُنا زیادہ طاقتور تھی - اور کوئی شخص بھی یہ خیال نہ کر سکتا تھا کہ مسلمان اُن کے مقابلے میں کامیاب و کامران ہو سکتے ہیں ۔

۹ھ میں غزوۂ تبوک کے موقع پر جب مسلمان اہلِ غسان سے مقابلے کی تیاریوں میں مشغول تھے تو منافقین نے ان میں بد دلی پھیلانے اور انہیں شام جانے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی - وہ زمانہ سخت گرمی اور قحط سالی کا تھا - اور مسلمان بہت تنگی کی حالت میں تھے - لہٰذا عبد اللہ

بن ابیؔ نے کہنا شروع کر دیا :-

"محمدؐ اس قدر بدحالی کے باوجود سخت گرمی میں اتنے دُور دراز علاقے کا سفر اختیار کر رہے ہیں۔ اُنھوں نے بنوالاصفر (رومیوں) سے لڑنا کھیل سمجھ رکھا ہے۔ مجھے تو ابھی سے ان کے ساتھی رومیوں کی رسیوں سے جکڑے ہوئے نظر آ رہے ہیں"۔

اس کے ساتھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جھوٹے عذرات تراش کر جنگ پر جانے سے معذوری ظاہر کرتے۔ بعض تو تمسخر اور استہزاء کرنے سے بھی نہ چوکتے تھے۔ چنانچہ چند لوگوں نے آ کر کہا :-

" یارسول اللہ! ہمیں مدینہ ہی میں رہنے کی اجازت مرحمت فرما دیجئے اور فتنے میں نہ ڈالئے۔ کیونکہ رُومیوں کی عورتیں بہت حسین ہوتی ہیں۔ انہیں دیکھکر ہمارے دل قابو میں نہ رہیں گے"۔

اس مرتبہ ان کی تدابیر یہاں تک کارگر ثابت ہوئیں کہ وہ بعض مخلص مسلمانوں کو بھی دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ وُہ لوگ ان منافقین کی باتوں میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر کو نہ نکلے۔ اور مدینہ ہی میں بیٹھ رہے۔ لیکن بعد میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوُا۔ اور وُہ جلد جلد سفر کی تیاریاں کر کے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اور راستے ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

مل کر اپنے فعل پر ندامت کا اظہار کیا۔

جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس غزوہ سے واپس تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے "سورۂ براۃ" نازل فرمائی۔ جس میں منافقین کی ناپاک روش کی وضاحت کرتے ہوئے ہدایت کی کہ ان سے اسی قسم کا سلوک کیا جائے جس کے وہ مستحق ہیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس غزوہ سے پیچھے رہنے کے متعلّق منافقین کے جھوٹے عذرات قبول کر لئے تھے۔ کیونکہ آپ خود نہ چاہتے تھے کہ وہ اس میں شرکت کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

عفا اللہ عنک لم اذنت لھم حتّٰی یتبیّن لک الّذین صدقوا وتعلم الکاذبین ۝ (سورۂ براءۃ ع ۷)

(ترجمہ) "اے رسول! اللہ تعالیٰ تمہاری غلطی کے بداثر کو مٹا دے۔ تم نے کیوں ان اجازت مانگنے والوں کو پیچھے رہنے کی اجازت دی تھی (تم ان کے جانے پر اصرار کرتے) یہاں تک کہ سچ بولنے والے تم پر ظاہر ہو جاتے۔ اور تمہیں جھوٹوں کا بھی علم ہو جاتا"۔

اس غزوہ کے کچھ عرصے بعد عبداللہ بن ابیّ مر گیا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ اور جنازے کے ساتھ قبرستان تک تشریف لے گئے۔ اس پر آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ

والسلام کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے اور جنازہ کی مشایعت کرنے سے منع کردیا۔ چنانچہ اسی سورۃ میں فرمایا:۔

ولا تصلّ علیٰ احد منھم مات ابداً ولا تقم علیٰ قبرہ انّھم کفروا باللہ ورسولہ وماتوا وھم فاسقون ٥

(سورۂ توبہ ع ۱۱)

(ترجمہ) "اگر ان منافقین میں سے کوئی مرجائے تو اے رسول! تم اسکی نماز جنازہ کبھی نہ پڑھو۔ اور نہ اس کی قبر پر دعا کے لئے کھڑے ہو۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور ایسی حالت میں مرے جب کہ وہ اطاعت سے خارج ہو چکے تھے۔"

چونکہ اب حالات نے واضح صورت اختیار کرلی تھی اور اسلام کو نمایاں فتوحات حاصل ہو چکی تھیں اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس طرزِ عمل کی وضاحت فرمادی جو آئندہ کے لئے منافقین سے روا رکھا جانے والا تھا۔ چنانچہ فرمایا:۔

یاایّھا النّبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم وماواھم جھنّم وبئس المصیر ٥ (سورہ توبہ رکوع ۱۰)

(ترجمہ) "اے نبی! کفار اور منافقوں سے جہاد کرو اور (پکّا انتظام کرکے) ان پر سختی سے حملہ کرو۔ ان کا ٹھکانا جہنّم ہے۔ اور رہنے کے لحاظ سے وہ بہت بری جگہ ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء دراصل یہ تھا کہ کفار سے جہاد کے لئے "تلوار استعمال کی جائے اور منافقین سے جہاد کے لئے زبان کو کام میں لایا جائے۔ اور نرمی اور عفو و درگذر کا جو سلوک پہلے اُن کے ساتھ ہوتا تھا اُسے بالکل ترک کر دیا جائے۔ کفار سے تلوار کا جہاد اس لئے ضروری تھا کہ وہ بھی ہمارے مقابلے میں تلوار استعمال کرتے تھے۔ لیکن منافقین زبان سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ گو بباطن ان میں اور کفار میں کوئی فرق نہ تھا۔ اور اسلام کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ جو شخص زبان سے اسلام کا اقرار کرتا ہو اس سے مسلمانوں کا سا سلوک ہی کیا جائیگا۔ اور اس کی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔ کیونکہ فرمودات خداوندی کے بموجب حکم ظاہر پر لگایا جاتا ہے۔ ان حالات میں منافقین سے جہاد کرنے کی یہی صورت تھی کہ ڈرا دھمکا کر انہیں انکے مذموم ارادوں سے باز رکھنے کی کوشش کی جاتی"

چنانچہ اسی پالیسی کے تحت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے آئندہ کے لئے منافقین پر سختی شروع کر دی۔ وہ لوگ "سویلیا" نامی ایک منافق یہودی کے یہاں جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کو چند مسلمانوں کے ہمراہ روانہ کیا کہ وہ جا کر

اس گھر کو آگ لگا دیں۔ چنانچہ انہوں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حکم کے بموجب اسے آگ لگا دی۔ منافق اس وقت وہیں بیٹھے اپنی سازشوں میں مصروف تھے۔ جب انہوں نے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوئے دیکھے تو گھبرا گئے اور گھر کے پیچھے سے کُود کر جانیں بچائیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ اَور بھی پیش آیا۔ منافقین نے مسجد قباء کی اہمیت گھٹانے اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کے لئے ایک مسجد بنائی تھی۔ چنانچہ مسجد کی تعمیر شروع کرتے وقت انہوں نے کہا :۔

"ہم یہ مسجد اس لئے بنا رہے ہیں تاکہ محمدؐ کے پیچھے نماز پڑھنے سے ہمارا پیچھا چھُوٹے۔ اگر وہ یہاں آکر نماز پڑھیں گے تو ان کے ساتھ ہم لوگ کھڑے ہونگے۔ اور ان لوگوں کو بالکل قریب نہ آنے دینگے جو ان کی مسجد میں ان کے ساتھ نماز پڑھا کرتے ہیں"۔

یہ مسجد غزوۂ تبوک سے تھوڑا عرصہ قبل بن کر تیار ہوئی تھی۔ اسکی تکمیل پر وہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے فلاں جگہ مسجد تعمیر کی ہے۔ آپ برکت کے لئے اس میں ایک نماز پڑھا دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جواب دیا کہ اب تو میں سفر پر جا رہا ہُوں واپسی پر ان شاء اللہ پڑھا دوں گا۔

جب حضورؐ اس غزوہ سے واپس آ رہے تھے تو آپ کو اسکی تعمیر کی اصل وجہ کا علم ہو گیا۔ جس پر آپؐ نے چند صحابہ کو حکم دیا کہ وہ جا کر اسے منہدم کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اس سختی کا اثر خاطر خواہ ہُوا۔ مدینہ میں منافقین کی تعداد روز بروز گھٹنے لگی اور ان کی سازشوں میں آہستہ آہستہ کمی واقع ہونے لگی۔ خصوصًا عبداللہ بن اُبی کی وفات کے بعد تو ان کی شوریدہ سری میں بہت ہی کمی آ گئی۔ کیونکہ سارے فتنے کی جڑ وہی تھا۔ اور تمام سازشوں کے پس پردہ اسی کا ہاتھ کام کرتا تھا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بیماری کے دوران میں اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ وہاں پر اس نے درخواست کی کہ جب مَیں مر جاؤں تو حضورؐ جنازے کی نماز پڑھائیں۔ اور قبر پر کھڑے ہو کر اس کے لئے دُعا کریں۔ بعد میں اس نے حضورؐ سے آپ کا ایک کرتہ منگوایا تاکہ اس میں اسے کفن دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے اسے اپنا کُرتہ بھجوا دیا۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے عرض کیا:۔

"یارسولؐ اللہ! آپ اپنا کُرتہ ایک نجس ناپاک شخص کو کیوں مرحمت فرما رہے ہیں؟"

حضورؐ نے فرمایا:۔

"میرا کرتہ اسے اللہ کے ہاں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ میرے اس سلوک کو دیکھ کر شاید اسے اللہ کی محبت نصیب ہو جائے"۔

منافقین عبداللہ بن اُبیّ کی بیماری کے دوران میں برابر اس کے پاس جمع رہتے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ خود ان کا سردار برکت حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کرتے کی درخواست کر رہا ہے تو اُن کے دِلوں پر پڑے ہوئے پردے ہٹ گئے۔ اور اس واقعہ کا ان کے دلوں پر ایسا اثر ہوُا کہ بیشتر لوگ سچے دِل سے اسلام لے آئے۔ آہستہ آہستہ منافقین کی تعداد اس قدر کم رہ گئی کہ مسلمانوں کی داخلی سیاست میں ان کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ اور وہ حرفِ غلط کی طرح نابُود ہو گئے۔

خارجی سیاست

فتحِ مکّہ سے وفات تک کے درمیانی عرصے میں

۱۔ مسلمانوں اور قریش کے تعلّقات

صُلح حدیبیہ کے موقع پر قریش نے چار سال کے لئے صُلح کی پیش کش کی تھی۔ اور رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اسے منظور کر لیا تھا۔ لیکن آپ نے اپنی طرف سے میعادِ صُلح میں اضافے کی کوئی تجویز پیش نہیں کی۔ کیونکہ قریش ہی نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو جنگ کے لیئے مجبور کیا تھا۔ اور جب ایک مرتبہ دو فریقوں میں جنگ چھڑ جائے تو ہر فریق کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیئے سر دھڑ کی بازی لگا دے۔ اور جب تک مقصود حاصل نہ ہو چین سے نہ بیٹھے۔ اب صُورت یہ تھی کہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں پر بیت اللہ کا حج فرض قرار دیا تھا۔ جیسا کہ فرماتا ہے:۔

انّ اوّل بیت وضع للنّاس للّذی ببکۃ مبارکاً وھدًی للعالمین ۝ (آل عمران رکوع ۱۰)

(ترجمہ) ''سب سے پہلا گھر جو تمام لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا وُہ ہے جو مکّہ میں ہے۔ وُہ تمام جہانوں کے لئے برکت کا مقام اور موجب ہدایت ہے''۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے کعبہ کو محض اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنایا تھا۔ لیکن بعد میں لوگوں نے یہاں بُت لاکر رکھدیئے اور ان کی پرستش کے لئے تمام عرب سے کھنچ کھنچ کر لوگ مکّہ آنے لگے۔ عرب کے ہر شخص کو کعبہ کی زیارت کرنے کی آزادی حاصل تھی۔ لیکن مُسلمانوں کیلئے اس کے دروازے مکمل طور پر بند تھے۔ اور اس میں خدائے واحد کی پرستش کرنا تو درکنار وُہ اس میں قدم بھی نہ رکھ سکتے تھے۔ حالانکہ ان سے زیادہ اور کوئی شخص کعبہ میں عبادت بجالانے کا مستحق نہ تھا۔ اب جبکہ ان کے اور قریش کے درمیان جنگوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا انہیں اپنی جدّوجہد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے، اپنے حقوق حاصل کرنے، کعبہ کو بُتوں سے صاف کرنے اور اسے دوبارہ خدائے واحد ولاشریک کی عبادت کے لئے خاص کرنے کا حق حاصل تھا۔ اور یہ اس وقت تک نہ ہو سکتا تھا جب تک ان جنگوں میں قریش شکست کھا کر مکمل طور پر مسلمانوں کے مطیع نہ ہو جاتے قریش

کے اطاعت قبول کرنے کے نتیجے میں دیگر قبائلِ عرب بھی اسلام قبول کر کے وحدت کی سلک میں منسلک ہو جاتے اور جنگ و جدل کا سلسلہ یکسر دُور ہو کر تمام عرب میں امن وامان کی فضا پیدا ہو جاتی ۔

صُلح حدیبیہ کی میعاد سنہ ۱۰ھ تک تھی۔ لیکن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دو سال ہی میں اس کے ثمرات سے پوری طرح مستفیض ہونے کا موقعہ مل گیا۔ اس قلیل مُدّت میں خیبر کے یہودیوں نے اطاعت قبول کی۔ قبائلِ عرب کثیر تعداد میں اسلام میں داخل ہوئے۔ جن قبائل کو اس وقت اسلام قبول کرنے کی توفیق نہ ملی ان میں سے بھی بیشتر مسلمانوں کی مخالفت سے باز آ گئے۔ اس صورتِ حال کا قدرتی نتیجہ یہ ہُوا کہ قریش بے یار و مددگار رہ گئے۔ اور ضعف و اضمحلال روز بروز ان میں سرایت کرنے لگا۔ خود انکے بہت سے نامور سردار اور بہادر انہیں چھوڑ کر مسلمانوں کی صفوں میں جا ملے ان لوگوں میں خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن العاص سرِفہرست ہیں۔ غرضیکہ صلح حدیبیہ کو ابھی دو سال نہ گذرنے پائے تھے کہ تمام عرب میں قریش کے سوا اور کوئی قبیلہ مسلمانوں کے مدِّمقابل نہ رہا۔ اور اب اشد ضرورت اس امر کی تھی کہ قریش کو مطیع کیا جاتا۔ تاکہ مسلمان ہر طرف سے بے پروا ہو کر شام کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتے۔ جہاں شامیوں کی جارحانہ کارروائی کی بدولت ایک نیا محاذِ جنگ کُھل گیا تھا۔ اور قریش سے کہیں زیادہ

طاقتور دشمن مسلمانوں کے مقابلے میں صف آرا تھا ۔

گو سیاسی مصلحتیں اسی امر کی متقاضی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موقعہ سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بلا جھجک قریش پر حملہ کر کے ان کی دم توڑتی ہوئی طاقت کو ختم کر دیتے۔ اور کل عرب کو حکومتِ مدینہ کے ماتحت لے آتے۔ لیکن معاہدۂ صلح کی موجودگی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اسکی خلاف ورزی کرنا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ اور نہ ہی آجکل کی میکاولی سیاست کی طرح اسلام سیاسی مصلحتوں کی آڑ لے کر عہد شکنی کی اجازت دیتا ہے ۔

اس مشکل کا حل اللہ تعالیٰ نے خود مہیا کر دیا۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عہد شکنی کا الزام بھی نہ آیا۔ اور قریش کو بھی شرک کی گمراہی سے نجات مل گئی۔ مزید برآں خود قریش نقضِ عہد کے مرتکب ٹھہرے یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ قبیلہ بنو بکر نے جس نے صلح حدیبیہ کی بنا پر قریش سے دوستی کا معاہدہ کیا ہوا تھا اپنے ایک حریف قبیلے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا جس میں قریش نے بھی خفیہ طور پر سامانِ جنگ اور آدمیوں کے ذریعہ مدد کی۔ اس حملے میں بنو خزاعہ کے بیس کے قریب آدمی مارے گئے۔

جس طرح بنو بکر قریش کے حلیف تھے ۔ اسی طرح بنو خزاعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوستی کا معاہدہ کیا ہوا تھا۔ اس لئے بنو خزاعہ

کا ایک وفد اس تمام واقعہ کی اطلاع دینے اور قریش کی کارستانی کی خبر کرنے کے لئے عمرو بن سالم کی زیر سرکردگی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے پاس مدینہ پہنچا۔ اس وقت حضورؐ مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے اور آپ کے اردگرد صحابہ موجود تھے۔ عمرو بن سالم نے حضورؐ کو دیکھ کر مندرجہ ذیل اشعار میں اپنی فریاد پیش کی :۔

یارب انی ناشد محمّدا   حلف ابینا وابیہ الاتلدا

فانصر ھداك اللہ نصرًا اعتدا   وادع عباد اللہ یاتوا مددا

فی فیلق کالبحر یجری مزبدا   انّ قریشا اخلفوك الموعدا

ونقضوا میثاقك المؤکدا   وجعلوا لی فی کداء رصّدا

وزعموا أن لست ادعوأحدا   وھم أذلّ واقلّ عددا

ھم بیّتونا بالوتیر ھجّدا

وقتلونا رکّعا وسجّدا

(ترجمہ) "اے پروردگار! میں محمدؐ کو دوستی کا وہ قدیم معاہدہ یاد دلاتا ہوں جو ہمارے اور ان کے آباؤاجداد کے درمیان ہوُا تھا۔ اے محمدؐ! آپ ہماری اعانت کیجئے اور اللہ کے بندوں کو بھی ہماری مدد کے لئے بلائیے کیونکہ قریش نے اپنے وعدے کی خلاف ورزی کی ہے اور ہمیں بے یارومددگار حقیر وذلیل اور کمزور سمجھ کر ہم پر شبخون مارا ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فریاد سُن کر فرمایا :۔

" اے عمرو بن سالم ! یقیناً تمہاری مدد کی جائے گی ۔ خدا کی قسم ! میں اسی طرح تمہاری حفاظت کروں گا جس طرح اپنی کرتا ہوں "۔

اسی دوران میں آسمان پہ ایک بدلی آگئی ۔ آپ نے فرمایا :۔

" یہ بدلی بنو کعب (بنو خزاعہ) کی مدد کے لئے آئی ہے "۔

دریں اثنار قریش کو بھی احساس ہو چکا تھا کہ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد شکنی کر کے اچھا کام نہیں کیا ۔ اگر پہلے کی طرح قریش طاقتور ہوتے تب تو انہیں پروا بھی نہ ہوتی ۔ لیکن اب بات دوسری تھی ۔ اب طاقت کا توازن ان کے ہاتھ سے نکل کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں جا چکا تھا ۔ اور خالدؓ بن ولید جیسے بہادر سپہ سالار اور عمروؓ بن العاص جیسے زیرک اور بلند پایہ سیاستدان ان کا ساتھ چھوڑ کر مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو چکے تھے ۔ اس لئے انہیں خدشہ پیدا ہوا کہ معاہدہ توڑنے کے نتیجے میں کہیں مسلمان مکہ پر چڑھائی نہ کر دیں ۔ چنانچہ اُنہوں نے مناسب سمجھا کہ قبل اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عہد شکنی کی خبر ہو اُن کا ایک آدمی مدینہ جا کر صلح کی تجدید اور مدتِ معاہدہ میں توسیع کر آئے ۔ اس کے لئے اُنہوں نے ابو سفیان بن حرب کو متقرر کیا ۔ لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ بنو خزاعہ کے وفد کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی

تمام واقعے کی اطلاع مل چکی ہے ۔

ابوسفیان مکّہ سے روانہ ہوکر مدینہ پہنچا۔ اور سب سے پہلے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت اُم حبیبہ رضؓ سے ملنے گیا۔ گھر میں ایک بستر بچھا ہوا تھا۔ اس نے اس پر بیٹھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن حضرت ام حبیبہؓ نے فوراً اسے لپیٹ لیا۔ ابوسفیان کہنے لگا۔

"بیٹی! تم اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھتیں یا مجھے اس بستر پر بیٹھنے کے لائق نہیں سمجھتیں"؟

حضرت ام حبیبہؓ نے جواب دیا:۔

"یہ بستر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہے۔ اور تم ایک مشرک اور ناپاک انسان ہو۔ اس لئے تم اس بستر پر نہیں بیٹھ سکتے"۔

ابوسفیان کہنے لگا:۔

"بیٹی! میرے بعد تو شر میں مبتلا ہوگئی ہے"۔

یہاں سے نکل کر وہ مسجدِ نبوی میں پہنچا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے اپنے آنے کی غایت بیان کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے پوچھا:۔

"کیا کوئی نئی بات پیدا ہوگئی ہے جو تم معاہدے کی تجدید اور توسیع کے لئے آئے ہو"؟

اس نے کہا :۔

"نہیں۔ نئی بات تو کوئی پیدا نہیں ہوئی البتہ ہم مزید اطمینان کی خاطر معاہدے کی تجدید اور توسیع چاہتے ہیں "۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"تم خاطر جمع رکھو ہم معاہدے پر پوری طرح کاربند رہیں گے اور ہماری جانب سے اس کی خلاف ورزی نہ ہوگی "۔

ابوسفیان کے دل میں چونکہ چور تھا۔ اس لئے اس نے حضورؐ کی یقین دہانی کے باوجود معاہدے کی تجدید پر اصرار کیا۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ یہاں سے مایوس ہو کر وہ اکابر مہاجرین کے پاس پہنچا۔ اور انہیں اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کی۔ لیکن وہاں بھی اسے ناکامی نصیب ہوئی۔ اور کسی نے بھی اس معاملے میں اس کی مدد کرنے کی حامی نہ بھری۔ چنانچہ وہ ناکام و نامراد مکہ واپس چلا گیا +

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر کامل انخفاء سے کام لیا۔ اور ابوسفیان پر یہ بات ظاہر نہ ہونے دی کہ آپ کو قریش کی عہد شکنی کا علم ہو چکا ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ قریش پر بے خبری کی حالت میں حملہ کیا جائے تاکہ انہیں جنگ کے لئے تیار ہونے کی مہلت نہ مل سکے۔ اور مسلمان کسی قسم کی خونریزی کے بغیر مکہ پر قابض ہو سکیں۔ ادھر جب

ابوسفیان ناکام مکہ واپس پہنچا۔ تو قریش کو خیال پیدا ہوا کہ ہو نہ ہو اس پر بھی محمدؐ کی باتوں کا اثر ہو گیا ہے۔ یہ مدینہ میں اسلام قبول کر آیا ہے اور یہاں آکر بہانے بنا رہا ہے۔ انہوں نے اُسے بہت بُرا بھلا کہا۔ اور اپنے اس خدشے کا اظہار کیا۔ اس نے کعبے میں جاکر بُتوں کی قسم کھا کر کہا کہ اس نے ہرگز اسلام قبول نہیں کیا۔ تب کہیں جاکر قریش کو اس کی باتوں کا یقین ہوا۔

ابوسفیان کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خفیہ طور پر سفر کی تیاری شروع کر دی۔ چونکہ حضورؐ اس مہم کو بالکل خفیہ رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ کے سوا اور کسی شخص کو منزل مقصود کا پتہ نہیں دیا۔ صحابہؓ کو تیاری کا حکم دینے کے ساتھ آپ نے مدینہ کے نواحی قبائل اسلم، غفار، مزینہ، اشجع اور جہینہ وغیرہ کو پیغام بھیجا کہ وہ بھی جہاد کے لئے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ چند ہی دن میں دس ہزار کا عظیم الشان لشکر جمع ہو گیا جسے لیکر آپ مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ مدینہ سے لیکر مکہ تک تمام راستے میں آپ نے پہرے دار مقرر کر دیئے تاکہ منافقین لشکر کی خبریں قریش کو پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ جب آپ مکہ کے قریب مرالظہران مقام پر پہنچے تو حکم دیا کہ تمام میدان میں آگ روشن کر دی جائے۔ حکم کی دیر تھی کہ دس ہزار جگہ آگ یکدم شعلہ زن ہو گئی۔ جو دیکھنے والوں کے لئے ایک ہیبت ناک منظر پیش کرتی تھیں۔

اتنے بڑے لشکر کی آمد کی خبر چھپ تو نہ سکتی تھی۔ قریش کو علم ہو ہی گیا۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ لشکر کی تعداد کیا ہے اور وہ کس جانب سے مکہ کی طرف چلا آ رہا ہے۔ انہوں نے مکمل اطلاعات حاصل کرنے کے لئے ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بُدیل بن ورقاء کو بھیجا۔ جب وہ مرالظہران پہنچے تو وہاں ہزاروں آگیں شعلہ زن دیکھیں۔ جنہیں دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ابوسفیان اپنے دونوں ساتھیوں سے کہنے لگا:۔

"یہ کیا ہے؟ یہاں تو بالکل میدانِ عرفات کا نظارہ معلوم ہوتا ہے"

بدیل کہنے لگا:۔

"ہو نہ ہو یہ خزاعہ کا لشکر ہے"

ابوسفیان نے کہا:۔

"خزاعہ کے لوگوں کی اتنی تعداد کہاں؟ یہ تو بہت بھاری لشکر ہے"

اسی دوران میں لشکر کے پہرے داروں کی نظر ان پر پڑ گئی۔ اور وہ انہیں گرفتار کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لے آئے۔ وہاں پہنچ کر ابوسفیان کو مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑا۔ چونکہ وہ قریش کا سردار تھا۔ اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چاہا کہ اسے لشکر کی

شان و شوکت کا نظارہ کرایا جائے۔ یہ کام آپ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کے سپرد کیا۔ وہ اسے ایک ٹیلے پر لے گئے۔ جس کے نیچے سے اسلامی لشکر کے دستے یکے بعد دیگرے گذر رہے تھے۔ جب انصار کا دستہ گذرا اور اس کے علمبردار حضرت سعدؓ بن عبادہ نے ابو سفیان کو دیکھا تو انہوں نے پکار کر کہا :-

"آج لڑائی کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حُرمت زائل ہو جائیگی"

جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا :-

"سعد نے غلط کہا، آج کے دن اللہ تعالٰے کعبہ کو عزّت عطا فرمائے گا"

اس کے بعد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حکم دیا کہ آپ کا جھنڈا حجونؔ[1] پر گاڑا جائے۔ جب کوچ کا وقت آیا تو آپ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو زیرین مکّہ سے شہر میں داخل ہونے کی ہدایت کی۔ اور خود بالائی حصے سے داخل ہوئے۔ شہر میں داخل ہو کر آپ نے باشندوں کے لئے امن عام کا اعلان کر دیا۔ حضورؐ کے اس حُسنِ سلوک کو دیکھ کر مکّہ کے بیشتر باشندے اسلام لے آئے۔ اور حضور کا مقصد پورا ہو گیا۔ بعض خونی مجرموں کے متعلق قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن جب وُہ اپنے گذشتہ اعمال پر

---

[1] کعبہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے۔

ندامت کا اظہار کر کے اسلام لے آئے تو آپ نے اُنہیں بھی معاف فرما دیا۔

گذشتہ واقعات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شروع ہی سے اپنی قوم سے انتہائی مروّت کا سلوک کیا۔ بعثت کے بعد تیرہ سال تک آپ مکّہ میں رہے اور آپ کی قوم نے آپ پر سخت سے سخت مظالم ڈھائے لیکن آپ نے اُف تک نہ کی اور تکالیف اور مصائب کو بڑے صبر اور استقلال سے برداشت کیا۔ ہجرت کے بعد جب قریش نے مدینہ پر پے در پے حملے کرنے شروع کیے تب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو مجبوراً جواب دینا پڑا۔ لیکن لڑائیوں کے دوران میں بھی جب کبھی آپکو موقعہ ملا۔ آپ نے اپنے دشمنوں پر احسان کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ آخر وہ وقت بھی آیا جب قریش کی طاقت و قوّت زائل ہو گئی اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بغیر لڑے بھڑے مکّہ پر قابض ہو گئے۔ اس وقت اگر آپ چاہتے تو پچھلے تمام مظالم کا ایک ایک کر کے انتقام لے سکتے تھے لیکن آپ نے عفو اور ترحّم سے کام لیکر سب کو معاف کر دیا۔ جب قریش نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اس بے نظیر حسن سلوک کا مشاہدہ کیا تو ان کے دل بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور وہ پچھلی بد اعمالیاں ترک کر کے سچے دل سے اسلام لے آئے۔

۲۔ مُسلمانوں اور دیگر قبائلِ عرب کے تعلقات

اس عرصے میں بشیتر قبائلِ عرب یا تو اسلام قبول کر چکے تھے یا اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوستی کے معاہدے کر لئے تھے البتہ مکہ کے قریب ہوازن اور ثقیف وغیرہ چند قبائل ایسے تھے جنہوں نے ابھی تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت ترک نہ کی تھی۔ جب حضورؐ نے اچانک مکّہ پر قبضہ کر لیا تو انہیں سخت طیش آیا۔ اور انہوں نے بیش قدمی کر کے خود مسلمانوں پہ حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ تاکہ قبل اس کے کہ مسلمان مکّہ میں اپنے قدم جما سکیں۔ اور دین اسلام باشندگانِ مدینہ کے دِلوں میں راسخ ہو سکے وہ مسلمانوں کی طاقت کو ختم کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے مالک بن عوف کو اپنا سپہ سالار مقرر کیا۔ اور جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ مالک بن عوف نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے اہل و عیال، مال و منال اور مویشیوں کو ساتھ لے چلے۔ تاکہ جب جنگ شروع ہو تو اپنے مال و متاع کو سامنے دیکھ کر وہ جان توڑ کر لڑے۔ صف بندی کے وقت بھی اس نے اسی امر کا خیال رکھتے ہوئے لڑنے والے مردوں کے پیچھے سب سے پہلے عورتوں کو رکھا۔ پھر اُونٹوں کو، پھر گایوں کو اور پھر بھیڑ بکریوں کو ؎

جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ہوازن اور ثقیف کی جنگی تیاریوں کا علم ہؤا تو آپ نے بھی ان کے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس مرتبہ آپ نے اس فوج کے علاوہ جو آپ کے ہمراہ مدینہ سے آئی تھی اہل مکہ کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ حنین[1] کے مقام پر فریقین کا مقابلہ ہؤا۔ جس میں مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوئی۔ اور انہیں کافی مال غنیمت حاصل ہؤا ؛

ثقیف اور ہوازن کی شکست خوردہ فوج نے طائف جاکر پناہ لی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بھی فوج کو ہمراہ لے کر طائف روانہ ہوئے۔ طائف کا فتح ہونا بہت ضروری تھا۔ کیونکہ مکّہ اور مدینہ کے بعد حجاز کا سب سے اہم شہر وہی تھا۔ اٹھارہ دن تک محاصرہ جاری رہا۔ چونکہ طائف والوں نے قلعہ میں سال بھر کا سامان رسد جمع کر رکھا تھا اسلئے اس کی فتح میں بہت دشواری پیش آرہی تھی۔ بالآخر رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے منجنیق نصب کرنے کا حکم دیا۔ اور مسلمانوں نے دبابوں کے نیچے گھس کر فصیل میں سرنگ لگانی چاہی۔ لیکن اہلِ طائف نے پگھلا ہؤا لوہا پھینک کر انہیں فصیل سے ہٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ اور

---

[1] حنین کی وادی مکہ سے تین میل کے فاصلے پر ذی المجاز کے قریب طائف کے راستے میں واقع ہے ؛

کوئی چارۂ کار نہ دیکھکر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حکم دیا کہ انکے انگوروں اور کھجوروں کے باغات تباہ کر دئیے جائیں۔ یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی۔ ابھی چند ہی درخت کٹے تھے کہ اہلِ طائف نے رحم وکرم کی التجائیں کرنی شروع کر دیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے رحم کھا کر مسلمانوں کو مزید درخت کاٹنے سے منع کر دیا۔ اور نوفل بن معاویہ سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئیے۔ اُنہوں نے کہا:۔

"یا رسولؐ اللہ! لومڑی بھٹ میں گھُس گئی ہے۔ اگر انتظار کریں تو پکڑی جائے گی۔ لیکن اگر چھوڑ دیں تب بھی آپ کو ضرر نہیں پہنچائے گی"۔

آپ نے یہ مشورہ قبول کر لیا۔ اور مسلمانوں کو کوچ کا حکم دے دیا۔ بعض مسلمانوں نے آپ سے درخواست کی کہ ان کی ہدایت کے لئے دُعا فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے دُعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ طائف کو بہت جلد اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمادی۔

۳۔ وفود کی مدینہ میں آمد

غزوۂ حنین پر عربوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی جنگوں خاتمہ ہوگیا۔ چونکہ مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہو چکا تھا اس لئے قبائلِ عرب

جوق در جوق مدینہ آکر اسلام قبول کرنے لگے۔ ابھی آپ مکہ ہی میں مقیم تھے کہ ہوازن کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ ہمارا سارا قبیلہ اسلام لے آیا ہے آپ مہربانی فرما کر ہمارے قیدی واپس کر دیجئے۔ آپ نے کمال مہربانی سے ان کے قیدی اور اموالِ غنیمت انہیں واپس کرنے کا حکم دے دیا۔ ہوازن کے علاوہ ثقیف، بنو عبد القیس، طی، کندہ اور دیگر عرب قبائل کے وفود بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنے اپنے قبیلے کی طرف سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اظہارِ وفاداری کیا۔ بہت ہی قلیل عرصے میں اسلام عرب کے اطراف و جوانب میں پھیل گیا اور چند قبائل کے سوا باقی تمام قبائل شرک کو ترک کر کے اسلام کی آغوش میں آ گئے۔

۴۔ مسلمانوں اور مشرکوں کے مابین معاہدات کا خاتمہ

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور مشرکین کے مابین معاہدات دو طرح پر تھے۔ بعض معاہدے عام نوعیت کے تھے۔ مثلاً یہ کہ حج کے فریضے کی ادائیگی سے کسی شخص کو روکا نہیں جائیگا۔ اور حرمت والے مہینوں میں ہر قسم کے جنگ وجدل کا سلسلہ بند رہے گا۔ لیکن بعض معاہدے خاص نوعیت کے تھے اور یہ وہ معاہدے تھے جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

اور بعض عرب قبائل کے درمیان خاص مدت کے لئے طے پائے تھے۔ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ اور کعبہ کو بتوں سے پاک کر کے اسے دوبارہ اس مقصد کے لئے خاص کر دیا گیا جس کے پیش نظر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ مشرکین نے کعبہ کو بت خانہ بنانے کے علاوہ اور بھی کئی قبیح رسومات جاری کی ہوئی تھیں۔ منجملہ دیگر رسوم کے ایک رسم یہ بھی تھی کہ حج کے موقعہ پر مرد و عورت ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے۔ اسلام ان مخرب اخلاق رسوم کا کسی طرح روادار نہ تھا۔ نہ ہی تہذیب و شرافت ان باتوں کی اجازت دیتی تھی۔ اس لئے فتح مکہ کے معاً بعد یکسر ان باتوں کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اس طرح گو یہ معاہدہ تو باطل ہو گیا کہ ہر شخص کو بلا روک ٹوک حج کرنے کی اجازت ہو گی۔ لیکن اسکے نتیجے میں عربوں کو ایک بہت بڑی گندگی سے نجات مل گئی۔

اس عرصے میں اسلام عرب کے اطراف و جوانب میں پھیل چکا تھا۔ اور چند بدوی قبائل کے علاوہ باقی تمام قبائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت قبول کر کے حکومتِ مدینہ کے ماتحت آچکے تھے۔ اب تمام عرب مسلمانوں کے زیر نگیں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل تھا کہ ملکی مصالح کو پیش نظر رکھ کر نظم و نسق چلانے کے لئے جو تدابیر مناسب سمجھیں اختیار کریں۔ جو قبائل ہنوز شرک پر قائم تھے انہیں سرزمین

عرب پر مسلمانوں کا تسلط سخت ناگوار تھا۔ اور وہ بدستور قدیم بدویانہ طرزِ معیشت پر کاربند رہنا چاہتے تھے وہ کسی اصول اور ضابطے کے پابند نہ تھے۔ لوٹ مار اور قتل و غارت ان کا پیشہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت اپنی حدود میں بدامنی اور انتشار کو کسی صورت میں روا نہ رکھ سکتی تھی۔ اس کے علاوہ حکومتِ شام سے بھی چپقلش شروع ہو چکی تھی۔ یمن کا صوبہ ہاتھ سے چھن جانے پر حکومتِ ایران بھی پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ ان حالات میں عربوں کی صفوں میں کامل یک جہتی ضروری تھی۔ اور وہ اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ قدیمی معاہدات پر نظرِ ثانی کی جاتی۔ کیونکہ وہ بالکل مختلف حالات میں ترتیب دئے گئے تھے۔ چنانچہ ۹ھ میں سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ جن میں مشرکین کے متعلق قطعی پالیسی کا اعلان کر دیا گیا۔ جن مشرکین نے اپنے عہد و پیمان کا پاس نہیں کیا۔ اور بار بار عہد شکنی کرتے رہے، انہیں چار مہینے کی مہلت دی گئی کہ وہ اس عرصے میں سرزمین عرب میں جہاں چاہیں پھر لیں۔ البتہ جن لوگوں نے عہد شکنی نہیں کی اور اپنے معاہدوں پر کاربند رہے ان کے متعلق حکم دیا گیا کہ معاہدہ ختم ہونے تک مسلمان بھی ان سے تعرض نہ کریں۔ البتہ مدتِ ختم ہو جانے کے بعد تجدیدِ معاہدہ کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اور تمام عام اور خاص معاہدے ختم سمجھے جائیں گے۔ جن آیات میں اس

پالیسی کا اعلان کیا گیا وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر واعلموا انکم غیر معجزی اللہ وان اللہ مخزی الکافرین ٥

واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بریء من المشرکین ورسولہ۔ فان تبتم فھو خیر لکم وان تولیتم فاعلموا انکم غیر معجزی اللہ ط و بشر الذین کفروا بعذاب الیم ٥ الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئاً ولم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم ان اللہ یحب المتقین ٥

فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد ج فان تابوا واقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ فخلوا سبیلھم ط ان اللہ غفور رحیم ٥

وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ ذالک بانھم قوم

لا یعلمون ٥

کیف یکون للمشرکین عهد عند اللّٰہ وعند رسولهٖ الّا الّذین عاهدتم عند المسجد الحرام ج فما استقاموا لکم فاستقیموا لهم ط انّ اللّٰه یحبّ المتّقین ٥

کیف وان یّظهروا علیکم لا یرقبوا فیکم الًّا وّلا ذمّة ط یرضونکم بافواههم وتابیٰ قلوبهم ج واکثرهم فٰسقون ٥ اشتروا بأیٰت اللّٰه ثمنًا قلیلًا فصدّوا عن سبیله ط انّهم سآء ما کانوا یعملون ٥

لا یرقبون فی مومنٍ الًّا ولا ذمّة ط واولٰٓئک هم المعتدون ٥ فان تابوا واقاموا الصّلٰوة واٰتوا الزّکٰوة فاخوانکم فی الدّین ونفصّل الأیات لقومٍ یعلمون ٥

وان نکثوا ایمانهم من بعد عهدهم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمّة الکفر لا انّهم لا ایمان لهم لعلّهم ینتهون ٥

الا تقاتلون قومًا نکثوا ایمانهم وهمّوا باخراج الرّسول وهم بدءوکم اوّل مرّة ط اتخشونهم ج فاللّٰه احقّ ان تخشوه ان کنتم مومنین ٥ (سورۂ توبہ رکوع ۱و۲)

(ترجمہ)" اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں سے براۃ کا اعلان کیا جاتا ہے جن سے تم نے شرط باندھی تھی (کہ تمہاری فتح ہوگی اور ان کی شکست) چنانچہ ملکِ عرب میں چار مہینے پھر کر دیکھ لو اور جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو ہرا نہیں سکتے۔ اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالےٰ کفار کو رُسوا کر کے چھوڑے گا ۔

اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے تمام لوگوں میں حجّ اکبر کے دن یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسی طرح اس کا رسولؐ بھی مشرکوں کے سب الزاموں سے بری ہو چکے ہیں (اور مکہ فتح ہو چکا ہے) سو اگر اس نشان کو دیکھ کر تم توبہ کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ اور اگر تم پیٹھ پھیر لو تو جان لو کہ تم ہرگز اللہ کو نہیں ہرا سکتے۔ اور اے رسول! تو کفّار کو خبر دے دے کہ ان کے لئے ایک دردناک عذاب مقدّر ہے ۔

ہاں مشرکوں میں سے جن سے تُم نے عہد کیا ہے۔ پھر انہوں نے تم سے بالکل عہد شکنی نہیں کی اور تمہارے خلاف کسی کی مدد نہیں کی۔ تم انکے عہد کو ان عہدوں کی مدّتِ مقررہ تک نباہو (اور ان کو ملک سے نہ نکالو) اللہ تعالیٰ یقیناً متقیوں کو پسند کرتا ہے ۔

پس جب وُہ چار مہینے گزر جائیں (جن میں عرب کے کافروں سے

اُوپر کی آیات میں لڑائی سے منع کیا گیا تھا مگر پھر بھی وُہ معاہدہ کی طرف راغب نہیں ہوئے۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے مسلمانوں سے لڑ رہے تھے) تو مشرکوں کے اس خاص گروہ کو جہاں بھی پاؤ قتل کرو اور ان کو گرفتار کر لو اور ان کو ان کے قلعوں میں محصور کر دو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کے لئے بیٹھو۔ پس اگر وُہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ کھول دو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً بڑا بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے ؃

اور مشرکوں میں سے اگر کوئی تم سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سُن لے۔ پھر اس کو اس کی امن کی جگہ تک پہنچا دے کیونکہ وہ ایسی قوم ہے جو حقیقت کو نہیں جانتی ؃

اللہ اور اس کے رسول مشرکوں سے کس طرح عہد و پیمان کر سکتے ہیں۔ سوائے ان مشرکوں کے کہ جن کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا تھا۔ پس جب تک وُہ تمہارے (مقابلے پر) اپنے عہد پر قائم ہیں۔ تم بھی ان کے ساتھ معاہدے پر قائم رہو۔ اللہ تعالیٰ عہد توڑنے سے بچنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے ؃

(ہاں اس قسم کے مشرکوں کو کوئی رعایت) کس طرح (دی جا سکتی) ہے کیونکہ وُہ اگر تم پر غالب آجائیں تو تمہاری کسی رشتے داری یا معاہدے کی

پروا نہیں کرینگے۔ وُہ تم کو بناوٹی باتوں سے خوش رکھتے ہیں حالانکہ ان کے دل ان باتوں سے انکار کرتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر عہد و پیمان کو توڑنے والے ہوتے ہیں ٭

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے میں ایک حقیر سی قیمت وصول کی ہے۔ اور اس کے راستے سے لوگوں کو روکا ہے۔ یقیناً انکے اعمال بہت بُرے ہیں ٭

کسی مومن کے بارے میں بھی وہ رشتے داری کا لحاظ نہیں کرتے نہ عہد و پیمان کا اور وُہ حد سے بڑھے ہوئے ہیں ٭

پس اگر وہ توبہ کرلیں اور نمازوں کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو دین میں تمُہارے بھائی ہیں۔ اور ہم اپنی آیات کو علم والی قوم کیلئے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ٭

اور اگر یہ لوگ اپنے عہد و پیمان کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ کریں تو ایسے سرداران کفر سے لڑائی کرو تاکہ وہ شرارتوں سے باز آجائیں۔ کیوں کہ ان کی قسموں کا اعتبار نہیں ٭

اے مومنو! کیا تم اس قوم سے نہیں لڑوگے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو اس کے گھر سے نکالنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور تم سے

جنگ چھیڑنے میں اُنہوں نے ہی ابتدا کی۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو اگر تم مومن ہو تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو ''۔

ان آیات کے نزول سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم حضرت ابوبکرؓ کو امیر الحج بنا کر روانہ فرما چکے تھے۔ ابھی وُہ راستے ہی میں تھے کہ یہ آیات نازل ہوئیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ وہ حجِ اکبر کے دن مجمعِ عام میں یہ اعلان سُنا دیں چنانچہ حضرت علیؓ مدینہ سے روانہ ہو کر راستہ ہی میں حضرت ابوبکرؓ سے مل گئے۔ اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے فرمان کے مطابق میدانِ عرفات میں یہ اعلان سب لوگوں کے سامنے سُنا دیا اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا کہ آج کے بعد کوئی مشرک حج نہ کر سکیگا اور نہ کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف کر سکے گا۔

مشرکین کے خلاف اس کارروائی کے باعث اسلام پر جبر و اکراہ کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ اس تمام کارروائی کے ذمہ دار خود مخالفینِ اسلام تھے۔ تئیس سال تک انہوں نے مسلمانوں کو ایک پل کے لئے بھی چین نہ لینے دیا۔ غلبۂ اسلام کے بعد بھی مسلمانوں سے ان کے بغض و عداوت

میں کمی نہ آئی۔ اگر انہیں ان کے حال پر قائم رہنے دیا جاتا اور ان سے تعرض نہ کیا جاتا تو آگے چل کر یہی چند قبائل مسلمانوں کے لئے مارِ آستین بن جاتے اور وہ دل جمعی سے ایرانیوں اور رومیوں کا مقابلہ نہ کر سکتے جو مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے پر تولے کھڑے تھے۔ ایسے خوں خوار لشکروں سے مقابلے کے لئے لازمی تھا کہ تمام عرب سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد و منظم ہوتے۔ اور ان کے درمیان کوئی ایسا عنصر موجود نہ ہوتا جو وقت پڑنے پر ان کی بجائے ان کے دشمنوں کا معین و مددگار ثابت ہوتا۔

۵۔ شورشیں

اسلام کی ترقی بعض قبائل کو خار کی طرح کھٹک رہی تھی۔ یمن میں قحطان اور یمامہ میں ربعیہ کے بعض قبائل کو سرزمینِ عرب میں مسلمانوں کا تسلط سخت ناگوار تھا۔ چنانچہ ان قبائل نے حکومتِ مدینہ کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔ ان شورشوں کے پیچھے ان علاقوں کے عیسائیوں کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا۔ کیونکہ عرب کے جنوبی حصے میں مسلمانوں کی راہ میں مشکلات پیدا کر کے وہ اپنے ہم مذہب رومی عیسائیوں کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ جو اس وقت شام میں مسلمانوں سے برسرِ پیکار تھے۔

سب سے پہلے اسود عنسی نے بغاوت پر کمر باندھی۔ یہ شخص اسلام لے آیا تھا لیکن بعد ازاں مرتد ہو کر نبوّت کا دعویٰ کر دیا اور شعبدہ بازیوں اور فریب کاریوں کے ذریعے جاہل لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کرنے لگا۔ اس کے ہم قوم لوگوں کے علاوہ نجران کے عیسائیوں نے بھی اسے امداد کا یقین دلایا۔ چنانچہ وہ اپنی جمعیت لے کر پہلے نجران پہنچا۔ اور وہاں سے یمن کے دارالحکومت صنعاء کی طرف پیش قدمی کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ یمن میں اس کا اقتدار قائم ہونے کے باعث اسے بڑی اہمیت حاصل ہو گئی اور خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر اس فتنہ کی بروقت روک تھام نہ کی گئی تو اس سے سلطنت اسلامیہ میں انتشار پیدا ہو جائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے یمن میں مقیم ایرانی باشندوں سے جنہیں ابناء کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا خط و کتابت فرمائی اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اسود کو باقاعدہ مقابلے کے ذریعے یا خفیہ طریقے سے قتل کر دیں تاکہ سلطنت کو شورش، بدنظمی اور فساد انگیزی سے نجات مل سکے۔ دریں اثناء اسود عنسی کا ایک سپہ سالار قیس بن عبد یغوث بھی بعض باتوں کی بناء پر اس سے برگشتہ ہو گیا تھا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خطوط پہنچنے پر یمن کے ابناء خفیہ طور پر قیس سے ملے اور اسود کو ٹھکانے لگانے کے لئے اس سے امداد کے طالب ہوئے۔ قیس

نے آمادگی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد ان سب لوگوں نے اسود کی بیوی کو اپنے ساتھ ملایا۔ اس کے والد کو اسود عنسی نے قتل کر دیا تھا۔ جس کے باعث اس کے دل میں اپنے خاوند کے خلاف نفرت اور انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اس نے رات کے وقت چند لوگوں کو خفیہ طور پر محل میں داخل کر کے اپنے خاوند کی خوابگاہ کے برابر ایک کمرے میں چھپا دیا۔ جب اسود عنسی سو گیا اور اس کے خراٹوں کی آواز آنے لگی تو ایک شخص فیروز اسکی خوابگاہ میں داخل ہوا۔ اور تلوار کا ایک ہاتھ مار کر اس کا سر اڑا دیا۔ جب اس کی چیخ سن کر محل کے پہرے دار کمرے میں داخل ہوئے تو اس کی بیوی نے اس کی لاش کی طرف اشارا کر کے کہا کہ یہ ہے وہ شخص جس کا دعویٰ تھا کہ وہ نبی ہے اور اس پر آسمان سے وحی اترتی ہے۔ اب اس کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ اسود عنسی کا قتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے ایک روز قبل ہوا۔

دوسرا فتنہ یمامہ سے پھوٹا جہاں مسیلمہ کذاب ارتداد اختیار کر کے مدعی نبوت بن بیٹھا تھا۔ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مطالبہ کیا تھا کہ چونکہ آپ کی طرح مجھے بھی ایک خاص پوزیشن حاصل ہے اس لئے عرب کا کچھ حصہ مجھے بھی ملنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں اس وقت کھجور کی ایک

شاخ تھی۔ آپ نے فرمایا:۔

"سرزمین عرب کا کوئی حصہ ملنا تو بہت دُور کی بات ہے۔ اگر تو مجھ سے کھجور کی یہ شاخ بھی مانگے گا تو نہ دُوں گا"۔

مدینہ سے یہ شخص یمامہ آیا اور نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اپنے قبیلے بنو حنیفہ کے علاوہ اس نے بنو تغلب کے عیسائیوں اور ربیعہ کے قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ مسیلمہ کذاب کا خاتمہ جنگ یمامہ میں ہوا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے اوائل میں پیش آئی۔

۶۔ مسلمانوں اور رومی و عرب عیسائیوں کے تعلقات

ہرقل شہنشاہ روم مسلمانوں سے جنگ نہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے ہم قوم اور ہم مذہب لوگوں کی یہ حالت نہ تھی۔ شام کے عیسائی جن میں رُومی بھی شامل تھے اور عربی النسل عیسائی قبائل بھی مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ کے خواہاں تھے۔ اس سے قبل جب ہرقل کے ایک ماتحت حاکم حارث بن ابی شمر نے مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا تھا تو ہرقل نے اسے سختی سے روک دیا تھا۔ اور اسے چار و ناچار یہ حکم ماننا پڑا تھا۔

دریں اثناء تمام جزیرۂ عرب مسلمانوں کے زیرِنگین آ گیا اور وہ یہاں کے مختارِ کل بن گئے۔ شام کی عرب ریاستیں یہ دیکھ کر بہت تلملائیں کیونکہ موجودہ

صورت حال کے باعث عرب سے ان کے سیاسی اور تجارتی تعلقات ختم ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس سے قبل جب کبھی جنگ کا کوئی موقعہ پیش آتا تھا۔ تو وہ بعض عرب قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر بآسانی دشمنوں پر فتحیاب ہو جاتی تھیں۔ لیکن اب اس قسم کا کوئی موقعہ باقی نہ رہا تھا۔ علاوہ بریں عربوں سے ان کے تجارتی تعلقات بھی بڑے وسیع تھے۔ اور یمن تک انکی تجارت پھیلی ہوئی تھی۔ عرب پر مسلمانوں کے تسلط کے باعث اس تجارت کے تباہ ہونے کا خطرہ بھی پیدا ہو گیا تھا ۞

مسلمانوں کے دل بھی شامیوں کے خلاف جوشِ انتقام سے بھرے ہوئے تھے۔ کیونکہ اس سے قبل جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بصریٰ کے حاکم کو تبلیغی خط روانہ فرمایا تھا تو اس نے کوئی جواب دینے کی بجائے آپ کے قاصد کو قتل کرا دیا تھا۔ نیز جنگِ مؤتہ میں بھی غسانیوں کے ہاتھوں بعض جلیل القدر صحابہؓ کی شہادت کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچ چکا تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر مسلمانوں اور شام کے عیسائیوں کے تعلقات خراب ہی ہوتے چلے گئے۔ اور ہر دو فریق ایکدوسرے کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے ۞

اس معاملے میں بھی پہل شامی عیسائیوں کی طرف سے ہوئی۔ انہیں معلوم ہوا کہ عرب میں سخت قحط پڑا ہوا ہے۔ جس کے باعث مسلمان

شدید مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے فوراً اس کی اطلاع شہنشاہِ روم کو دی اور لکھا کہ عرب کا مدعیٔ نبوت اس وقت انتہائی نازک صورتِ حال سے دوچار ہے۔ شدید قحط سالی کے باعث اس کی قوتِ مزاحمت ختم ہو چکی ہے۔ اور عرب پر حملہ کر کے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا یہ بہترین موقعہ ہے۔ اگر آپ کو اپنے دین کا کچھ بھی پاس ہے تو ہماری مدد کے لئے آئیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان لوگوں کی جنگی تیاریوں کا حال بعض انباط[1] کی زبانی معلوم ہو گیا جو شام سے تیل لے کر مدینہ آئے تھے۔ آپ نے ایک جنگی جرنیل کی طرح یہی مناسب سمجھا کہ پیشتر اسکے کہ اہلِ غسان مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو سکیں، پیش قدمی کر کے خود ان پر حملہ کر دیا جائے۔ آپ کی عادت تھی کہ جب کسی جنگ کے لئے روانہ ہوتے تو منزلِ مقصود لوگوں سے مخفی رکھتے۔ تاکہ دشمن کو پہلے سے حضورؐ کے ارادے کا علم نہ ہو سکے۔ لیکن چونکہ اس موقعہ پر حالات مختلف تھے۔ مسافت بہت طویل تھی۔ اور دشمن بھاری تعداد میں مسلمانوں کے مقابلے کے لئے جمع تھا۔ اسلئے آپ نے منزلِ مقصود کا پہلے سے اعلان کر دیا تاکہ لوگوں کو معلوم

---

[1] عجمی لوگ جو عراقین کے درمیان آباد ہو گئے تھے۔

ہو جائے کہ اب ان کا مقابلہ ایک بہت طاقت ور دشمن سے ہے اور وہ اس کے مناسب حال تیاری کر لیں ۔

جب ہر طرح تیاری مکمل ہو گئی. تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم ۹ھ میں تیس ہزار کا لشکر لیکر شام روانہ ہو گئے اور تبوک پہنچ کر ڈیرے ڈال دِئے ۔ تبوک ایک مقام ہے جو وادی القریٰ اور شام کے درمیان مدینہ سے چودہ میل کے فاصلے پر واقع ہے ۔ رومیوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مسلمان اس قدر جلد ان کی سرحدوں پر پہنچ سکیں گے ۔ انہوں نے جب اچانک اس لشکر کی آمد کی خبر سُنی تو اس قدر ہراساں ہوئے کہ مقابلے میں آنے کی جُرأت نہ کر سکے ۔ حضورؐ یہاں بیس روز تک مقیم رہے اور جب رومیوں کی جانب سے مقابلے کے کوئی آثار نہ دیکھے تو صحابہؓ سے مشورہ لیا کہ آیا اسلامی لشکر کو تبوک سے آگے بڑھ کر سرزمینِ عراق میں پیش قدمی کرنی چاہئے یا اسی مہم کو کافی سمجھ کر مدینے واپس چلا جانا چاہئے ۔ حضرت عمرؓ ابن خطاب نے عرض کیا :-

" یا رسولؐ اللہ ! اگر خدا کی طرف سے آپ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا دیا گیا ہے تو اسی کا نام لیکر کوچ کر دیجئے ۔"

آپؐ نے فرمایا :-

"اگر مجھے خدا تعالےٰ کی طرف سے آگے بڑھنے کا حکم ہوتا۔ تو میں تم سے مشورہ نہ کرتا"!

حضرت عمرؓ نے کہا :-

"یا رسولؐ اللہ رومیوں کے پاس کثیر لشکر موجود ہے۔ اور شام میں کسی مسلمان کا وجود نہیں۔ آپ کی پیش قدمی کی وجہ سے رومیوں پر گھبراہٹ طاری ہو گئی ہے۔ اب وہ بلا سوچے سمجھے سرزمینِ عرب پر حملہ نہیں کر سکتے۔ اگر ہم اس سال واپس مدینہ چلے جائیں تو مناسب ہوگا۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی میں ہمارے لئے آئندہ رومیوں پر پیش قدمی کرنے کی کوئی صورت نکال دے"۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت عمرؓ کی رائے پر عمل کیا۔ اور لشکر کو لے کر واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس غزوہ سے فائدہ اُٹھا کر یوحنا حاکم ایلہ[1] اہل "اذرح وجربارہ"[2] اور اکیدر بن عبدالملک امیر دومۃ الجندل سے صُلح کے معاہدے کر کے انہیں جزیہ دینے پر آمادہ کر لیا۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ یہ سب قبائل عیسائی تھے اور رُومی سلطنت کے ماتحت تھے۔

---

[1] ایلہ شام کے ساحل پر مکہ اور مصر کے درمیان ایک قصبہ ہے۔ [2] اذرح اور جرباء کے قصبات سرزمین شام میں ایک دوسرے سے دو تین میل کے فاصلہ پہ واقع ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور صاحب ایلہ کے درمیان جو معاہدہ ہوُا اس کا متن مندرجہ ذیل ہے :۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - یہ عہد نامہ امن ہے جو اللہ اور اس کے رسول محمدؐ کی طرف سے یوحنا اور اہل ایلہ کے واسطے کیا گیا ہے۔ اسکی رُو سے خشکی اور تری کے سفر میں ان کی کشتیوں اور مسافروں کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ اور محمدؐ رسول اللہ پر ہو گی۔ شام، یمن اور سمندر کے جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ بھی اس معاہدۂ امن میں شریک ہیں۔ ان میں سے جو شخص معاہدے کی خلاف ورزی کریگا اس کا مال اور خون حلال ہو گا اور لوگوں میں سے جو شخص اسکو لے لے گا وہ اس کے واسطے جائز، حلال اور پاکیزہ ہو گا۔ کسی چشمے پر اُترنے یا خشکی و تری میں گُزرنے سے ان لوگوں کو نہ روکا جائے گا"۔

اہل اذرح اور جرباء سے مندرجہ ذیل معاہدہ ہوُا تھا :۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - یہ عہد نامہ محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے اہلِ اذرح اور اہل جرباء کے لئے ہے۔ اس کی رُو سے وہ آئندہ اللہ اور اس کے رسول کی امان میں ہوں گے۔ اور اس کے بدلے وُہ ہر ماہ رجب میں ایک سَو دینار مسلمانوں کو (بطور جزیہ) ادا کیا کرینگے۔ جو شخص مسلمانوں سے محبت و اخلاص کا سلوک کریگا اللہ تعالیٰ اس کا کفیل ہو گا"۔

جنگ مُوتہ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت زیدؓ بن حارثہ رومیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ انکا انتقام لینے کے لئے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ان کے بیٹے اسامہؓ بن زیدؓ کو مامور فرمایا۔ ۱۱ھ میں آپ نے انہیں اسلامی لشکر کا سپہ سالار بنا کر حکم دیا کہ وہ اُبنی[1] جائیں (جہاں ان کے والد کو شہید کیا گیا تھا) اور رومی علاقے کو تاخت وتاراج کر کے اپنے والد کا انتقام لیں۔ آپ نے انہیں یہ ہدایت بھی کی کہ وہ اتنی تیزی سے سفر کریں کہ دشمن کو ان کے پہنچنے کی اطلاع اسی وقت مل سکے جب وہ ان کے عین سامنے پہنچ جائیں۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی سے نوازے۔ تو وہ اس علاقے میں بہت تھوڑی مدّت قیام کریں۔

اسامہ اس وقت بالکل نوجوان تھے اور ان کی عمر سترہ سال سے متجاوز نہ تھی۔ لیکن ان کے لشکر میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جیسے جلیل القدر اور سن رسیدہ صحابہ شامل تھے۔ اسامہؓ کو لشکر کا سپہ سالار بنانے سے جہاں ایک طرف رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا یہ مقصد تھا کہ نوجوانوں کو بھی قیادت کی ٹریننگ دی جائے وہاں دُوسری طرف آپ مسلمانوں

---

[1] مُوتہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔

کو حقیقی اطاعت اور فرمانبرداری کا سبق سکھانا اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ انسان کی قدر و منزلت کے لئے سن و سال کچھ اہمیت نہیں رکھتے۔

بعض لوگوں کو اسامہؓ کی قیادت بہت ناگوار گزری اور انہوں نے اعتراض کیا کہ ایک نوجوان کو بڑے بڑے لوگوں پر حاکم بنا دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ کو سخت غصہ آیا۔ اور مسجد میں آکر ایک پُر جلال خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے کہا:۔

"اے لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے بعض نے اسامہؓ کی امارت پر اعتراض کیا ہے۔ تم نے اسامہ کی امارت پر ہی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس سے قبل اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو۔ حالانکہ خدا کی قسم! زید بھی امارت کے لائق تھا اور اب اس کا بیٹا بھی امارت کے ہر طرح لائق ہے۔ زیدؓ بن حارثہ مجھے تم سب لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اسی طرح اسامہؓ بھی بہترین انسان ہے تمہیں بہر حال اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنی ہوگی۔

گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ لشکر اپنی زندگی ہی میں تیار کرایا تھا لیکن ابھی یہ شام روانہ نہ ہوا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی وفات ہوگئی اور اسے مجبوراً کچھ عرصے کے لئے رُک جانا پڑا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت کے ایام میں اسے روانہ کیا ؎

۷۔ مسلمانوں اور ایرانیوں کے تعلقات

پہلے ذکر آچکا ہے کہ کسریٰ شہنشاہِ ایران نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تبلیغی خط پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور عامل یمن کو حکم دیا تھا کہ وہ عرب کے مدعی نبوت کو گرفتار کر کے اس کے پاس بھجوا دے کسریٰ کا یہ طرزِ عمل صاف طور پہ اعلان جنگ کے مترادف تھا۔ لیکن اسکے باوجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی میں ایرانیوں سے تعرض کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ حضورؐ شام کے عیسائیوں سے جنگ میں مشغول تھے۔ شام چونکہ سلطنت روما کے ماتحت تھا۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جنگ دراصل سلطنتِ روما سے تھی۔ اِس صُورت میں یہ مناسب نہ تھا کہ دو عظیم الشان طاقتوں سے بیک وقت جنگ چھیڑ دی جاتی۔ خصوصاً اس حالت میں کہ بیشتر قبائلِ عرب کو بھی اسلام لائے زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا۔ اور ان کے دِلوں میں اسلام کو راسخ کرنے اور انہیں ان ہر دو سلطنتوں سے جنگ کے لئے تیار کرنے کے لئے ایک لمبا عرصہ درکار تھا

اس زمانے میں سلطنت ایران میں سخت انتشار برپا تھا۔ شیرویہ، جس نے اپنے والد پرویز کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا تھا سخت بدخو اور دائم المریض تھا۔ اس کے سترہ بھائی تھے جو اعلیٰ اخلاق و عادات کے مالک تھے۔ اس نے اس ڈر سے کہ کہیں وہ اسے تخت سے محروم کرنے کی کوشش نہ کریں اُن سب کو قتل کرا دیا۔ لیکن بعد میں وہ اپنے کیئے پر سخت نادم ہوا۔ قدرت نے بھی اس سے سخت انتقام لیا۔ وُہ سخت تکلیف دہ بیماریوں میں مبتلا ہو گیا جس کی وجہ سے اُسے نہ دن کو چین تھا اور نہ رات کو آرام۔ اس کے دن رات گریہ و زاری میں بسر ہوتے تھے۔ اور جوشِ جنون میں اپنے تاج کو سر سے اتار کر زمین پر دے مارتا تھا۔ آخر آٹھ ماہ تک سخت عذاب میں مبتلا رہنے کے بعد اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اردشیر سریر آرائے سلطنت ہوا لیکن چونکہ اس کی عمر سات سال کی تھی اسلیئے سلطنت کا انتظام چلانے کے لیئے ایک "کونسل آف ریجنسی" قائم کر دی گئی ٭

اس وقت ایران کا سپہ سالار شہریران نامی ایک شخص تھا جو رومیوں سے جنگ میں مصروف تھا۔ ابھی اردشیر کو بادشاہ بنے ڈیڑھ سال ہی گذرا تھا کہ اس نے فوج کی مدد سے پایۂ تخت پر قبضہ کر لیا اور اردشیر کو تخت سے اتار کر اس کی جگہ خود بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن چونکہ وُہ شاہی

خاندان سے نہ تھا۔ اس لئے کچھ ہی عرصہ بعد اعیانِ سلطنت نے اس کے خلاف بغاوت کردی اور اسے قتل کر کے بوران بنتِ پرویز کو تخت پر بٹھا دیا۔ سلطنتِ ایران میں انتشار کی یہ حالت اس وقت تک رہی جب تک خلافتِ راشدہ کے عہد میں مسلمانوں نے اس پر قبضہ نہ کرلیا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان حالات کو دیکھ کر یہی مناسب سمجھا کہ ایرانیوں کو اسی انتشار کی حالت میں چھوڑ دیا جائے تاکہ آپ یکسوئی سے شام کے عیسائیوں سے جنگ جاری رکھ سکیں اور اسلام کی جڑیں سرزمینِ عرب میں خوب مضبوطی سے جم جائیں۔ اس کے بعد جو مناسب ہوگا وہ کیا جائیگا۔

۸۔ مسلمانوں اور اہلِ حبشہ کے تعلّقات

اب تک مسلمانوں اور حبشہ کے تعلّقات انتہائی خوشگوار تھے۔ کیونکہ اہل حبشہ نے آڑے وقت میں انہیں اپنے ہاں پناہ دی تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور شام کے عیسائیوں کی جنگوں سے اہل حبشہ نے بھی اثر قبول کیا۔ اور انہوں نے اپنے ہم مذہب شامی عیسائیوں کی حمایت کے جوش میں مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ جاری کرنا چاہا۔ چنانچہ غالباً اسی جذبے کے تحت حبشہ کے چند

لوگوں نے مسلمانوں کی چند کشتیوں پر جو جدّہ[1] کی بندرگاہ میں لنگر انداز تھیں حملہ کرنا چاہا۔ یہ ۹ھ کی بات ہے۔ اس سے قبل اُن کی طرف سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش نہ کی گئی تھی۔ کیونکہ مسلمان ۷ھ تک حبشہ میں مقیم رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اُن کے اس ارادے کی اطلاع ملی تو آپ نے علقمہؓ بن مجزز کو تین سَو آدمیوں کے ہمراہ ساحلِ سمندر پر بھیجا۔ جدہ پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ اہلِ حبشہ ایک جزیرے میں موجود ہیں۔ مسلمان کشتیوں میں سوار ہو کر اس جزیرے کی جانب روانہ ہوئے۔ جب اہلِ حبشہ نے مسلمانوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ کشتیوں پر سوار ہو کر بھاگ نکلے۔ مُسلمانوں نے انکا پیچھا نہ کیا بلکہ واپس جدّہ کی بندرگاہ میں آ گئے۔ اس واقعہ کے بعد اہلِ حبشہ کی طرف سے پھر کبھی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش نہ کی گئی۔

---

[1] جدہ بحیرۂ قلزم (بحرِ احمر) کے ساحل پر حجاز کی بندرگاہ ہے۔
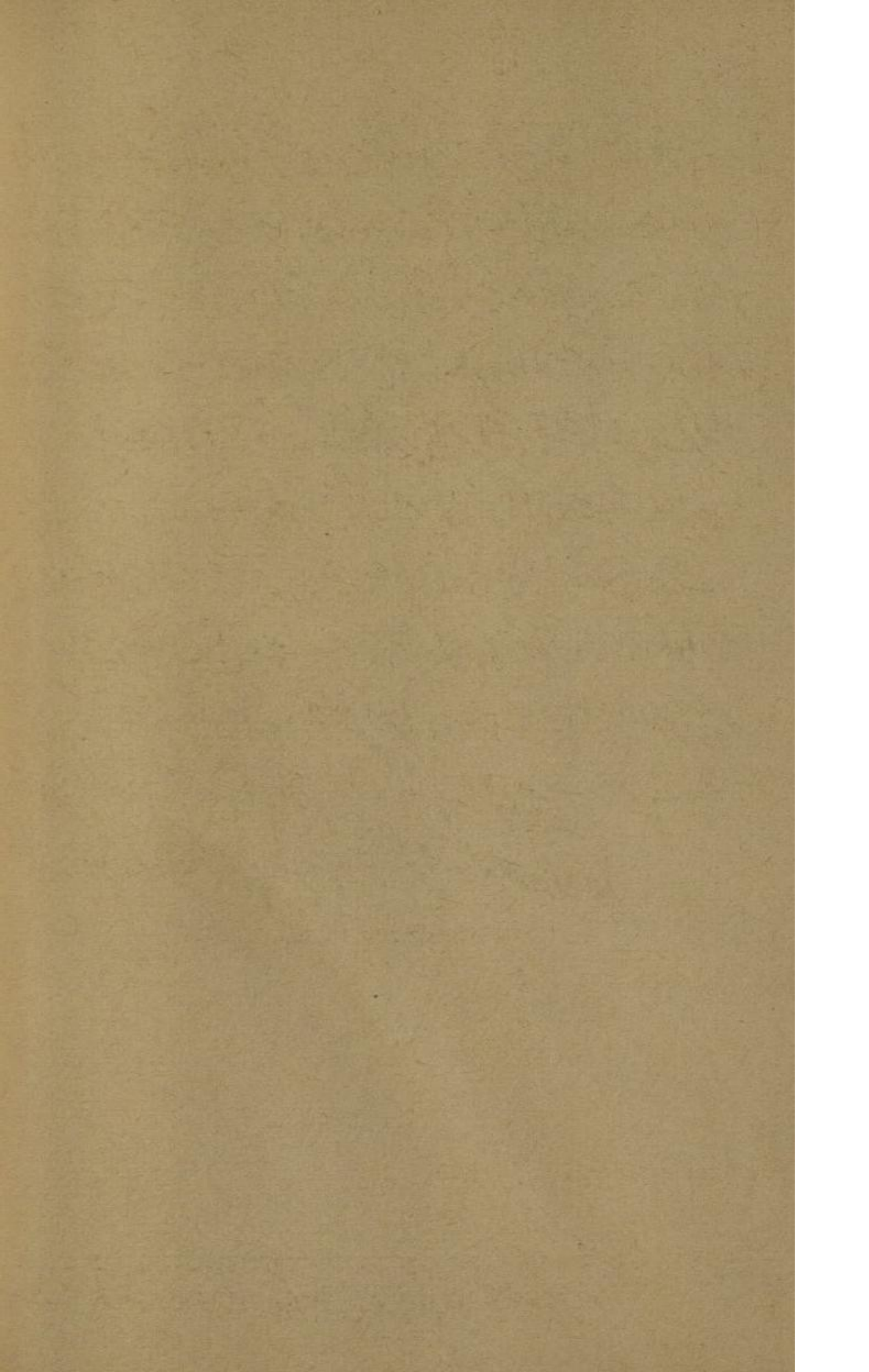
عہدِ نبوی

کا

نظامِ حکومت
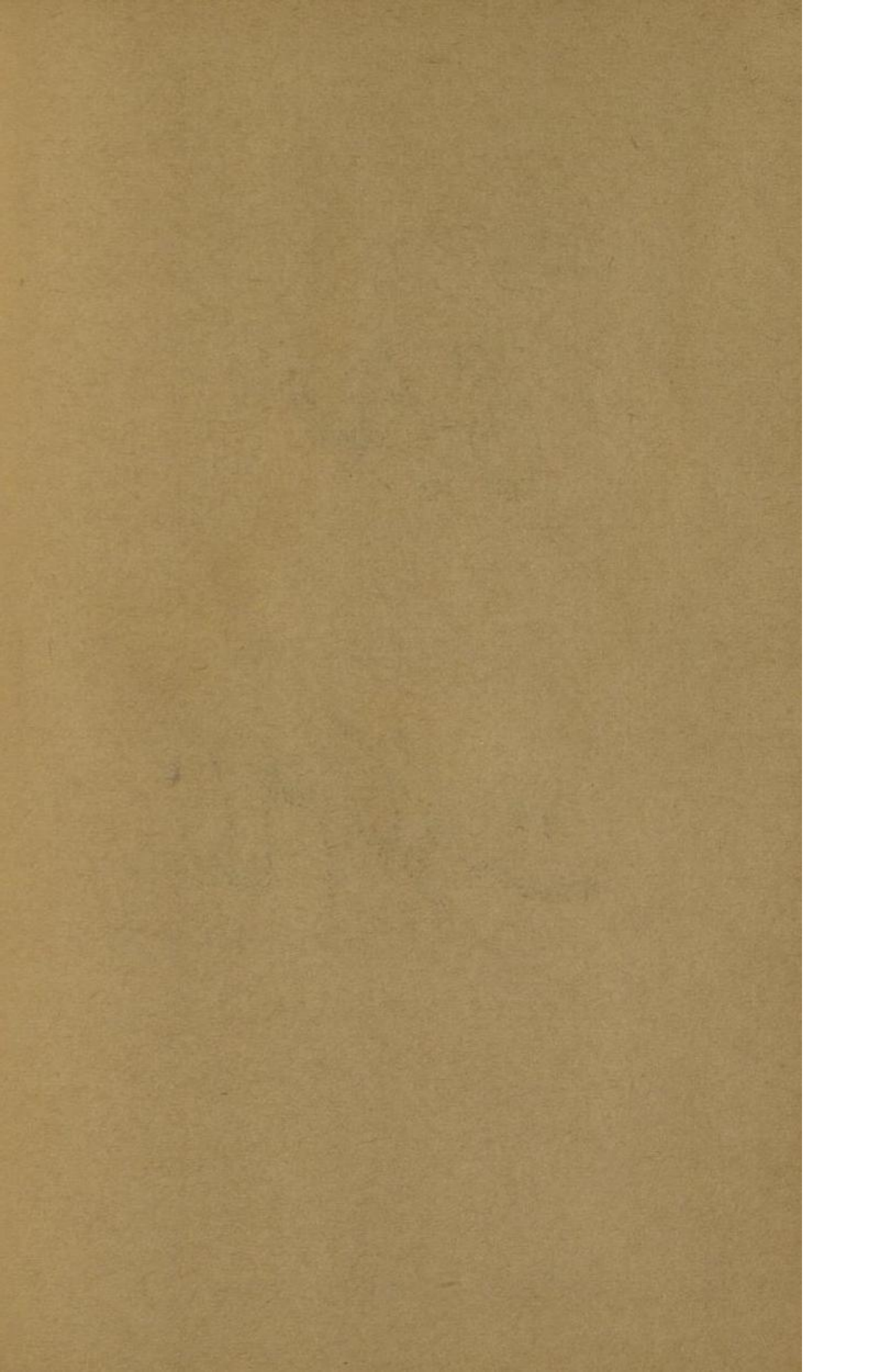
اسلامی سلطنت اور اسکے باشندے

اسلام سے پہلے عرب میں کسی منظّم حکومت کا وجود نہ تھا۔ عرب چند متفرق قبائل کا مجموعہ تھا جن کے مابین کوئی قدر مشترک نہ تھی۔ ہر قبیلہ اپنے اپنے رسوم ورواج کا پابند تھا۔ اور اس پر اسی کے سردار کے احکام چلتے تھے۔ کوئی قبیلہ کسی دوسرے قبیلے کی سیادت اور کسی دوسرے شخص کی ماتحتی قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ قبیلے کے سردار کو بھی برائے نام اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ در اصل ہر شخص اپنی مرضی کا مالک اور خود مختار تھا۔ ہر سو قتل وغارت گری کا بازار گرم تھا۔ طاقتور شخص کمزوروں کے حقوق غصب کرنا اور ان پر ظلم وستم توڑنا اپنا حق سمجھتے تھے لیکن اسلام نے آکر تشتّت وافتراق کی اس خلیج کو پاٹ دیا۔ جو صدیوں سے قبائل عرب کے درمیان حائل تھی۔ اور ایک منظم حکومت قائم کر کے تمام عرب کو ایک سلک میں منسلک کر دیا۔

تاہم یہ وضاحت کر دینی ضروری ہے کہ عرب میں منظّم حکومت کا

قیام محض اسلئے عمل میں آیا کہ تمام عربوں نے اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنا مقتدار و حاکم تسلیم کر لیا تھا۔ ویسے اسلام کا حقیقی مقصد حکومت اور سلطنت قائم کرنا نہ تھا۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو رسول کی حیثیت میں مبعوث کیا تھا بادشاہ اور امیر بنا کر نہ بھیجا تھا۔ یقیناً بعض نبی ایسے بھی تھے جنہیں آغازِ نبوت ہی سے دوہری حیثیت حاصل تھی۔ انہیں رسول کی حیثیت سے بھی مبعوث کیا گیا تھا اور بادشاہ بنا کر بھی بھیجا گیا تھا۔ مثلاً حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام لیکن حضرت محمد مصطفےٰ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اللہ تعالیٰ نے فقط رسول بنا کر بھیجا تھا اور تمام دنیا تک پیغام حق پہنچانے کا عظیم الشان کام آپ کے سپرد کیا گیا تھا ؂

اسلام کو اللہ تعالےٰ نے خاتم الادیان بنایا تھا۔ جس کا تقاضا یہ تھا کہ اسکے پیروِ کامل یک جہتی اختیار کر کے ایکدوسرے سے بھائیوں جیسا سلوک کریں اور اپنے نیک نمونے کے ذریعے دوسروں کی ہدایت کا سامان کریں۔ اگر رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا مقصد بادشاہت کا قیام ہوتا تو آپ کے پیروؤں میں رُوحانیت اور اخوت قائم نہ ہو سکتی اور وہ مذہب کی حقیقی رُوح کو بھول کر سلطنت پر قبضہ کرنے کے لئے باہم دست و گریبان ہو جاتے ؂

عہد نبوی کے اواخر میں عرب کا چپہ چپہ اسلامی سلطنت کے زیرِ نگین آچکا تھا۔ عرب سے ملحقہ بعض علاقے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت قبول کر کے حکومتِ مدینہ کا اقتدار اپنے اوپر تسلیم کر چکے تھے۔ اسلامی سلطنت میں جو علاقے شامل تھے انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :-

(۱) وُہ علاقے جو فتح کے نتیجے میں سلطنت میں داخل ہوئے۔ ان علاقوں پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی طرف سے حاکم مقرر فرمائے۔ چنانچہ فتح مکّہ کے بعد آپ نے عتّاب بن اسید کو وہاں کا حاکم مقرر کر کے روانہ کیا۔ حجاز اور نجد انہی علاقوں میں شامل تھے ۔

(۲) وہ علاقے جو صلح کے ذریعے مملکت میں داخل ہوئے۔ یہ وُہ علاقے تھے جہاں اسلام سے قبل بادشاہتیں اور امارتیں قائم تھیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان بادشاہوں اور امراء کو معزول کرنے کی بجائے انہیں ان کے عہدوں پر برقرار رکھا۔ کیونکہ کسی ملک پر قبضہ جمانا اور بادشاہوں اور امراء سے ان کے علاقے ہتھیانا حضورؐ کا مقصد نہ تھا آپ لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ مُلک گیری کیلئے نہیں۔ اِسلئے جو حاکم مسلمان ہو گیا آپ نے اُسے بدستور اسکے علاقے کی حکمرانی تفویض کئے رکھی۔ یہی نہیں بلکہ اگر کسی حاکم نے اسلام قبول کر لیکی

بجائے جزیہ دینے کا اقرار کیا۔ تب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا علاقہ اسی کے پاس رہنے دیا۔ اور جزیے کی ادائیگی کے سوا اور کسی قسم کا مطالبہ اس سے نہ کیا ؎

یہ علاقے مندرجہ ذیل صوبوں اور ریاستوں پر مشتمل تھے :۔

(۱) مملکتِ بحرین۔ یہاں کا رئیس مسلمان تھا اور اس کا نام منذر بن ساوی تھا ؎

(۲) مملکت عمان۔ یہاں پر دو بھائی حکمران تھے۔ ایک کا نام جیفر تھا اور دوسرے کا نام عبد۔ ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ؎

(۳) امارت تیماء۔ یہاں کا حاکم یہودی تھا۔

(۴) امارت ایلہ۔ یہاں کا امیر عیسائی تھا۔

(۵) امارت دومۃ الجندل۔ یہاں کا امیر بھی عیسائی تھا۔

(۶) امارت نجران۔ یہ بھی عیسائی ریاست تھی۔

(۷) یمن۔ یہ صوبہ مختلف امارتوں میں منقسم تھا۔ یہاں کے بیشتر حکام حمیری تھے۔ جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ البتہ صنعاء کا حاکم باذان بن ساسان ایرانی تھا۔ اس نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں اس کی وفات ہو گئی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا شہر

وہاں کا حاکم بنا۔ ابھی اسے حکومت کرتے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔ کہ اسود عنسی نے صنعار پر قبضہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وفات سے ایکدن قبل اسود عنسی بھی قتل کر دیا گیا۔ اسکے بعد وہاں کی امارت خالد بن سعید اموی کے ہاتھ میں آئی ۔

سلطنتِ اسلامیہ کا دینی نظام

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں سلطنت میں مندرجہ ذیل مذہب پائے جاتے تھے :-

(۱) **اسلام** - یہ سلطنت کا سرکاری مذہب تھا۔ کیونکہ باشندوں کی اکثریت اسی مذہب سے تعلق رکھتی تھی۔ اور ہر ملک کی اکثریت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس مذہب سے تعلق رکھتی ہے اسے سلطنت کا سرکاری مذہب قرار دے۔ کیونکہ حکومت کے نظم و نسق کا زیادہ تر بار اسی پر پڑتا ہے جب ملک کی حفاظت کا سوال درپیش ہوتا ہے تو اکثریت ہی اس کیلئے اپنی جانیں پیش کرتی ہے۔ نظم و نسق چلانے کے لئے جو فنڈ درکار ہوتا ہے اس کا بھی بیشتر حصہ اکثریت ہی فراہم کرتی ہے۔ اس صورت میں اگر وہ اپنے مذہب کو ترویج دینے اور اس کی کما حقہٗ حفاظت کرنے کیلئے کوئی قدم اٹھاتی ہے تو اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ہو سکتی ؛

(۲) **یہودیت** - اس مذہب کے پیرو جنوب میں یمن اور شمال میں شام میں آباد تھے ؛

(۳) **نصرانیت** - اس مذہب کے پیرو بھی زیادہ تر یمن اور شام

میں آباد تھے ۔

(۴) **مجوسیت**۔ اس مذہب کے پیرو بحرین میں آباد تھے ۔

مؤخرالذکر تین مذاہب کے پیروؤں کے ساتھ اسلامی سلطنت میں کامل عدل و انصاف کا سلوک کیا جاتا تھا۔ انہیں وہی حقوق حاصل تھے جن سے مسلمان بہرہ ور تھے۔ اور ان پر وہی ذمہ داریاں عائد تھیں جو مسلمانوں کیلئے ادا کرنی ضروری تھیں۔ مساوات کا یہ ایک ایسا نمونہ تھا جو اسلام سے قبل کسی بھی مذہب و ملت نے دُنیا کے سامنے پیش نہ کیا تھا۔ مسلمان غیر مذاہب کے لوگوں سے بھائیوں کی طرح پیش آتے تھے اور قول و فعل کسی بھی ذریعے سے انہیں تکلیف پہنچانا حرام سمجھتے تھے۔ اِنتہا یہ ہے کہ بعض فقہاء ذمیوں کے لئے کافر کا لقب استعمال کرنے کو بھی ناجائز سمجھتے تھے۔ کیونکہ انکے خیال میں اس لفظ سے انہیں تکلیف پہنچتی تھی۔ انکا عمل سورہ ممتحنہ کی اس آیت کے عین مطابق تھا:۔

لا ینھٰکم اللّٰہ عن الّذین لم یقاتلوکم ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبرّوھم وتقسطوا الیھم انّ اللّٰہ یحبّ المقسطین (سورۂ ممتحنہ ع ۲)

(ترجمہ) " اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں سے نیکی کرنے اور عدل کا معاملہ کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے دینی اختلاف کی وجہ سے نہیں لڑے۔ اور جنہوں

نے تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

اسلام نے ان مذاہب کے لوگوں کو ضمیر اور عقیدے کی آزادی دی۔ وہ اپنی مذہبی رسومات بغیر کسی روک ٹوک کے بجا لا سکتے تھے۔ اپنے عقائد کا اظہار کرنے میں ان پر کوئی پابندی نہ تھی۔ باہمی تنازعات کا وہ اپنی شریعت کے مطابق فیصلہ کر سکتے تھے۔ البتہ عام معاملات میں ان سے وہی سلوک کیا جاتا تھا جو مملکت کے ایک عام شہری سے کیا جاتا ہے۔ کیونکہ نظم وضبط کا تقاضا تھا کہ انہیں یہ احساس دلایا جاتا کہ وہ بھی مملکت اسلامیہ کے ایسے ہی قابلِ احترام شہری ہیں جیسے مسلمان۔ ان کے بھی وہی حقوق ہیں جو مسلمانوں کے ہیں۔ اور ان پر بھی مملکت کی طرف سے وہی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جو مسلمانوں پر عائد ہوتی ہیں۔

اسلام نے غیر مذاہب کے پیروؤں سے جزیہ کی قلیل رقم کے سوا اور کسی مال کا مطالبہ نہ کیا۔ لیکن جزیے کو تاوان سمجھنا سخت غلطی ہے۔ سلطنت پر ان کی حفاظت اور نگہداشت کے سلسلے میں جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کے بدلے میں یہ قلیل رقم ان سے وصول کی جاتی ہے۔ جزیہ کی رقم کی مقدار ایک دینار ہے جو صرف عاقل اور بالغ شخص سے وصول کی جاتی ہے۔ عورتوں، غلاموں اور بچوں سے نہیں لی جاتی۔ اس

رقم کی کمی بیشی کے سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک دینار کم سے کم رقم ہے اس سے زیادہ بھی وصول کی جاسکتی ہے لیکن ان دونوں گروہوں کے برعکس بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ ایک دینار کو جزیے کی حد مقرر کرنا درست نہیں۔ یہ امام کی صوابدید پر منحصر ہے۔ اگر وہ مناسب سمجھے تو ایک دینار سے کم بھی وصول کرسکتا ہے۔ اور مناسب سمجھے تو زیادہ بھی ؎

جزیے کے مقابل اسلام نے مسلمانوں کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی فرض قرار دی ہے لیکن جزیہ اور زکوٰۃ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جزیے کے برعکس زکوٰۃ ہر صاحب نصاب مسلمان سے وصول کی جاتی ہے۔ خواہ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا، جزیے کی حد ایک دینار ہے۔ لیکن زکوٰۃ کی کوئی حد مقرر نہیں۔ اگر کسی شخص کے پاس مال زیادہ ہوگا تو زکوٰۃ بھی زیادہ وصول کی جائیگی اور اگر مال کم ہوگا تو زکوٰۃ بھی اسی تناسب سے کم وصول کی جائے گی۔ پھر یہی نہیں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد مسلمانوں سے اور کسی مال کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ انہیں زکوٰۃ کے علاوہ وقتاً فوقتاً صدقات وغیرہ بھی دینے پڑتے ہیں تاکہ غریبوں کی حاجت روائی ہوتی رہے ؎

زکوٰۃ اور جزیے میں ایک اور فرق بھی ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے،

اور وہ یہ کہ زکوٰۃ کا بیشتر حصّہ فقراء اور مساکین پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اور رفاہِ عامہ کے لئے بہت قلیل رقم بچتی ہے لیکن اسکے بالمقابل جزیے کا اکثر حصّہ رفاہِ عامہ پر خرچ کیا جاتا ہے ؎

زکوٰۃ کے لفظی معنی کسی چیز کو بڑھانے اور پاک کرنے کے ہیں۔ اسے زکوٰۃ بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی ادائیگی مال کو پاکیزہ بنا دیتی ہے اور اس میں زیادتی کا موجب ہوتی ہے۔ یہ کوئی معمولی چیز نہیں اس کا شمار پنج ارکان اسلام میں ہوتا ہے۔ اس کا نام زکوٰۃ یا صدقہ اس لئے رکھا گیا ہے کہ اسے ان ٹیکسوں سے بالکل علیحدہ سمجھا جائے جو مالی ضروریات پوری کرنے کے لئے مملکت کی طرف سے باشندوں پر عائد کئے جاتے ہیں۔ اسے ایک دینی فریضہ بھی اسی لئے قرار دیا گیا ہے کہ لوگ اسے بار سمجھتے ہوئے اس سے بچنے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر بڑھ چڑھکر اس کی ادائیگی میں حصّہ لیں ؎

جزیہ کے لفظی معنی زمین کے خراج کے ہیں۔ ذمیوں سے جو رقم جزیے کے نام سے وصول کی جاتی ہے اسے بھی دراصل خراج ہی سمجھنا چاہئے جزیہ کے ایک اور معنی بدلے کے بھی ہیں اور اسی معنی کو مدنظر رکھکر ایک عالم علامہ جوہری نے لکھا ہے کہ جزیہ اس رقم کو کہتے ہیں جو ذمیوں سے ان کی جان بخشی کے بدلے میں لی جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ ذمّی دراصل

واجب القتل ہیں۔ لیکن اسلام نے از راہِ ترحّم ان کی جان بخشی کر کے اسکے بدلے ان پر یہ رقم عائد کر دی ہے۔ لیکن جزیے کی یہ تشریح اسلامی رُوح اور تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ اسلام دین کے معاملے میں کسی پر جبر نہیں کرتا اور بڑے احسن پیرائے میں لوگوں کو اپنی جانب بُلاتا ہے۔ قتل و غارتگری کا بازار گرم کرنا اور تاوان کے ذریعے انہیں دینِ حقّہ قبول کرنے پر مجبور کرنا اُسکے نزدیک ہرگز جائز نہیں ۔

جو لوگ جزیے کو تاوان یا جُرمانہ کی ایک قسم سمجھتے ہیں وُہ اپنی تائید میں سورۂ توبہ کی یہ آیت پیش کرتے ہیں :-

قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الاٰخر ولا یحرّمون ما حرّم اللہ ورسولہٗ ولا یدینون دین الحق من الذّین اوتوا الکتاب حتّٰی یعطوا الجزیۃ عن یدٍ وھم صاغرون ۝

(سورۂ توبہ ع ۴)

(ترجمہ) "جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ یوم آخرت پر اور نہ اسے جسے اللہ اور اسکے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے حرام قرار دیتے ہیں اور نہ سچے دین کو اختیار کرتے ہیں۔ یعنی وُہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے ان سے جنگ کرو جب تک کہ وہ اپنی مرضی سے جزیہ ادا نہ کریں اور وہ تمہارے ماتحت نہ آجائیں"۔

اس آیت میں صاغرون کے لفظ سے یہ لوگ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کفار سے اس وقت تک جنگ جاری رکھنی چاہیئے جب تک وہ اپنے لئے ذلّت ورسوائی قبول کر کے مسلمانوں کی اطاعت اور جزیہ دینے کا اقرار نہ کریں۔ لیکن یہ مفہوم درست نہیں۔ کیونکہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو اس وقت مسلمانوں سے برسرِ پیکار تھے۔ یعنی شام کے عربی النسل عیسائی اور رومی۔ چونکہ یہ لوگ اس وقت مسلمانوں سے برسرِ جنگ تھے اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے جب تک وہ اطاعت قبول کر کے جزیہ دینے کا اقرار نہ کر لیں۔ صاغرون کے معنی یہاں ذلّت اور رسوائی کے نہیں لئے جا سکتے بلکہ اطاعت قبول کرنے اور جنگ پر صُلح کو ترجیح دینے کے لئے جائیں گے۔ کیونکہ اسلام کا مقصد لوگوں کی اہانت اور تذلیل کرنا نہیں بلکہ ہدایت اور صداقت کی راہ دِکھانا ہے ؎

یہی وجہ ہے کہ اگر کبھی ذمّیوں نے جزیے کی ادائیگی کو اپنے لئے ذلّت ورسوائی کا موجب سمجھتے ہوئے اس کی بجائے دوسرے عام مروّجہ ٹیکسوں کی ادائیگی کی درخواست کی، تو مسلمان حکام نے اُن کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے اسے قبول کر لیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بن خطاب کے عہد میں تغلب کے عیسائیوں نے ایسی ہی درخواست کی تھی کہ ان سے صدقہ

کے نام سے دُگنی رقم لے لی جایا کرے۔ لیکن جزیے کی ادائیگی پر مجبور نہ کیا جائے۔ تو حضرت عمرؓ نے بلا پس و پیش یہ درخواست قبول کر لی اور آئندہ کے لئے ان سے صدقہ کے نام سے رقم وصول کی جانے لگی ؂

فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ جزیہ کن مذاہب کے لوگوں سے وصُول کیا جائے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ صرف اہلِ کتاب اور مجوسیوں سے وصُول کیا جائے خواہ وہ عرب کے رہنے والے ہوں یا عجم کے۔ اپنی تائید میں وہ سورۂ توبہ کی محولہ بالا آیت اور رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اس عمل کو پیش کرتے ہیں کہ آپ نے بحرین کے مجوس سے جزیہ وصول کیا۔ لیکن مالک اوزاعی اور بعض دیگر فقہاء یہ کہتے ہیں کہ جزیہ ہر غیر مسلم سے وصول کیا جائے خواہ وہ اہلِ کتاب ہو یا غیر اہلِ کتاب۔ عربی ہو یا عجمی۔ اور ہمارے نزدیک یہی مذہب صحیح ہے کیونکہ اگر ہم اہلِ کتاب اور مجوس کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگوں سے جزیہ وصول نہ کرینگے تو بالواسطہ انہیں اسلام لانے پر مجبور کرینگے۔ لیکن یہ ناجائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے :-

لا اکراہ فی الدّین۔ قد تبیّن الرّشد من الغیّ۔ فمن یّکفر بالطّاغوت ویؤمن باللّٰہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ۔ لا انفصام لھا واللّٰہ سمیعٌ علیم ٥ (سورۂ بقرہ رکوع ۳۴)

(ترجمہ) ”دین کے معاملے میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں کیونکہ ہدایت اور گمراہی کا فرق خوب ظاہر ہو چکا ہے۔ پس (سمجھ لو کہ) جو شخص (اپنی مرضی سے) (نیکی سے روکنے والے کی بات ماننے سے) انکار کر دے اور اللہ پر ایمان رکھے تو اس نے ایک نہایت مضبوط قابلِ اعتماد چیز کو جو کبھی ٹوٹنے کی نہیں، پکڑ لیا۔ اور اللہ بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔“

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اگر مندرجہ بالا فقہاء کے مذہب کے مطابق اہلِ کتاب کے علاوہ اور کسی مذہب کے پیروؤں سے جزیہ لینا جائز نہیں تو پھر مجوس سے بھی جزیہ نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ قرآن کریم کی رُو سے اہلِ کتاب صرف یہودی اور عیسائی ہیں۔ مجوسیوں کو اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ آگ کی پرستش کرتے ہیں اور آگ کی عبادت اور بتوں کی عبادت میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بحرین کے مجوسیوں سے جزیہ لیا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ چونکہ مجوسیوں میں قدیم زمانے میں ایک نبی مبعوث ہو چکا ہے اس لئے انہیں اہلِ کتاب میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس طرح تو دنیا کی کوئی قوم بھی ایسی نہیں جہاں خدا تعالےٰ نے اپنے کسی نبی کو مبعوث نہ کیا ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ فاطر میں فرماتا ہے:۔

انّا ارسلناك بالحقّ بشيراً ونذيراً وان من امّة الاّ خلا فيها نذير٥ (سورۂ فاطر ع ۳)

(ترجمہ) "اے رسول! ہم نے تجھے ایک قائم رہنے والی صداقت کے ساتھ ایک خوشخبری دینے والا اور ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں (خدا تعالیٰ کی طرف سے) کوئی ہوشیار کرنے والا نہ آیا ہو"۔

اسلام نے دیگر مذاہب کے پیروؤں کو مذہبی آزادی کی جس نعمت سے نوازا ہے وہ یقیناً اس کیلئے قابلِ فخر ہے۔ اسلامی حکومت کے تحت دوسرے لوگ کامل امن سے رہ سکتے ہیں۔ احکام اسلام کے بموجب کوئی شخص انہیں تبدیلیٔ مذہب پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اور نہ انکے قابلِ احترام مذہبی پیشواؤں اور بزرگوں کو برا بھلا کہہ کر انہیں تکلیف پہنچا سکتا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں اسلامی احکام یہ ہیں:۔

ولا تسبّوا الّذين يدعون من دون الله فيسبّوا الله عدوا بغير علم. كذٰلك زيّنا لكلّ امّة عملهم ثمّ الٰى ربّهم مرجعهم فينبّئهم بما كانوا يعملون (سورۂ انعام رکوع ۱۳)

(ترجمہ) "اور تم انہیں جنہیں وہ اللہ کے سوا (دعاؤں میں) پکارتے ہیں گالیاں نہ دو۔ نہیں تو وہ (دشمن ہو کر) جہالت کی وجہ سے اللہ کو گالیاں

دینگے۔ اسطرح ہم نے ہر ایک قوم کے لئے اس کے عمل خوبصورت کر کے دکھائے ہیں۔ پھر انہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے جس پر وہ انہیں اسکی خبر دیگا جو وہ کرتے تھے"۔

اسلام نے دوسرے مذاہب کے پیروؤں کو اس بات کی اجازت بھی دی ہے کہ وہ ادب کی حدود میں رہتے ہوئے اور تحقیق حق کی خاطر دینِ اسلام کے بارے میں مسلمانوں سے بحث و مباحثہ بھی کر سکیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

ولا تجادلوا اھل الکتاب الّا بالّتی ھی احسن ۔ الّذین ظلموا منھم وقولوا آمنّا بالّذی انزل الینا وانزل الیکم والٰھنا والٰھکم واحد ونحن لہ مسلمون ۞ (سورۃ العنکبوت ع ۵)

(ترجمہ) اہل کتاب سے جب بحث کرو تو اعلیٰ اور مضبوط دلیلوں کے ساتھ (یا احسن طریقے سے) کرو سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظلم کرنیوالے ہوں (انکو الزامی جواب دے سکتے ہو) اور ان سے کہو کہ جو ہم پر نازل ہؤا ہے ہم اس پر بھی ایمان لائے ہیں اور جو تم پر نازل ہؤا ہے اس پر بھی۔ اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں"۔

بعد میں بعض موقعے ایسے بھی آئے جب لڑائیوں کے دوران میں

مسلمانوں نے ذمیوں سے وہ سلوک نہ کیا جو از روئے احکام اسلام انہیں کرنا چاہئیے تھا لیکن ان کے اس طرز عمل سے اسلام پر کوئی حرف نہیں آتا کیونکہ اسلام کے احکام واضح ہیں۔ اور جو شخص ان کی خلاف ورزی کرتا ہے اسے خود ہی اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ بعض جگہوں پر خود ذمیوں نے بھی اپنے طرز عمل سے مسلمانوں کو شکایت کا موقع بہم پہنچایا۔ اور مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان بھلا کر ان کے مخالفوں سے ساز باز میں مصروف ہو گئے۔ جس پر مسلمانوں کو بھی مجبوراً ان پر سختی کرنی پڑی ؛

مخالفین اسلام بعض ایسی آیات پیش کر کے جن میں غیر مذاہب کے لوگوں سے سختی کے ساتھ پیش آنے کا حکم ہے اسلام پر اعتراض کرتے ہیں لیکن یہ تمام آیات ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جنہوں نے خود پہل کر کے مسلمانوں سے جنگ شروع کر رکھی تھی۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے جب تک روئے زمین پر امن و امان قائم نہ ہو جائے فتنے کا ڈر باقی نہ رہے اور لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی راہ میں مخالفوں کی طرف سے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ اسلامی حکومت میں بسنے والے ذمیوں کے ساتھ سختی کرنے کے متعلق قرآن کریم میں کوئی آیت موجود

نہیں ٭

ہمیں اس امر کا اعتراف ہے کہ بعض محدثین نے اپنی کتابوں میں اس قسم کی روایات درج کی ہیں جو اسلامی سلطنت میں مقیم ذمیوں سے سلوک کرنے کے بارے میں ہماری تحریروں سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ مثلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ کسی یہودی یا عیسائی کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔ اور جب تم راستے میں کسی ایسے شخص سے ملو تو اُسے ایک طرف ہٹ جانے پر مجبور کر دو۔ لیکن اس اور اس جیسی اور حدیثوں کو فقہاء قابلِ عمل نہیں سمجھتے۔ چنانچہ حضرت ابنِ عباسؓ اور بعض شافعی فقہاء کو ان احادیث کی صحت میں شک ہے۔ اور وہ یہود و نصاریٰ سے علیک سلیک میں پہل کو جائز سمجھتے ہیں۔ ہم بھی ان سے پورے طور پر متفق ہیں کیونکہ اس قسم کی روایات اسلام کو فائدہ پہنچانے کی بجائے نقصان کا موجب بنتی ہیں۔ خصوصاً اس صورت میں جب کہ ہمیں قرآنِ کریم میں اس قسم کی بیسیوں آیات ملتی ہیں جن میں غیر مسلموں سے حسنِ سلوک کرنے اور انہیں اخلاق کا بہترین نمونہ دکھانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اسلام ہمیں دوسروں سے بری طرح پیش آنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ نیکیوں اور حسنِ سلوک کے ذریعے بدی کا مقابلہ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ۔ ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم (سورہ حٰم ع ۵)

(ترجمہ) "نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی۔ اور اے رسولؐ! تو بُرائی کا جواب نیک سلوک سے دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شخص جس کے اور تیرے درمیان عداوت پائی جاتی ہے وُہ تیرے حسن سلوک کو دیکھکر ایک گرمجوش دوست بن جائیگا"۔

عہدِ نبوی میں یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کے علاوہ منافقین کا بھی ایک گروہ موجود تھا جو دل سے تو کفر وضلالت پر قائم تھا۔ لیکن زبان سے اسلام کا اقرار کرتا تھا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے ظاہر کو قبول کرتے ہوئے باطن کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کر دیا۔ البتہ احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے انہیں امورِ سلطنت میں سے کوئی حصّہ نہ دیا۔ اور نہ کبھی ان پر اعتماد کیا۔ ان کی کرتوتوں کی بناء پر بعض مرتبہ صحابۂ کرام رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ایسے بدنہادوں کے قتل کا مشورہ دیتے تھے۔ لیکن حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہمیشہ یہ کہہ کر ان کے مشوروں کو رد فرما دیتے تھے۔ کہ میں نہیں چاہتا کہ لوگ کہیں "محمّد اپنے ساتھیوں کو قتل کرا دیتے ہیں"۔

حضور علیہ الصلوۃ والسّلام کو ان لوگوں کے نفاق کا خوب علم تھا۔
لیکن انہوں نے مسلمانوں سے کھلم کھلا لڑائی مول نہ لی تھی۔
اس لئے رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بھی ان کے مقابل میں تلوار
کے استعمال کو جائز سمجھتے تھے ؎

اسلامی سلطنت میں غیر ملکی باشندوں کی حیثیت

اسلامی سلطنت میں عربوں کے علاوہ ایرانیوں، رومیوں، اہلِ حبشہ اور یہود کی بھی مختصر تعداد بستی تھی۔ لیکن ان میں سے معدودے چند لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ایرانیوں میں سے حضرت سلمان رضؓ فارسی اور یمن میں مقیم ایرانی قبائل جنہیں ابناء کے نام سے پکارا جاتا تھا اسلام میں داخل ہوئے۔ رومیوں میں سے صہیب رضؓ رومی اور شام کے بعض رومی عیسائیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت اختیار کی۔ اہل حبشہ میں سے حضرت بلال رضؓ بن رباح اور چند دیگر غلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی میں داخل ہوئے۔ یہودیوں میں سے حضرت عبد اللہ رضؓ بن سلام اور چند دیگر لوگوں نے مذہب تبدیل کیا۔

اسلام نے ان تمام گروہوں سے کامل مساوات کا سلوک کیا اور عربوں کو اکثریت میں ہونیکے باوجود ان پر کسی طرح کی فوقیت نہ دی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہان کی ہدایت

کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ محض عربوں تک پیغام حق پہنچانا آپ کا مقصد نہ تھا۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ جب اسلامی سلطنت کا قیام عمل میں آیا تو تمام لوگوں کو ایک سطح پر رکھا گیا۔ نہ کسی عرب کو ایرانی پر فوقیت دی گئی اور نہ کسی ایرانی کو رومی پر۔ فضیلت کا صرف ایک ہی معیار تھا اور وہ تھا تقویٰ اور خدا ترسی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس امر کو بالوضاحت بیان کر دیا تھا فرماتا ہے:۔

یا ایھا النّاس انّا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوبًا و قبائل لتعارفوا۔ انّ اکرمکم عند اللہ اتقٰکُم انّ اللہ علیمٌ خبیرہ (سورۂ الحجرات ع ۲)

(ترجمہ) "اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت پیدا کیا ہے اور تم کو گروہوں اور قبائل میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ (یعنی قومیں اور نسلیں صرف امتیاز کے لئے ہیں جو انکو تفاخر اور تکبر کا ذریعہ بناتا ہے وہ اسلام کے خلاف عمل کرتا ہے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً بہت علم رکھنے والا اور بہت خبر رکھنے والا ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایک مرتبہ فرمایا:۔

"تمام لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں۔ کسی عربی کو عجمی پر

اور کسی عجمی کو عربی پر تقویٰ کے سوا اور کسی وجہ سے فضیلت نہیں ہے"۔

اسلامی سیاست کا بنیادی اصُول یہ ہے کہ قومیت اور مذہب و ملّت کا لحاظ کئے بغیر بنی نوع انسان کی خدمت کی جائے۔ ہمارے زمانے کی بڑی بڑی متمدّن اور مہذّب کہلانے والی قومیں اپنے آپکو انسانیت کا محافظ قرار دیتے نہیں تھکتیں۔ لیکن ادنیٰ غور و فکر کے بعد معلوم ہوسکتا ہے کہ ان کی سیاست کی بنیاد کلیتہً قومیت اور وطنیت پر ہے ان کے پیش نظر صرف اپنا اور اپنے ہم مذہب لوگوں کا مفاد ہوتا ہے اگر وہ دیگر اقوام کی مدد کرتی بھی ہیں تو محض اپنی غرض کے لئے۔ وہ اخوت اور مساوات کا لبادہ صرف اس لئے اوڑھتی ہیں کہ کمزور اور پسماندہ اقوام کو دھوکا دیکر اپنے چنگل میں پھنسا لیں۔ اور وہ ان کی خاطر میدانِ جنگ میں اپنے لوگوں کی جانیں قربان کریں۔

لیکن اسلام سیاست میں کسی قسم کے دھوکے اور فریب سے کام نہیں لیتا۔ اور نہ کسی قوم کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے۔ اسے کسی بھی ملک کی دولت و ثروت سے کچھ مطلب نہیں۔ اسکے پیشِ نظر صرف بنی نوع انسان کی بھلائی اور ہدایت ہے۔ وہ کامل عدل وانصاف اور مساوات کا علمبردار ہے۔ قومیت اور زبان کے لحاظ سے وُہ باشندوں

کے درمیان بالکل فرق نہیں کرتا۔ اس کی نظر میں عجمی بھی ویسا ہی محترم ہے جیسا عربی۔ اور حبشی کے بھی وہی حقوق ہیں جو ایرانی کے۔ وہ ایک دینی تحریک ہے قومی اور لسانی نہیں اور نہ ان جھگڑوں سے اسے کوئی واسطہ ہے۔

اسی اصول کے پیش نظر اسلامی سلطنت میں عربوں کے علاوہ دیگر اقوام کے لوگ بھی حکومت کا بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کر سکتے ہیں اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ دل و جان سے انکی اطاعت کریں خواہ انکا تعلق بظاہر کیسی ہی پسماندہ قوم سے کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے عمل سے بھی اسلامی سلطنت کے لئے اس قسم کے نمونے قائم کر دئے ہیں۔ حضرت سلمان رضؓ فارسی ایک غلام تھے لیکن دربارِ نبوی میں انہیں جو درجہ حاصل تھا وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے اس قول سے معلوم ہو سکتا ہے کہ "سلمان رضؓ ہمارے اہلبیت میں سے ہیں"۔ صہیب رضؓ رومی بھی ایک غلام تھے۔ لیکن جنگ ہو یا صُلح رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم ان سے مشورہ لئے بغیر کبھی کوئی کام نہ کرتے تھے۔ یہی حال حبشی غلام حضرت بلال رضؓ بن رباح کا تھا۔ آپؐ نے انہیں صرف مؤذّن بنانے پر اکتفا نہ کیا بلکہ بیت المال کا "خازن" بھی مقرّر کیا جو بلحاظ عہدہ موجودہ حکومتوں کے وزیر مالیات کے برابر ہوتا تھا۔

اسلامی سلطنت کا طبقاتی نظام

معاشی لحاظ سے لوگوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے (۱) طبقۂ غربا، (۲) طبقۂ متوسطین اور (۳) طبقۂ امراء۔ اشتراکیت کے حامی کہتے ہیں کہ معاشی لحاظ سے تمام لوگوں کو ایک سطح پر لانا ضروری ہے۔ اور اس غرض سے امراء سے مال چھین کر غرباء میں تقسیم کردینا چاہیئے۔ یہ لوگ کسی شخص کو حق ملکیت دینے اور ورثے میں اس کا حق تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ لیکن اسلام غلو اور افراط و تفریط سے کام لینے کی بجائے میانہ روی کو پسند کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وکذالك جعلنٰکم امۃ وسطاً

(ترجمہ) "اے مسلمانو! ہم نے تم کو ایسی امت بنایا ہے جو میانہ رو ہے"۔

اس لئے وہ ہر انسان کے حق ملکیت کو تسلیم کرتا ہے کیونکہ یہ ہر انسان کا طبعی حق ہے اور معاشی نظام کو استوار رکھنے کے لئے اس حق کو تسلیم کرنا اور برقرار رکھنا ضروری ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ معاشی ناہمواریوں کو دور کرنے میں کسی قسم کا دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ ایک مہذب سلطنت میں یہ بات ناقابلِ برداشت ہے کہ وہاں امیروں کی دولت و ثروت میں تو روز بروز اضافہ ہوتا چلا جائے لیکن غریبوں کا کوئی پرسانِ حال نہ ہو اور وہ افلاس اور مصائب کی چکیوں میں پستے ہی چلے جائیں۔ نہ ان کے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ ہو اور نہ سر چھپانے کے لئے کوئی ٹھکانا۔ اس صورتِ حال کا مداوا صرف حکومت کر سکتی ہے۔ افراد کے بس کا یہ کام نہیں۔ کیونکہ ہر شخص کی بالطبع یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے لئے زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کر لے خواہ اسکے پڑوسی کے ہاں فاقوں تک کی نوبت کیوں نہ پہنچ چکی ہو ؁

اسلام نے اس صورت حال کا علاج زکوٰۃ کے ذریعے تجویز کیا ہے۔ اس نے زکوٰۃ کو ایک دینی رکن اور عبادت کی حیثیت دے کر ہر صاحبِ حیثیت شخص پر اس کی ادائیگی لازم کر دی ہے۔ اور یہ اسلئے کہ ایکطرف تو امرا اسے طوعی خیال کر کے اس کی ادائیگی سے بچنے کی کوشش نہ کریں۔ اور دوسری طرف غریبوں کے دلوں میں احساسِ کمتری پیدا نہ ہو۔ اور وہ یہ خیال نہ کریں کہ امیروں نے ان پر ترس کھا کر یہ مال بطور خیرات انہیں دیا ہے ؁

زکوٰۃ نہ صرف درہم و دینار پر لگائی گئی۔ بلکہ ہر قسم کے مال و اسباب مثلاً مویشیوں، اناج، پھل، سونا، چاندی اور سامانِ تجارت پر بھی عائد کی گئی ہے۔ تاکہ ایک طرف تو امراء کے ہر قسم کے اموال میں غرباء کا حق قائم ہو جائے۔ اور دوسری طرف کوئی بھی مالدار اسکی ادائیگی سے بچ نہ سکے ؎

مزید برآں اس کی وصولی کا کام افراد کے ہاتھ میں نہ دیا گیا بلکہ یہ ذمہ داری حکومت پر عائد کی گئی کہ وہ امراء سے مالِ زکوٰۃ وصول کر کے اسے غرباء میں تقسیم کرے۔ اگر یہ کام افراد کے سپرد کیا جاتا اور غرباء کو کہا جاتا کہ وہ دربدر پھر کر اپنے لئے اموالِ زکوٰۃ جمع کر لیں تو اس سے ان کی عزّتِ نفس کو سخت ٹھیس لگتی جسے اسلام قطعاً برداشت نہیں کرسکتا۔ مزید برآں اس کا ایک نقصان یہ بھی تھا۔ کہ جو غرباء سوال کرنے کو طبعاً ناپسند کرتے ہیں وہ تو محروم رہ جاتے اور دوسرے لوگ جنہیں مانگنے کا ڈھنگ آتا ہے وُہ اپنے حق سے کہیں زیادہ لے جاتے ؎

موجودہ نظامِ معیشت کے تحت غرباء اپنی حالت سے مطمئن نہیں ہیں۔ ان کے دل سرمایہ داروں کے خلاف غیظ و غضب اور نفرت و حقارت سے بھرپور رہتے ہیں۔ کیونکہ سرمایہ دار طبقہ ہر ممکن طریقے سے دولت کو کھینچ کر اپنی تجوریوں میں بھرنے کی فکر میں سرگرداں رہتا ہے۔ غرباء کو

اس میں سے کچھ حصّہ نہیں ملتا۔ لیکن اسلام نے زکوٰۃ کا جو بابرکت نظام مقرر فرمایا ہے۔ اس کی بدولت نہ غریبوں میں بے چینی اور بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے اور نہ ان کے دل امیروں کے خلاف نفرت و حقارت اور غیظ و غضب سے بھرپور ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہیں امرار کے اموال سے حصّہ ملتا رہتا ہے۔ اور ملتا بھی ایسے ذریعے سے ہے۔ جس میں اُنہیں کسی قسم کی ذلّت و رسُوائی سے دوچار ہونا نہیں پڑتا ؛

بعض طبقوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ غربار کو عضوِ معطّل بنا کر رکھ دیتی ہے۔ ان کا گذارہ محض زکوٰۃ کے رُوپے پر رہ جاتا ہے اور محنت کر کے روپیہ حاصل کرنے کی عادت جاتی رہتی ہے۔ لیکن یہ اعتراض محض غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ زکوٰۃ کا مقصد جہاں ایک طرف یہ ہے کہ مستحق لوگوں کو امداد دی جائے وہاں دوسری طرف یہ بھی ہے کہ اس روپے کے ذریعے غربار کو اپنے پیروں پر کھڑا کیا جائے اور جو لوگ سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے کوئی کام نہیں کر سکتے۔ انہیں کچھ رقم فراہم کر کے کام شروع کرنے کے قابل بنایا جائے ؛

اسلام اور غربار کی باہمی کشمکش کو دُور کرنے کے لئے اسلام نے ایک اور طریقہ بھی استعمال کیا ہے۔ جس کے ذریعے لوگوں میں غربت اور امارت کا احساس بہت حد تک دُور ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس

نے ہر شعبۂ حیات میں امیروں اور غریبوں کو ایک سطح پر رکھا ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ دوسرے لوگوں میں امرار کے ناموں کے ساتھ بالعموم بڑے بڑے القاب استعمال کئے جاتے ہیں اور ہر مجلس اور ہر محفل میں انکی حد درجہ تعظیم و تکریم کی جاتی ہے۔ لیکن اسلام امرار کے ناموں کے ساتھ القاب استعمال کرنے کا روادار نہیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے امیر و غریب سب کے لئے ایک ہی لقب تجویز فرمایا تھا اور وہ تھا "صاحب"۔ اس طرح نہ غریبوں میں اپنی غربت کے باعث احساسِ کمتری پیدا ہوتا تھا اور نہ امیروں میں اپنی امارت کے باعث غرور و تکبّر کے جذبات رُونما ہوتے تھے۔

غنیمتوں کی تقسیم میں بھی آپ امراء و غربار کو مساوی سطح پر رکھتے تھے۔ اور غریب و امیر کی تجویز قطعاً روا نہ رکھتے تھے۔ پیدل کو ایک حصّہ ملتا تھا اور سوار کو تین۔ جن میں سے ایک حصّہ اس کا اپنا ہوتا تھا اور دو حصّے گھوڑے کے۔

مساوات کا یہی اصُول احکام کی تنفیذ میں بھی کارفرما تھا۔ قانون کی نظر میں امیر و غریب سب برابر تھے۔ دوسری اقوام میں امیروں کے لئے کچھ قانون تھے اور غریبوں کے لئے کچھ اور۔ اگر امیر کوئی جرم کرتا تھا تو اُسے کوئی سزا نہ ملتی تھی۔ یا اگر ملتی تھی تو بہت ہلکی۔

لیکن وہی جُرم اگر کسی غریب سے سرزد ہوتا تھا تو اُسے کڑی سے کڑی سزا دی جاتی تھی۔ چنانچہ یہودیوں سے اگر کوئی معزّز شخص زنا کا مرتکب ہوتا تھا تو اسے کچھ نہ کہا جاتا تھا۔ لیکن اگر غریب یہی جُرم کرتا تھا تو اس پر حد قائم کی جاتی تھی۔ اسلام نے آکر اس تفریق کو یکسر مٹا دیا۔ اور سزاؤں کی تنفیذ میں غرباء اور امراء کو ایک ہی سطح پر رکھا۔ قریش کے ایک بہت معزّز قبیلے بنو مخزوم کی ایک با اثر عورت فاطمہ بنت اسود ایک مرتبہ چوری کے جُرم میں ماخوذ ہوگئی۔ اس کی قوم کے لوگوں نے رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے پاس آکر سفارش کی اور کہا کہ "اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ اس کے بدلے ہم چالیس اوقیہ سونا ادا کردیں گے"۔

لیکن رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ایسا کرنے سے صاف انکار کردیا اور فرمایا:۔

"اگر فاطمہ بنتِ محمدؐ بھی چوری کرے تو مَیں اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالوں۔ تم سے پہلی قومیں اسی لئے ہلاک ہوگئیں کہ اگر ان کا کوئی معزّز شخص جُرم کا ارتکاب کرتا تھا تو وہ اسے چھوڑ دیتے تھے۔ لیکن اگر غریب سے کوئی جُرم سرزد ہوتا تھا۔ تو اُسے پوری سزا دیتے تھے"۔

اس عدل و انصاف اور مساوات کی بدولت اسلامی سلطنت میں غربار اور امراء کا تفاوت ختم ہو گیا۔ ہر دو طبقے ایک ہی سطح پر آ گئے۔ اور انہوں نے مل کر مملکت کی تعمیر میں حصّہ لینا شروع کر دیا *

اسلامی سلطنت کا نظامِ حکومت

اسلام کے ظہور کے وقت زمین کے گوشے گوشے میں جور و استبداد کا بازار گرم تھا۔ ایک طرف مطلق العنان شہنشاہتیں اور شخصی حکومتیں تھیں۔ جہاں مملکت کا کل اقتدار فردِ واحد کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ وہ جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ اس کے آگے کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہ تھی۔ حکام اور شہنشاہ عیش و عشرت کے دلدادہ تھے۔ اور سلطنت کے خزانے کا بیشتر حصہ رفاہ عامہ پر خرچ ہونے کی بجائے ان کی ہوس پرستیوں کی نذر ہوتا تھا۔ دوسری طرف نام نہاد مذہبی پیشوا تھے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ بن کر کھڑے ہو گئے تھے۔ جور و استبداد میں یہ لوگ بھی دنیوی بادشاہوں سے کسی طرح کم نہ تھے۔ مذہب کا ٹھیکیدار اپنے آپ کو عام انسانوں سے بالاتر سمجھتا تھا۔ اور اس نے اپنے آپکو خدائی کا درجہ دے رکھا تھا۔ چنانچہ سورۂ توبہ میں اللہ تعالےٰ نے انہی لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللہ (رکوع ۵)

یعنی انہوں نے اپنے مذہبی عالموں اور راہبوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا ہے ۔

اسلام نے آکر ایک طرف تو مذہبی پیشواؤں کے استبداد کا خاتمہ کر دیا اور دیگر مذاہب کے خلاف خدا اور اس کے بندوں کا براہِ راست تعلق قائم کر کے انہیں مذہب کے ان نام نہاد اجارہ داروں سے بے نیاز کر دیا۔ دوسری طرف شوریٰ کا بے نظیر نظام قائم کر کے دنیوی بادشاہوں کی مطلق العنانی اور اقتدار پر ضرب کاری لگا دی۔ اور حکومت پر فرض قرار دیا کہ کوئی اہم کام مشورے کے بغیر انجام نہ دے۔ اسلام سے قبل شوریٰ کا کہیں وجود نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آکر دنیا کو اس سے روشناس کرایا۔ اور اس طرح پہلی بار شورائی طرزِ حکومت کی بنیاد قائم ہوئی۔ اسلام نے شوریٰ کو جس قدر اہمیت دی ہے وہ ذیل کی دو آیتوں سے پوری طرح واضح ہو جاتی ہے ۔

پہلی آیت میں اللہ تعالےٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے :-

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔ ان اللہ یحب

المتوکّلین ٥ (سورۂ آل عمران رکوع ۱۷)

(ترجمہ)" اور تو اس عظیم الشان نعمت کی وجہ سے ہی جو اللہ کی طرف سے تجھے دی گئی ہے ان کیلئے نرم واقع ہوا ہے۔ اور اگر تو بداخلاق اور سخت دل ہوتا تو یہ لوگ تیرے گرد سے تتر بتر ہو جاتے۔ پس تو انہیں معاف کر دے۔ اور ان کے لئے خدا سے بخشش مانگ اور حکومت کے معاملات میں ان سے مشورہ لیا کر۔ پھر جب تو کسی بات کا پختہ ارادہ کر لے تو اللہ پر توکّل کر۔ اللہ توکّل کرنیوالوں سے یقیناً محبت کرتا ہے"۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے جو شوریٰ کی اہمیت کو سمجھ کر اس پر کماحقہٗ عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے :-

والّذین استجابوا لربّھم واقاموا الصّلٰوۃ وامرھم شوریٰ بینھم وممّا رزقناھم ینفقون ٥ (سورہ شوریٰ رکوع ۴)

(ترجمہ)" اور جو اپنے رب کی آواز کو قبول کر لیتے ہیں اور نمازیں باجماعت ادا کرتے ہیں اور ان کا طریق یہ ہے کہ اپنے ہر معاملے کو باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں"۔

ان احکام کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی صحابہ رضؓ

سے برابر مشورے کرتے رہتے تھے۔ اور نہ صرف مشورے کرتے تھے بلکہ ان مشوروں پر عمل بھی کرتے تھے۔ بعض اوقات حضورؐ کی رائے صحابہ کی رائے سے مختلف ہوتی تھی لیکن آپ اکثریت کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اسے قبول کر لیتے تھے۔ جنگِ احد کا واقعہ اس کی بیّن مثال ہے۔ آپ کی رائے یہ تھی کہ اس موقعہ پر شہر میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن چونکہ صحابہؓ کی اکثریت یہ چاہتی تھی کہ باہر چل کر مقابلہ ہو تاکہ انہیں مردانگی کے جوہر دکھانے کا موقعہ ملے، اس لئے آپ نے اپنی رائے پر اصرار نہیں کیا اور شہر سے باہر نکل کر دشمن سے صف آرا ہوئے۔

شوریٰ کے بارے میں یہ قید نہ تھی کہ صرف ایک خاص طبقے کو اس میں شریک کیا جائے۔ عوام و خواص سب کو اس میں شریک کیا جاتا تھا حتّٰی کہ عورتیں تک مستثنیٰ نہ تھیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے صحابہؓ کو سر منڈوانے اور قربانی کرنے کا حکم دیا۔ لیکن صحابہ اس صلح کی وجہ سے اس قدر دل شکستہ ہو رہے تھے کہ کوئی شخص بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام یہ دیکھ کر اپنی زوجۂ محترمہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئے اور انہیں یہ ماجرا سنا کر مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے عرض کیا:-

"یارسول اللہ! مسلمان اس وقت بہت بڑی آزمائش سے دوچار ہیں۔ آپ نے انہیں صُلح کی ایسی شرائط قبول کرنے پر مجبور کیا ہے جو انہیں دل سے ناپسند ہیں۔ اور اب وُہ فتح حاصل کئے بغیر واپس جا رہے ہیں۔ وہ لوگ خدانخواستہ آپ کی نافرمانی پر آمادہ نہیں۔ لیکن چونکہ اس غیر متوقع صورت حال کا ان کے دل و دماغ پر بہت اثر ہے۔ اس لئے جب آپ نے انہیں قربانی کرنے اور سر منڈوانے کا حکم دیا تو شدّتِ رنج والم کے باعث ان کے کانوں تک آپ کی آواز پہنچی ہی نہیں۔ آپ باہر جا کر خود اپنی قربانی کا جانور ذبح کیجئے اور سر منڈوائیے۔ آپ کو دیکھ کر باقی لوگ بھی فوراً ایسا کرنے پر آمادہ ہو جائینگے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے یہی کیا اور حضرت ام سلمہؓ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے باہر جا کر قربانی کر دی اور سر مُنڈوا دیا۔ آپکو ایسا کرتے دیکھ کر صحابہ پر سے بھی یک لخت مدہوشی کی حالت دُور ہو گئی اور وہ دیوانہ وار قربانی کے جانوروں کی طرف لپکے۔

مملکت کے خزانے کے متعلّق بھی رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے دیگر بادشاہوں سے مختلف طرزِ عمل اختیار کیا۔ آپ بیت المال میں جمع شدہ تمام اموال لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور اپنے لئے اس میں سے صرف اتنا ہی لیتے تھے جو آپ کے اور آپ کے اہل وعیال کے

گزارے کے لئے کافی ہوتا تھا۔ اس طرح آپ سلطنت کے عمّال کیلئے ایک اعلیٰ مثال قائم کرنا چاہتے تھے کہ وہ بھی بیت المال کو ایک قومی امانت سمجھیں اور ملک کے خزانے کو اپنی ذات پر خرچ کرنے کی بجائے عوام الناس کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کردیں۔ تاکہ انہیں عوام کی خوشنودی حاصل رہے اور ملک کا بچہ بچہ حکومت کے حکم پر لبّیک کہتے ہوئے اپنی تمام طاقتیں ملک کے استحکام کے لئے وقف کردے ؞

اِسلامی سلطنت کا تعلیمی نظام

حصولِ علم پر اسلام نے خاص طور پر توجّہ دی ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بعثت کا ایک مقصد لوگوں کو جہالت کی گمراہی سے نکال کر علم کی دولت سے مالا مال کرنا بھی تھا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

ھوالّذی بعث فی الامّیّین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیاتہٖ ویزکّیھم ویعلّمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلالٍ مبین ٥ (سورہ جمعہ رکوع ۱)

(ترجمہ) ''وہی خدا ہے جس نے ایک اَن پڑھ قوم کی طرف اسی میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا جو انکو خدا کے احکام سناتا ہے اور انکو پاک کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ گو وہ اس سے پہلے بڑی گمراہی میں تھے''۔

اسی طرح ایک اور جگہ اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے :-

لقد منّ اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلو علیھم آیاتہٖ و یزکّیھم ویعلّمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلالٍ مبین ٥

(سُورۂ آل عمران ع ۱۷)

(ترجمہ) "اللہ نے مومنوں میں سے ایک ایسا رسُول بھیج کر جو اُنہیں اس کے نشان پڑھ کر سُناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے یقیناً ان پر احسان کیا ہے اور وہ اس سے پہلے یقیناً کھُلی کھُلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے"۔

عرب علم اور شائستگی سے کوسوں دُور تھے اور اسی بناء پر دُوسری اقوام انہیں اُمّی (ان پڑھ اور جاہل) کے لقب سے پکارتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انہیں خوشخبری دی کہ اب ان کی جہالت کا زمانہ ختم ہؤا۔ کیونکہ انہیں دین اور علم و حکمت سکھانے کے لئے ہم نے اپنے رسولؐ کو مبعوث کیا ہے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حکمت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس میں ہر قسم کے علوم جن سے بنی نوعِ انسان کو فائدہ پہنچے آجاتے ہیں خواہ وہ دینی ہوں یا دنیوی۔ معقولی ہوں یا منقولی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو جو کام تفویض کیا گیا تھا آپ نے اسے پُوری طرح سرانجام دیا اور امت کے لئے ایک ایسی بنیاد قائم

کر دی جس پر بعد میں علوم و فنون کی ایک رفیع الشان عمارت تعمیر ہو گئی اور مسلمانوں میں ایسے ایسے جلیل القدر علماء اور حکماء پیدا ہوئے جن کی نظیر پیش کرنے سے زمانہ قاصر ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالےٰ نے "حکمت" کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اس کا ذکر "کتاب" (یعلّمھم الکتاب) کے ساتھ کیا ہے کیونکہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ مذہب پر عمل کرنے کے ساتھ علم اور حکمت کو بھی اختیار نہ کرے۔ حکمت کی اہمیت کو اللہ تعالیٰ ایک اور آیت میں اس طرح ظاہر فرماتا ہے :-

یوت الحکمۃ من یشآء ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا وما یذکّر الّا اولوا الالباب (سورہ بقرہ ع ۳۷)

(ترجمہ) "اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی ہو تو سمجھ لو کہ اُسے ایک بہت ہی نفع رساں چیز مل گئی ہے اور یاد رہے کہ عقلمندوں کے سوا نصیحت بھی کوئی حاصل نہیں کیا کرتا"۔

رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے علم کی ترویج کے سلسلے میں سب سے پہلے یہ کوشش کی کہ صحابہ کو لکھنا پڑھنا سکھایا جائے۔ غزوۂ بدر کے موقعہ پر کفار کے جو لوگ گرفتار کئے گئے تھے، ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جو زرِ فدیہ ادا کرنے کے قابل تو نہ تھے لیکن انہیں لکھنا پڑھنا

آتا تھا۔ آپ نے ان سے فدیے کی رقم کے بدلے یہ مطالبہ کیا کہ وُہ مدینہ کے دس دس بچّوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی خاص توجہ کا یہ اثر ہُوا کہ بہت ہی قلیل عرصے میں بیشتر صحابہؓ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ پھر حضورؐ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ علم کی اہمیت کو بار بار واضح کر کے ہر مسلمان مرد و عورت پر اس کا سیکھنا لازمی قرار دیا۔ تحصیل علم کے سلسلہ میں علومِ دینیہ کی تخصیص نہ تھی اور نہ ہی یہ قدغن عائد تھی کہ صرف مسلمان اساتذہ ہی سے علم حاصل کیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا جس سے یہودی علماء کے سوا اور کوئی واقف نہ تھا۔ قرآن کریم میں بھی اہلِ کتاب علماء سے استفادہ کرنے کی اجازت دیگئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وما ارسلنا من قبلك الّا رجالاً نوحی الیھم فاسئلوا اھل الذکر ان کُنتم لا تعلمون (سورہ نحل ع ۶)

(ترجمہ) "ہم تجھ سے پہلے بھی ہمیشہ مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا کرتے تھے اور ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے (اور اے منکرو!) اگر تُم اس حقیقت کو نہیں جانتے تو اس (یعنی اللہ تعالے کے بھیجے ہوئے) ذکر (کو ماننے) والوں سے (ہی) پُوچھ لو (تا حقیقت تمہیں معلوم

ہو سکے)"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے گھر گھر میں علم کا چرچا ہونے لگا۔ علم سیکھنے میں عورتیں بھی مردوں سے پیچھے نہ رہیں۔ بعض عورتوں نے تو یہاں تک ترقی کی کہ انہوں نے نہ صرف علم سیکھا بلکہ دوسروں کو سکھانے کی ذمہ داری بھی قبول کی۔ چنانچہ شفار بنت عبداللہ مدینہ کی عورتوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا کرتی تھیں۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے بموجب ان سے لکھنا پڑھنا سیکھتی تھیں۔ سب سے بڑے معلم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ اور مسجد نبوی سب سے بڑی درسگاہ تھی۔ جہاں بیٹھ کر حضورؐ صحابہ کو علم وعرفان سے فیضیاب کیا کرتے تھے۔ درس وتدریس کے لئے حضورؐ نے چند دن مردوں کے لئے مخصوص کئے ہوئے تھے اور چند دن عورتوں کے لئے۔ مسجد نبوی کے علاوہ حضورؐ کے گھر میں بھی درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ یہاں امہات المومنینؓ اور حضورؐ کی بیٹیاںؓ آپ سے علم وحکمت کا درس لیتی تھیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ امہات المومنینؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من اٰیات اللہ والحکمۃ ان اللہ کان لطیفاً خبیراً ٥ (سورۂ احزاب رکوع ۴)

(ترجمہ) "اے اہلِ بیت! جو کچھ تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کی تلاوت کی جاتی ہے اسکو یاد رکھو۔ اللہ بہت مہربانی کرنے والا اور خبر رکھنے والا ہے"۔

اس درس گاہ سے جو لوگ فارغ التحصیل ہو کر نکلے ان میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کا نام سرفہرست ہے۔ ان کے بارے میں عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں:۔

"میں نے فقہ، طب اور شعر و شاعری میں حضرت عائشہؓ سے زیادہ ماہر اور کوئی نہیں دیکھا۔ ان کے سامنے جو بات بھی کی جاتی وہ اسکے متعلق شعر پڑھ دیا کرتی تھیں"۔

ابو بردہ اشعری کہتے ہیں۔ "اگر ہمیں کسی امر کے متعلق کوئی مشکل پیش آتی تو ہم حضرت عائشہؓ کے پاس چلے جاتے۔ وہ ہمیں اس کے متعلق بالتفصیل بتا دیا کرتی تھیں"۔

ان کی بھتیجی عائشہ بنت طلحہ کو عرب کے قدیم تاریخی واقعات، شعراء عرب کے قصائد اور دیوان ازبر یاد تھے۔ ستاروں کے متعلق بھی ان کا علم بے حد وسیع تھا۔ جو ستارہ نکلتا وہ اس کے متعلق تمام باتیں تفصیل سے بتا دیا کرتی تھیں۔ ہشام بن عبدالملک کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور اس نے ان سے پوچھا کہ تاریخی واقعات اور اشعار کا علم حاصل کرنا تو

تعجب انگیز بات نہیں۔ لیکن ستاروں کا علم تم نے کہاں سے سیکھا؟ انہوں نے جواب دیا" یہ علم میں نے اپنی خالہ (حضرت عائشہؓ) سے سیکھا ہے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کا علم صرف دینی امور تک محدود نہ تھا بلکہ دنیوی امور میں بھی انہیں مہارت حاصل تھی۔

علم کی ترویج و اشاعت کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پالیسی پورے طور پر کامیاب رہی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ایک صحابی علم وفضل کا مینار ثابت ہوا۔ تشنگانِ علم جوق درجوق ان کے پاس آتے اور اپنی تشنگی دُور کرتے۔ صحابہؓ کے علم وفضل کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے:۔

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ سے ہزاروں لوگوں نے فیض حاصل کیا۔ صحابہؓ کے فیض یافتگان دوسرے لوگوں کے لئے سرچشمہ علوم ثابت ہوئے اور تھوڑے ہی عرصے میں تمام عرب علم کی روشنی سے منور ہو گیا۔ عہدِ عباسیہ میں علوم وفنون کی ترقی اپنے عروج کو پہنچ گئی۔

ہر سو مدارس اور مکاتب جاری ہو گئے۔ جن میں بڑے بڑے علماء اور فضلاءؒ
درس دیتے تھے۔ اور پیاسی دنیا کو اپنے علم و فضل سے سیراب کرتے تھے۔
اس وقت علم کے میدان میں مسلمان تمام دُنیا کے راہبر تھے اور دُنیا کے
گوشے گوشے سے لوگ سمٹ کر اسلامی مدارس میں تحصیل علوم و فنون کیلئے
آتے تھے ۔

اسلامی سلطنت میں عورت کی حیثیت

اسلام سے قبل عورت کی حالت بیحد ابتر تھی۔ مرد کے مقابلے میں اسکی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔ اس کے ساتھ لونڈیوں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ نہ اسے ورثے کا مستحق سمجھا جاتا تھا اور نہ کسی چیز پر اس کا حقِ ملکیت تسلیم کیا جاتا تھا۔ مرد کے مرنے کے بعد اسکے باقی ترکے کی طرح بیویوں کو بھی وارثوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اور گفتنی ناگفتنی مظالم اس پر ڈھائے جاتے تھے۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی عادت بھی انہیں عام تھی اور جو یہ کارنامہ سرانجام دیتا تھا۔ وہ قبیلے میں انتہائی تعظیم و تکریم کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔ جو لڑکی دفن ہونے سے بچ جاتی تھی وہ ساری عُمر برادری کے طعن و تشنیع کا شکار رہتی تھی اور ہر جانب سے اس پر پھٹکار پڑتی رہتی تھی ؛

اسلام نے آکر ان تمام مظالم کا سلسلہ یکسر بند کرا دیا۔ اور عورت کو ذلّت و پستی کی حالت سے نکال کر بامِ عروج پہ پہنچا دیا۔ جو حقوق مردوں کو حاصل

تھے۔ کم و بیش وہی حقوق عورتوں کو بھی دیئے۔ ورثہ میں اس کا حق رکھا۔ ترکہ میں عورتوں کو تقسیم کرنے کا جو رواج چلا آرہا تھا اسے یک قلم موقوف کر دیا۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا حرام قرار دیا۔ اور اس طرح اس ہولناک رسم کا سختی سے قلع قمع کر دیا۔ باپ کی طرح ماں کی اطاعت کو لازمی قرار دیا۔ امور سلطنت میں عورت کا بھی حصّہ رکھا۔ وہ مردوں کے دوش بدوش مسجدوں میں حاضر ہوتی تھیں۔ ان کے ساتھ نمازیں ادا کرتی تھیں۔ اور خطبات اور وعظ و نصائح سن کر کماحقہٗ فائدہ حاصل کرتی تھیں ؂

ان امور نے مسلمان عورتوں میں آزادی کا شعور پیدا کر دیا تھا۔ اگر کبھی وہ دیکھتی تھیں کہ مردوں کی جانب سے ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو رہی ہے تو وہ فوراً اسکے خلاف آواز بلند کرتی تھیں اور اپنے حقوق منوا کر چھوڑتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ عورتوں نے دیکھا کہ حضورؐ کے ارشادات سے تمامتر فائدہ مرد ہی حاصل کرتے ہیں اور وہ محروم رہ جاتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے درخواست کی کہ انہیں بھی ارشادات نبوی سے فیضیاب ہونے کا موقع دیا جائے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرما کر ہفتہ میں چند دن ان کے لئے بھی مخصوص فرما دیئے ؂

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں اسی طرح کا ایک واقعہ اور پیش آیا۔ اور وہ اس طرح کہ ایک لڑکی حضرت عائشہؓ کے پاس آئی اور عرض کیا کہ میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے۔ لیکن وہ حد سے زیادہ کنجوس ہے اور مجھے اس کی یہ عادت ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ جس کے باعث میں اس سے سخت تنگ ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ تھوڑی دیر بیٹھو۔ جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تشریف لائیں تو انہیں بتانا۔ چنانچہ جب حضورؐ تشریف لائے تو اس لڑکی نے وہی شکایت آپ کے سامنے بھی پیش کی۔ حضورؐ نے اس کے والد کو بلایا اور فرمایا کہ چونکہ تمہاری لڑکی کو یہ عقد منظور نہیں ہے اس لئے میں اسے فسخ کرتا ہوں۔ جب لڑکی نے دیکھا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کے حق میں فیصلہ سُنا دیا ہے تو اس نے کہا :-

"یا رسولؐ اللہ ! میرے باپ نے جس جگہ میرا نکاح کیا ہے وُہ مجھے منظور ہے۔ لیکن در اصل میں عورتوں کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ نکاح کے معاملے میں سارا اختیار ان کے والدین ہی کو حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی اپنی رضامندی بھی ضروری ہے"۔

البتہ یہ درست ہے کہ اسلام نے مرد کو گھریلو معاملات میں عورت کا نگران ضرور مقرر کیا ہے۔ لیکن اس کی وجوہ بھی ساتھ ہی بتا دی ہیں

چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :-

الرّجال قوّامون علی النّساء بما فضّل بعضهم علی بعض و بما أنفقوا من اموالهم فالصّلحت قانتات حافظات للغیب بما حفظ الله واللاّتی تخافون نشوزهنّ فعظوهنّ واهجروهنّ فی المضاجع واضربوهنّ فان اطعنکم فلا تبغوا علیهنّ سبیلاً ۰ انّ الله کان علیّاً کبیراً ۰ (سورۃ نساء ع ۶)

(ترجمہ) "مرد عورتوں پر اس فضیلت کے سبب سے جو اللہ نے ان میں سے بعض کو دوسروں پر دی ہے اور اس سبب سے کہ وہ اپنے مالوں میں سے (عورتوں پر) خرچ کرچکے ہیں نگران (قرار دئے گئے) ہیں پس نیک عورتیں فرمانبردار اور اللہ کی مدد سے پوشیدہ امور کی محافظ ہوتی ہیں اور جن کی نافرمانی کا تمہیں خوف ہو تم انہیں نصیحت کرو۔ اور انہیں خوابگاہوں میں اکیلا چھوڑ دو۔ اور انہیں مارو۔ پھر اگر وہ اطاعت کرنے لگیں تو ان کے خلاف کوئی بہانہ تلاش نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ یقیناً بہت بلند اور بڑا ہے"۔

ہم اوپر تصریح کرچکے ہیں کہ عورت پر مرد کی نگرانی صرف گھریلو معاملات تک محدود ہے۔ یہ ضروری ہے کہ گھریلو امور کا کوئی نگران ہو۔ اور وہ بالعموم مرد ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ کوئی قاعدۂ کلیہ نہیں ہے کہ نگران

صرف مرد ہو۔ بعض عورتیں مرد سے بہتر طور پر کام کر سکتی ہیں۔ اس صورت میں نگرانی کا کام انہیں تفویض کیا جائے گا۔ اسی طرح مرد کو نگران ہونے کے باعث یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ عورت کے مال و اسباب اور زیورات وغیرہ کو اپنے تصرّف میں لائے۔ ان چیزوں میں تصرف کرنے کا حق صرف عورت کو حاصل ہے۔

مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے مرد کو یہ حق دیا ہے کہ وہ بوقتِ ضرورت عورت کو تادیب کر سکتا ہے۔ اور اس غرض کیلئے وہ تھوڑی بہت مار پیٹ بھی کر سکتا ہے۔ گو اسلامی تعلیم کی رُو سے عورتوں کو مارنا پسندیدہ امر نہیں لیکن بعض مواقع ایسے پیش آجاتے ہیں جب اسکے بغیر چارہ بھی نہیں ہوتا۔ بعض عورتوں کی سرشت ہی اس قسم کی ہوتی ہے کہ بغیر سزا دیئے ان کی اصلاح نہیں ہوتی۔ لیکن اس صورت میں بھی یہ امر ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے کہ صرف اتنی سزا دی جائے جو عورت کی اصلاح کے لئے کافی ہو مغلوب الغضب ہو کر بے تحاشا مارنا پیٹنا اسلام کی رُو سے قطعاً جائز نہیں ہے۔ ویسے بھی بدنی سزا دینا ہر حالت میں ضروری اور مستحسن نہیں ہے۔ اگر اس سے کسی فائدے کی امید نہ ہو تو یقیناً ہر انسان کو اس سے بچنا چاہیئے۔

اِسلامی سلطنت کا حربی نظام

استعماری طاقتوں کی طرح اسلام نے جنگ کو دوسری قوموں پر اپنا تسلط قائم کرنے اور انہیں اپنا غلام بنانے کے لئے کبھی استعمال نہیں کیا۔ اسی طرح اس نے جنگ کو انتقام لینے کا ذریعہ بھی نہیں بنایا۔ دورانِ جنگ میں بہیمیت کے جو مظاہرے عام طور پر کئے جاتے ہیں اسلام نے ان کی بھی مطلق اجازت نہیں دی۔ جنگ کو غیر انسانی افعال سے دُور رکھنے کے لئے اس نے چند ضابطے مقرّر کر دیئے ہیں جنہیں ملحوظ خاطر رکھنا ہر اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ ان ضابطوں کی کسی قدر تفصیل درجِ ذیل ہے :-

(۱) جنگ ہمیشہ مدافعانہ ہونی چاہیئے۔ اسلام کی رُو سے کسی قوم کو جارحیت کا نشانہ بنانا اور اس پر زبردستی تسلط قائم کر کے اپنا غلام بنا لینا ناجائز ہے۔ اسلامی سلطنت نے ہمیشہ اس ضابطے کی پیروی کی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے صرف انہی مخالفین کے مقابلے میں تلوار استعمال کی جنہوں نے مسلمانوں کو اپنے جارحانہ حملوں کا شکار بنایا۔ اگر آپ کی جنگیں

مدافعانہ نہ ہوتیں تو آپ طاقت حاصل کرتے ہی دشمنوں کے خلاف وسیع پیمانے پر جنگ وجدل کا سلسلہ شروع کر دیتے اور ہر ایسا قبیلہ جو مذہبی لحاظ سے آپکا مخالف تھا۔ آپ کے جارحانہ حملوں سے محفوظ نہ رہ سکتا۔ لیکن تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے صرف ان قبائل اور طاقتوں کے ساتھ جنگ کی جو خود پہل کر کے آپ کے مقابلے میں آئے۔ پہلے قریش آپ کے مقابلے میں آئے۔ پھر قبائل عرب نے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے باندھے اور آخر میں ایران اور روم کی سلطنتوں نے حکومتِ مدینہ سے مقابلے کی ٹھانی۔ مسلمان اس وقت ان کے مقابلے میں آئے جب ان کے لئے ہتھیار اٹھانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ اسلام نے انتہائی ناگزیر حالات پیش آنے کی صورت میں جنگ کی اجازت دی ہے ورنہ اس کی تعلیم یہی ہے کہ اگر مخالف زیادتی بھی کرے تو اسے صبر کے ساتھ برداشت کرنا چاہیئے۔ اور جس حد تک ممکن ہو سکے لڑائی سے گریز کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

جزاءُ سیّئۃٍ سیّئۃٌ مثلھا۔ فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ۔ انہٗ لا یحبّ الظالمین ۝ (سورۃ شوریٰ ع ۴)

(ترجمہ) "بدی کا بدلہ اتنی ہی بدی ہوتی ہے اور جو معاف کرے اور اصلاح کو مدنظر رکھے تو اسے بدلہ دینا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوتا ہے۔

وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا"۔

(۲) مدافعانہ تدابیر صرف اس حد تک اختیار کرنی چاہیئں کہ جارحیت کا سدّباب ہو سکے۔ یہ نہ ہو کہ مدافعانہ تدابیر خود جارحیت کی شکل اختیار کر لیں۔ اس ضابطہ کی رُو سے ضروری ہے کہ آلاتِ حرب کے استعمال میں کامل احتیاط برتی جائے اور صرف وہی ہتھیار استعمال کئے جائیں جنہیں مخالف فریق بھی استعمال کرتا ہے۔ کوئی ایسا ہتھیار استعمال نہ کیا جائے جس سے بہت زیادہ خونریزی کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

الشهر الحرام بالشهر الحرام والحرمات القصاص فمن اعتدىٰ عليكم فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدىٰ عليكم واتقوا الله واعلموا ان الله مع المتقين ○

(سورۃ بقرہ ع ۲۴)

(ترجمہ) "حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے بدلے میں ہے اور سب ہی عزّت والی چیزوں کی ہتک کا بدلہ لیا جاتا ہے۔ اِس لئے جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس سے اس کی زیادتی کا جس قدر کہ اس نے تم پر زیادتی کی ہو بدلہ لے لو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ یقیناً متقیوں کے ساتھ ہوتا ہے"۔

(۳) اگر فریقِ مخالف لڑائی سے رُک جائے تو مُسلمانوں کو بھی جنگ کا سلسلہ بند کر دینا چاہیئے۔ اس ضابطہ کی رُو سے ضروری ہے کہ جب دشمن صُلح کی درخواست کرے تو اُسے قبول کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ ویکون الدّین للّٰہ فان انتھوا فلا عدوان الّا علی الظّالمین (سورہ بقرہ ع ۲۴)

(ترجمہ) "اور تم ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھو جب تک فتنہ کا کوئی ڈر باقی نہ رہے اور دین (کا قبول کرنا) محض اللہ تعالیٰ کیلئے ہو جائے۔ پھر اگر وُہ باز آ جائیں تو یاد رکھو کہ ظالموں کے سوا کسی پر گرفت جائز نہیں"۔

اسی طرح ایک اور جگہ فرماتا ہے :-

وَان جنحوا للسّلم فاجنح لھا وتوکّل علی اللّٰہ۔ انّہٗ ھو السّمیع العلیم ۝ (سورہ انفال ع ۸)

(ترجمہ) "اگر وُہ کافر صُلح کی طرف مائل ہوں تو (اے رسول!) تو بھی صُلح کی طرف مائل ہو اور اللہ پر توکّل کر (اور اس خیال سے نہ ڈر کہ کہیں وہ بعد میں دھوکا نہ دیں) اللہ تعالیٰ یقیناً بہت دُعائیں سُننے والا اور بہت جاننے والا ہے"۔

(۴) جنگ کا دائرہ صرف فریق مخالف کے لشکر تک ہی محدود رہنا چاہیئے۔ لشکر سے باہر عورتوں، بچّوں، بُوڑھوں اور راہبوں وغیرہ سے بالکل تعرض نہ کرنا چاہیئے۔ بخاری، مسلم اور حدیث کی دوسری کتابوں میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کسی جنگ کے دوران میں ایک مقتول عورت کی لاش دیکھی جس کی وجہ سے آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار پیدا ہوئے اور آئندہ کے لئے آپ نے عورتوں اور بچّوں کا قتل ممنوع قرار دے دیا۔ ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:-

"کسی بوڑھے، بچّے اور عورت کو قتل نہ کرو۔"

مسند احمد بن حنبل کی ایک حدیث میں بچّوں اور راہبوں کے قتل سے منع فرمایا گیا ہے۔

(۵) لوگوں کو آگ میں جلانا اور مقتولین کا مثلہ کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہم چند لوگوں کو ایک مہم پر روانہ فرمایا۔ اور دو آدمیوں کا نام لیکر ہدایت کی کہ اگر وہ مل جائیں تو انہیں آگ میں جلا دیا جائے۔ جب ہم تیار ہو کر روانہ ہونے لگے تو حضورؐ نے فرمایا:-

"میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ فلاں فلاں لوگوں کو آگ میں جلا دینا

لیکن آگ کا عذاب دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اس لئے اب میں تمہیں ہدایت دیتا ہوں کہ اگر وہ لوگ تمہیں مل جائیں تو انہیں قتل کر ڈالنا"۔

حضرت ابوہریرہؓ ہی کی بیان کردہ ایک حدیث میں مقتولین کے اعضاء کاٹنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔

(۶) اشد ضرورت کے بغیر دشمن کے مال کو نقصان نہ پہنچایا جائے

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ بنو نضیر کے موقعہ پر یہودیوں کو مرعوب کرنے اور انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنے کے لئے ان کے کھجور کے باغات کو آگ لگانے کا حکم دیا۔ جب بنو نضیر نے مسلمانوں کو آگ لگاتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کہلا کر بھیجا کہ آپ تو زمین میں فساد کرنے کو منع کرتے ہیں۔ اب ہمارے درختوں کو کیوں کاٹا اور جلایا جا رہا ہے؟ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو ایسا کرنے سے روک دیا۔ اسی بنا پر اوزاعی اور ابو ثور نے لکھا ہے کہ دشمن کے علاقے میں پہنچ کر اس کی املاک کو نقصان پہنچانا اور فصلوں اور عمارتوں کو جلا دینا ناپسندیدہ امر ہے۔ دلیل انہوں نے یہ پیش کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی فوجوں کو دشمن کے مقابلے پر

روانہ کرتے وقت یہ ہدایت کیا کرتے تھے کہ وُہ نہ تو دشمن کی املاک تباہ و برباد کریں اور نہ انہیں آگ لگائیں ؂

(۷) سامان رسد روک کر دشمن کو بھوکا مارنا ناجائز ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ثمامہ بن اثال رئیس یمامہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد قریش کو یمامہ سے غلّہ کی ترسیل روک دی۔ مکہ میں سارا غلّہ یمامہ ہی سے آتا تھا۔ غلّہ بند ہو جانے کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ وُہ لوگ چمڑا اور مُردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔ بالآخر لاچار ہو کر ابوسفیان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کیا:۔

"آپ کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو "رحمۃً للعالمین" بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن حالت یہ ہے کہ آپ کی قوم بھوک کی شدت سے ہلاک ہو رہی ہے اور آپ کو کوئی خیال نہیں"؂

اس پر آپ نے ثمامہ کو کہلا بھیجا کہ مکہ میں غلّہ کی ترسیل حسب سابق جاری کر دی جائے ؂

(۸) قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو قیدیوں کے کھانے پینے کا خیال رکھتے ہیں۔ فرماتا ہے:۔

وَیطعمون الطّعام علیٰ حبّہٖ مسکیناً ویتیماً و اسیراً ہ (سورۃ الدہر رکوع ۱)

(ترجمہ) "وہ خوشدلی سے مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں"۔

حسن اور عطا کا مذہب ہے کہ قیدیوں کو قتل کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔ ثبوت میں وہ یہ آیت پیش کرتے ہیں:۔

فاذا لقیتم الّذین کفروا فضرب الرقاب۔ حتّٰی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق۔ فامّا منّا بعد واما فداء (سورۂ محمدؐ رکوع ۱)

(ترجمہ) "پس چاہیئے کہ جب تم کافروں سے میدانِ جنگ میں ملو تو (انکی) گردنیں کاٹو یہاں تک کہ جب تم ان کا خون بہالو تو خوب زور سے مشکیں کسو۔ پھر اس کے بعد یا تو احسان کر کے ان کو چھوڑ دو یا تاوانِ جنگ لیکر رہا کر دو"۔

مذکورہ اصحاب کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے قیدیوں کے بارے میں صرف یہ حکم دیا ہے کہ یا تو انہیں بطور احسان رہا کر دیا جائے یا تاوانِ جنگ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ اگر انہیں قتل کرنے کی بھی گنجائش ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ذکر فرماتا۔

اسلام سے قبل جو جنگیں ہوتی تھیں ان میں ان حدود کا مطلق خیال نہ رکھا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ دشمنی کے جذبے کے تحت لڑی جاتی تھیں۔ اور ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ فریق مخالف کے جس قدر آدمیوں کو قتل کیا جا سکے قتل کر دیا جائے۔ اور جس قدر سامان لوٹا جا سکے لوٹ لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص ان جذبات کے ماتحت جنگ میں شریک ہوگا اسکے دل کے کسی گوشے میں رحم کی ہلکی سی جھلک بھی موجود نہ ہوگی۔ اور وہ اپنے آپکو ان قیود کا ہرگز پابند نہ بنائیگا جو اسلام نے دوران جنگ میں عائد کی ہیں ؂

معاہدوں کا احترام

اسلام جنگ کا خواہاں نہیں۔ کیونکہ اس سے تبلیغ و اشاعتِ دین کے اہم فریضے کی راہ میں رُکاوٹ پڑتی ہے۔ اور رشد و اصلاح جو اسلام کا اصل مقصد ہے وہ پورا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو رحمۃً للعالمین بنا کر بھیجا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ جنگ میں رحم اور مروّت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہی مقاصد کے پیشِ نظر اسلام نے دنیا کے تمام لوگوں کو امن اور سلامتی کی دعوت دی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یاایّھا الّذین آمنوا ادخلوا فی السّلم کافّۃً ولا تتّبعوا خطوات الشّیطان۔ انّہٗ لکم عدوٌّ مبین ○

(سورۂ بقرہ ع ۲۵)

(ترجمہ) "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم سب کے سب امن اور سلامتی کی راہ اختیار کرو اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ وہ یقیناً تمہارا

کھلا کھلا دشمن ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طرف سے عرب میں امن و امان اور سلامتی کی فضا پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ نے ہر قوم کو صلح کی دعوت دی اور ان سے معاہدے کئے۔ مدینہ میں تشریف لاتے ہی آپ نے وہاں کے یہود سے صلح کا معاہدہ کیا۔ عرب کے بہت سے قبائل کو صلح پر آمادہ کیا۔ حدیبیہ والے سال قریش کو مصالحت پر آمادہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ پہلے تو قریش آمادہ ہی نہ ہوتے تھے لیکن حضورؐ کی کوششوں کے نتیجے میں آمادہ ہوئے بھی تو ایسی کڑی شرائط پیش کیں جنہیں کوئی مسلمان بھی قبول کرنے پر تیار نہ تھا تاہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محض جذبۂ مصالحت کی خاطر انہیں قبول کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے معاصر بادشاہوں اور امراء کو خطوط لکھکر انہیں بھی مصالحت کی دعوت دی۔ آپ کے تبلیغی خطوط کو پڑھ جائیے، صاف معلوم ہو جائیگا کہ یہ تمام خطوط محض اخلاص اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت لکھے گئے ہیں اور مقصود صرف ان کی ہدایت اور اصلاح ہے۔ ایک لفظ سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ دشمنی کے جذبے کے زیر اثر لکھے گئے تھے یا ان کا مقصد بادشاہوں اور امراء کو جنگ کی دھمکی دینا تھا۔

حضورؐ نے یہ معاہدے اور صلح کی کوششیں اس لئے نہیں کیں کہ

خدانخواستہ آپ کمزور تھے اور آپ کو خدشہ تھا کہ اگر ان لوگوں سے بنا کر نہ رکھی گئی تو وہ مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچائیں گے۔ آپ کو اپنے رب کی مدد پر کامل بھروسہ تھا۔ اور جانثاروں کا ایک ایسا گروہ آپ کے گرد جمع تھا جو آپ کے ادنیٰ اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ آپ کے پیش نظر محض بنی نوع انسان کی بھلائی اور خیر خواہی تھی۔ خونریزی کو آپ طبعاً ناپسند فرماتے تھے اسی بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت آپ نے یہ معاہدے کئے۔ ان معاہدوں کے ذریعے دشمن کو دھوکا دیکر بیخبری کی حالت میں اس پر تسلط حاصل کرنے کی آپ نے کبھی کوشش نہ کی۔ معاہدوں کی دفعات بالکل واضح اور صاف ہوتی تھیں۔ اور کوئی ایسی خفیہ دفعہ نہ ہوتی تھی جس کا سہارا لیکر بعد میں معاہدہ کو توڑنے کی گنجائش پیدا ہو سکے۔ اگر دشمن آپ سے صلح کرنے پر آمادہ ہو جاتا تھا تو قطع نظر اس کے کہ وہ سچے دل سے ایسا کرتا تھا۔ یا محض دکھاوے کے طور پر، آپ اس سے مصالحت کر لیتے تھے کیونکہ حکم الٰہی یہی تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاِن جنحوا للسّلم فاجنح لها وتوکّل علی اللّٰہ انّہٗ هو السّمیع العلیم۔ وان یرید وا ان یّخدعوك فان حسبك اللّٰہ۔ هو الّذی ایدك بنصرہٖ وبالمؤمنین ۵ (سورہ انفال ع ۱۸)

(ترجمہ) "اور اگر وہ (کافر) صلح کی طرف مائل ہوں تو اے رسول! تو بھی صُلح کی طرف مائل ہو اور اللہ پر توکّل کر (اور اس خیال سے نہ ڈر کہ وہ کہیں بعد میں دھوکا نہ دیں) اللہ تعالیٰ یقیناً بہت دُعائیں سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ اس بات کا ارادہ رکھتے ہوں کہ بعد میں تجھے دھوکا دیں تو (یاد رکھ کہ) اللہ تیرے لئے یقیناً کافی ہے۔ وہی ہے جس نے تجھ کو مومنوں کے ذریعے اور اپنی مدد کے ذریعے مضبوط کیا"۔

معاہدات کا احترام کرنا اسلامی تعلیمات کی رُو سے بے حد ضروری ہے۔ دوسری قوموں کی طرح وہ انہیں محض کاغذ کے پرزوں کی حیثیت دینا نہیں چاہتا جنہیں حسب مرضی پھاڑ کر پھینکا جا سکتا ہے بلکہ ان پر قرار واقعی عمل کرانا چاہتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں معاہدوں کی پابندی پر بجید زور دیا گیا ہے۔ اور مسلمانوں کو نقضِ عہد کے بدنتائج سے پرزور الفاظ میں آگاہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

واوفوا بعهد الله اذا عاهدتم ولا تنقضوا الايمان بعد توكيدها وقد جعلتم الله عليكم كفيلا۔ ان الله يعلم بما تفعلون ٥ (سورہ نحل ع ۱۳)

(ترجمہ) "اور چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ کئے ہوئے اپنے عہد

کو جب تم نے اس سے کوئی عہد کیا ہو پورا کرو اور قسموں کو انہیں پختہ کرنے کے بعد جبکہ تم نے اللہ تعالیٰ کو اس کی قسم کھاکر ضامن بنا لیا ہے مت توڑو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالےٰ یقیناً اسے جانتا ہے"۔

اسی طرح ایک اور جگہ فرماتا ہے :۔

وَاوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا ۝

(سورۃ الاسراء)

(ترجمہ) "اپنے کئے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ کیونکہ کئے ہوئے عہد کی بابت قیامت کے دن پوچھا جائیگا"۔

قریش سے حدیبیہ کے مقام پر جو معاہدہ ہوا تھا اسکی پابندی کرنے کے متعلق مسلمانوں کو ان الفاظ میں تاکید کی گئی :۔

ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا وتعاونوا علی البر والتقوٰے ولا تعاونوا عن الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب ۝

(سورۃ المائدہ ع ۱)

(ترجمہ) "اور ایک قوم کی تمہارے ساتھ یہ عداوت کہ انہوں نے تمہیں مسجدِ حرام سے روکا تھا۔ تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو۔ اور تم نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایکدوسرے کی مدد کرو

اور گناہ اور زیادتی کی باتوں میں ایک دُوسرے کی مدد نہ کیا کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ کی سزا یقیناً بہت سخت ہوتی ہے "۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اجازت دے دی تھی کہ اگر فریقِ مخالف کی طرف سے بد عہدی کے آثار نظر آئیں تو آپ اس کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کو ختم کر سکتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ تاکید بھی کر دی کہ یہ کارروائی کُھلم کُھلا اور باقاعدہ اعلان کے ذریعے ہو۔ دشمن کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ اسے پہلے سے آگاہ کر دیا جائے کہ ہم معاہدے کو ختم کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے :۔

واِمّا تخافنّ من قومٍ خیانۃً فانبذ الیھم علےٰ سواء۔ انّ اللہ لا یحبّ الخائنین ٥ (سورۃ انفال ع ۷)

(ترجمہ) " اور اگر تجھے کسی قوم سے عہد شکنی کا ڈر ہو تو تُو اس طرح اس کے ساتھ کیا ہوُا معاہدہ ختم کر دے جس سے وہ سمجھ لیں کہ اب تم دونوں فریق اپنی پابندیوں سے آزاد ہو۔ اللہ تعالیٰ خیانت کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا "۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسّرین نے لکھا ہے کہ اگر فریقِ مخالف نے کسی خفیہ معاہدے کی خلاف ورزی کی ہو۔ تب اسکے خلاف کوئی

اقدام کرنے سے پہلے اسے آگاہ کر دینا ضروری ہے کہ ہم آئندہ کیلئے معاہدے کو ختم کرتے ہیں۔ لیکن اگر معاہدے کی خلاف ورزی کھلم کھلا ہو تب انہیں پہلے سے آگاہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ؎

اسلام معاہدات کی پابندی کو جس قدر اہمیت دیتا ہے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اگر مسلمانوں کا کوئی فرد اپنے سپہ سالار کو اطلاع دئے بغیر کسی قوم سے کوئی معاہدہ کر لیتا ہے تو اسلامی احکام کی رُو سے تمام مسلمانوں پر اس معاہدے کی پابندی لازمی ہو جاتی ہے۔ دوسری اقوام میں یہ بات نہیں ہے۔ وُہ افراد کے کئے ہوئے معاہدوں کو کبھی تسلیم نہیں کرتیں۔ یہ خصوصیت صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وُہ افراد کے کئے ہوئے معاہدوں کو بھی تسلیم کر لیتا ہے خواہ کسی فرد نے ایسا کرتے ہوئے امام سے اجازت لی ہو یا نہ۔ چنانچہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں :۔

"فریق مخالف سے معاہدات کرنے میں تمام مسلمانوں کی ذمہ داری مشترکہ ہے۔ ان کا ادنیٰ سے ادنیٰ شخص معاہدہ کر سکتا ہے اور دُشمنوں کو پناہ دے سکتا ہے"؎

فتح مکّہ کے وقت حضرت امّ ہانیؓ بنت ابی طالب نے اپنے دو رشتے داروں کو پناہ دی تھی۔ لیکن ان کے بھائی حضرت علیؓ

ابن ابی طالب نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضورؐ نے تمام واقعہ سن کر ارشاد فرمایا:۔

"امّ ہانی! جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی"۔

اسلامی سلطنت کا جاسوسی نظام

مدینہ کے منافقین دشمنانِ اسلام کے جاسوس تھے۔ اور مسلمانوں کی تمام خبریں خفیہ طور پر مکہ بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ منافقین کی اُن کارروائیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

لو خرجوا فیکم ما زادوکم الا خبالاً ولا وضعوا خلالکم یبغونکم الفتنۃ وفیکم سمّٰعون لھم۔ واللہ علیمٌ بالظّٰلمین ٥ (سورۂ توبہ۔ع ۷)

(ترجمہ) "اگر وہ (منافق) تمہارے ساتھ مل کر نکلتے تو خرابی پیدا کرنے کے سوا تمہاری کچھ مدد نہ کرتے اور وہ تمہارے درمیان (فساد کرنے کے لئے) خوب گھوڑے دوڑاتے پھرتے۔ اور تمہارے اندر فتنہ پیدا کرنے کی خواہش کرتے۔ اور تم میں کچھ ایسے ہیں جو ان تک پہنچانے کے لئے باتیں سنتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو خوب جانتا ہے"۔

ان حالات کی موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ضرورت محسوس کی کہ اپنے جاسوس کفّار کی صفوں میں متعیّن کیئے جائیں جو ان کے تمام خفیہ رازوں، معاندانہ کارروائیوں اور سازشوں سے مسلمانوں کو بروقت آگاہ کر سکیں۔ ایسا کرنے کی وجہ سے اسلام پہ کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ جاسوسی کا نظام محض اس لئے قائم کیا گیا کہ مسلمان چوکس رہیں اور دشمن بیخبری کی حالت میں ان پر حملہ نہ کر سکے۔ اسلام نے اس غرض کے لئے دوسری اقوام کے خلاف غیر شریفانہ اور خلافِ تہذیب و خلافِ اخلاق طریقے استعمال نہیں لئے۔ بیشتر سلطنتیں جاسوسی کے لئے عورتوں کی خدمات مستعار لیتی ہیں وہ عورتیں دشمن کے علاقے میں پھیل جاتی ہیں اور ہر مہذّب وغیر مہذب طریقے سے ان کے راز معلوم کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے کبھی ایسا نہ کیا۔

جاسوسی کا نظام قائم کرنے پر منافقین نے انگشت نمائی کی تھی۔ کیونکہ اس طرح ان کے تمام پول کھل جانے کا اندیشہ تھا۔ ان کے اعتراض کا اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا:۔

ومنھم الّذین یؤذون النّبی ویقولون ھو اذن۔ قل اذن خیرٌ لکم یومن باللہ ویومن للمؤمنین ورحمۃ للّذین

آمنوا منکم۔ والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم ہ

(سورۂ توبہ ع ۸)

(ترجمہ) "اور ان میں سے بعض ایسے منافق بھی ہیں جو نبی کو دُکھ دیتے ہیں کہ وہ تو کان ہی کان ہے (دشمنوں کے خفیہ راز معلوم کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے) تو کہہ دے کہ وہ تمہارے لئے بھلائی سننے کے کان رکھتا ہے۔ وہ اللہ پر ایمان لاتا ہے اور مومنوں کے لئے رحمت کا موجب ہے۔ اور وہ لوگ جو اللہ کے رسول کو دُکھ پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے"۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ہمارا رسول کفار کے راز تو ضرور معلوم کرتا ہے مگر مسلمانوں کے فائدے کے لئے معلوم کرتا ہے تاکہ وہ ان کے ناگہانی حملوں سے محفوظ رہیں۔ دُوسرے لوگوں کو نقصان پہنچانا اس کا مقصد نہیں ہے۔ پس یہ تمام انتظام مسلمانوں کو چوکس، بیدار اور باخبر رکھنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور یہ کوئی بُری بات نہیں جس کی مذمّت کی جا سکے ؂

یہ درست ہے کہ بعض اوقات رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے بعض خطرناک دُشمنوں کو خفیہ طور پر قتل کرا دیا۔ لیکن ایسا کام دو تین مرتبہ سے زیادہ نہیں ہُوا۔ اور وُہ بھی اس صورت میں جب کہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسا کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا۔ جن لوگوں کو حضورؐ نے خفیہ طور پر قتل کرایا ان میں سے ایک کعب بن اشرف تھا۔ اور دوسرا ابو رافع سلام بن ابی الحقیق۔ یہ دونوں نہ صرف اسلام کے بدترین دشمن تھے بلکہ قبائلِ عرب کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنے میں بھی ان کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اپنی انہی کرتوتوں کی وجہ سے یہ لوگ واجب القتل تھے۔ مگر انہیں علی الاعلان قتل کرانے کی صورت میں یہودیوں کی طرف سے زبردست فساد، جنگ وجدل اور خونریزی کا خطرہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان باتوں سے بچنے کیلئے انہیں خفیہ طور پر قتل کرا دیا۔ اس بات سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ ان لوگوں کی فتنہ پردازیوں اور اشتعال انگیزیوں کی وجہ سے تمام عرب میں مسلمانوں کے خلاف زبردست فضا پیدا ہوچکی تھی جس کا سدِباب کرنا بے حد ضروری تھا۔ اور وہ اسی صورت میں ہوسکتا تھا کہ ان دونوں کا خاتمہ کر دیا جاتا۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس غرض کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا جس میں فساد اور خونریزی کا کم سے کم خدشہ تھا۔ تو اس پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں ہوسکتی ٭

بیت المال کا نظام

اسلام سے قبل ملک کی تمام مال و دولت کا مالک بادشاہوں اور حاکموں کو سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کا زیادہ تر حصہ رعایا کی فلاح و بہبود پر خرچ ہونے کی بجائے ان کی ذات پر خرچ ہوتا تھا۔ لیکن اسلام نے فرمانرواؤں اور حاکموں کی بجائے بیت المال کو اس مال کا حقدار بنایا اور سربراہِ مملکت اور دیگر حکام و عمال کو صرف اتنا ہی مال لینے کی اجازت دی جو مسلمان ان کے لئے مقرر کریں اور جس سے ان کا اور ان کے اہل و عیال کا گذارہ ہو سکے۔ گویا ان کی حیثیت ایک مزدور کی سی تھی جسے اسکی مقررہ مزدوری سے زیادہ اور کسی چیز کا حقدار نہیں سمجھا جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آپکو بھی اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ آپ بیت المال سے صرف اتنا ہی مال لیتے تھے جو آپ کے اور آپ کے اہل و عیال کے لئے سال بھر تک کافی ہو سکے۔ لیکن وہ اس قدر کم ہوتا تھا کہ پورا سال گذرنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتا تھا۔ اور آئندہ کے لئے قرض لینے کی نوبت آجاتی تھی۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات

کے وقت آپ کی زرہ جَو کے دانوں کے بدلے رہن رکھی ہوئی تھی جو آپ نے اپنے اہل وعیال کے لئے خریدے تھے ؂

بیت المال میں جو اموال جمع ہوتے تھے اور انہیں جس طرح تقسیم کیا جاتا تھا اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے :-

(۱) **زکوٰۃ** - یہ مال امراء سے ان کی سالانہ آمدنی اور سرمائے سے مقررہ شرح کے مطابق اکٹھا کیا جاتا تھا - اور جن لوگوں میں یہ مال تقسیم کیا جاتا تھا کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ کی اس آیت میں بیان فرمائی ہے :-

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللّٰه وابن السبیل - فریضة من اللّٰه واللّٰه علیمٌ حکیمٌ ۝

(سورۂ توبہ ع ۸)

(ترجمہ) "صدقات (اموال زکوٰۃ) تو فقراء اور مساکین کیلئے ہیں اور اُن کیلئے ہیں جو انہیں جمع کرنے کیلئے مقرر کئے گئے ہیں - نیز اِن کے لئے جن کے دلوں کو (اپنے ساتھ) جوڑنا مطلوب ہوؔ اور اسی طرح قیدیوں اور قرضداروں

ؔ یعنی ایسے کفار جو اسلام کی تحقیق کرنا چاہیں اور اس غرض کیلئے انکی کچھ مدد کی جائے۔ مطلب نہیں کہ جو کفار رشوت دے کر خریدے جاسکیں ؂ (مترجم)

کے لئے اور ان کیلئے جو اللہ تعالےٰ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں اور مسافروں کے لئے۔ یہ فرض اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے۔ اور اللہ تعالےٰ بہت جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے ‘‘

حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں یہ حکم دے دیا تھا کہ تالیفِ قلوب کے لئے اموالِ زکوٰۃ میں سے کچھ نہ دیا جائے کیونکہ اب اسلام کو شان و شوکت نصیب ہو چکی ہے۔ اور مسلمانوں کو کفّار کی تالیفِ قلوب کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔

(۲) اموالِ غنائم۔ یعنی وہ اموال جو مسلمان جنگ کے نتیجے میں کفار سے حاصل کریں۔ ان میں سے پانچواں حصّہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اور سربراہِ مملکت) کے لئے مخصوص تھا۔ اور ⅘ حصّہ جنگ میں لڑنے والے سپاہیوں کے لئے۔ پانچواں حصّہ جو رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے مخصوص تھا، اسے آگے پانچ جگہ تقسیم کیا جاتا تھا۔ ایک حصّہ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے تھا جسے آپ سامانِ جنگ خریدنے پر صرف کرتے تھے۔ ایک حصّہ حضورؐ کے قریبی رشتہ داروں یعنی بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے لئے تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؓ اور دوسرے اہل الرائے اصحاب کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس مال کا مستحق سمجھا جائے۔ انکے

علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی دیا جا سکتا ہے۔ ایک حصّہ یتیموں کے لئے تھا، ایک حصّہ مسکینوں اور غریبوں کے لئے اور ایک حصّہ مسافروں کے لئے۔ بعض فقہاء کی یہ رائے ہے کہ خمس کو صرف یتیموں مسکینوں اور مسافروں ہی پر خرچ کیا جا سکتا ہے (یعنی سربراہِ مملکت اور بنو ہاشم و بنو عبد المطلب کو خاص طور پر علیحدہ حصّہ دینے کی ضرورت نہیں)۔ اکثر فقہاء کا یہ بھی خیال ہے کہ امام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ غیر منقولہ غنائم یعنی زمینوں اور مکانات وغیرہ کو اسلامی لشکر میں تقسیم کرنے کی بجائے ان کے اصلی مالکوں کے پاس ہی رہنے دے۔ اور اسکے بدلے ان سے خراج اور غلّہ کی مقررہ مقدار وصول کر لے[1] منقولہ غنائم کے بارے میں بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بعض قبائل کو ان کا منقولہ مال و اسباب لوٹا دیا تھا۔ یہ بھی جائز ہے کہ لڑنے والی فوج کو مال و اسباب دینے کی بجائے تنخواہیں ادا کی جائیں۔ لیکن اس صورت میں اموالِ غنیمت پر ان کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اور انہیں بیت المال میں جمع کر کے رفاہِ عامہ کے کاموں

---

[1] چنانچہ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے خیبر فتح کرنے کے بعد وہاں کی زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کرنے کی بجائے یہودیوں کے پاس ہی رہنے دی تھیں اور اسکے بدلے ان سے یہ شرط کر لی تھی کہ وہ پیداوار کا نصف حصّہ مسلمانوں کو ادا کیا کریں گے۔

(مترجم)

پر خرچ کیا جائیگا ؃

(۳) فیئ۔ یعنی وہ اموال جو بغیر جنگ کئے حاصل ہوں مثلاً خراج جزیہ اور وہ اموال جو صلح کی شرائط کے نتیجے میں ملیں۔ یہ اموال بیت المال کی ملکیت ہوں گے۔ اور انہیں رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کیا جائیگا۔ لڑنے والی فوجوں کا ان اموال میں کوئی حق نہیں ہوگا ؃

سلطنت کا دفتری نظام

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ اسلامی سلطنت کا دفتری نظام سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے قائم کیا تھا۔ لیکن یہ خیال درست نہیں۔ یہ نظام آپ کی خلافت سے پہلے ہی قائم ہو چکا تھا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اُمّی تھے اور لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اس لئے وحی لکھوانے اور خطُوط وغیرہ تحریر کرانے کے لئے آپ نے بعض صحابہ کو مقرر کیا ہُوا تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں صرف یہ ہُوا کہ دفتری نظام کو جدید طریقے سے منظّم کر دیا گیا۔ اور دفتری امور سرانجام دینے کے لئے تنخواہ دار کاتب مقرر کر دئے گئے۔ رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کے کاتب بغیر تنخواہ لئے یہ کام سرانجام دیتے تھے۔ کیونکہ اس وقت امورِ مملکت نے وسعت اختیار نہ کی تھی اور نہ ہی اموالِ غنیمت اور فیئ کی تقسیم کے لئے کوئی رجسٹر بنایا گیا تھا۔ بلکہ جو مال آتا تھا فوراً تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اسلئے باقاعدہ تنخواہ دار کاتب ملازم رکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی ۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کاتبوں کی تعداد تقریباً چالیس

تھی۔ اور ہر ایک کے ذمے جُدا جُدا کام تھا۔ بعض کام کئی کاتب مل کر سرانجام دیتے تھے ؎

بعض کاتب بیرونی ملکوں سے خط و کتابت کیلئے مقرر تھے۔ مثلاً حضرت عبدؓ اللہ بن ارقم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بادشاہ اور امراء کو جو خطوط لکھواتے تھے وہ ان سے لکھواتے تھے۔ اور وہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو جو خطوط لکھتے تھے وہ بھی انہی سے پڑھواتے تھے۔ حضورؐ کو ان پر اس درجہ اعتماد تھا کہ آپ انہیں مضمون بتا دیتے تھے۔ اور وُہ لکھ کر بغیر سُنائے اس پر حضورؐ کی مُہر لگا دیتے تھے۔ لیکن حضورؐ وہ خط کسی اور سے پڑھواتے نہیں تھے ؎

بعض صحابہؓ کے سپرد کتابتِ وحی کا اہم کام تھا۔ ان کاتبوں کے نگران حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری تھے۔ قرآنِ کریم واقعات اور حالات کے مطابق ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اُترتا تھا۔ اور کاتبانِ وحی اسے کھجور کے پتّوں، چمڑے کے ٹکڑوں اور ہڈیوں وغیرہ پر لکھ لیا کرتے تھے ؎

بعض صحابہ لوگوں کے لین دین کے معاملات لکھنے کے لئے مقرّر تھے مثلاً حضرت مغیرہؓ بن شعبہ۔ حصینؓ بن نمیر ؎

بعض مرتبہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو کسی معاملے کے متعلّق کچھ تحریر کرانے کی ضرورت پیش آجاتی تھی۔ اس کے لئے خالدؓ بن سعید بن عاص

اور معاویہؓ بن ابو سفیان مقرر تھے۔

بعض لوگوں کا یہ کام تھا کہ وہ درختوں پر لگے ہوئے پھل کا جائزہ لیں اور ان کے حساب سے ان پر جس قدر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو اُسے باقاعدہ ایک کاغذ پر تحریر کریں تاکہ اس کی وصولی کا انتظام کیا جا سکے۔ اس کام پر حذیفہؓ بن یمان مقرر تھے۔

بعض لوگ اموالِ غنیمت اور ان کی تقسیم کا حساب کتاب رکھنے کے لئے مقرر تھے مثلاً معیقبؓ بن ابی فاطمہ۔

ایک کاتب حنظلہؓ بن ربیع تھے۔ اگر کوئی کاتب کسی وجہ سے غیر حاضر ہوتا تھا تو اس کی جگہ یہ کام کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مُہر انہی کے پاس رہتی تھی اور آپ نے انہیں یہ ہدایت کی ہوئی تھی کہ تم ہمیشہ میرے ساتھ رہو اور اگر میں کبھی کوئی کام کرنا بھول جاؤں تو مجھے یاد کرا دو۔ چنانچہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کسی جگہ سے کچھ مال واسباب آتا اور حضورؐ کسی وجہ سے تین دن تک اسے تقسیم نہ کرتے تو یہ آپکو یاد دلا دیا کرتے تھے۔ جس پر حضورؐ فوراً وہ مال لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔
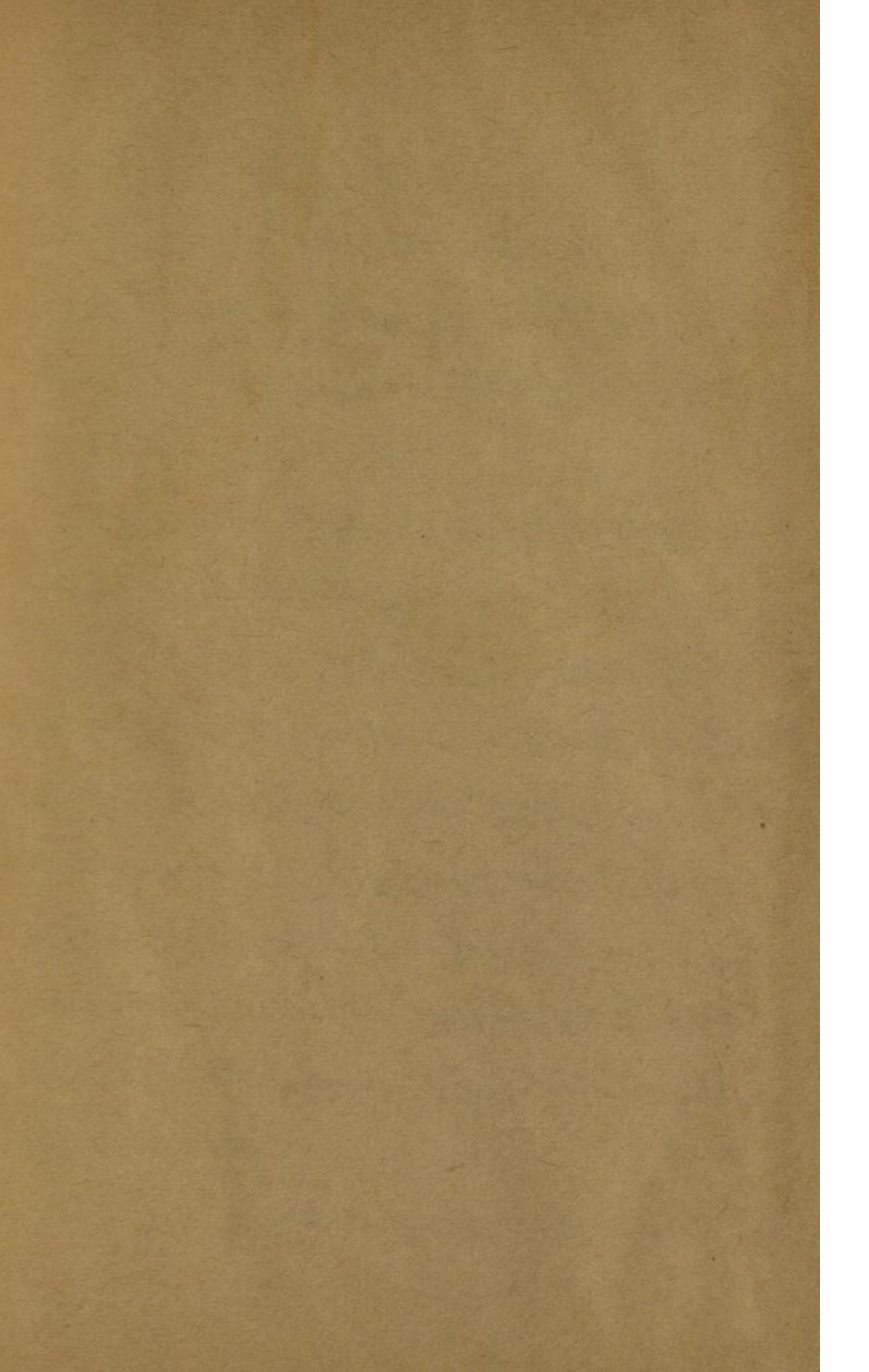
اختتامیہ

جو شخص اس نقطۂ نظر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت کا مطالعہ کریگا جسے مَیں نے ملحوظ رکھا ہے اسے معلوم ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی کامیابی میں بہت بڑا دخل آپ کی حکیمانہ سیاست کو بھی تھا۔ آپ ہر معاملے میں وحی کا انتظار نہیں کرتے رہتے تھے۔ بلکہ بیشتر معاملات میں اجتہاد سے کام لیکر کامیابی کے لئے راستہ ہموار کر لیتے تھے۔ توکّل کا جو غلط مفہوم آجکل مسلمانوں میں پیدا ہو گیا ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اس سے کوسوں دُور تھے۔ آپ جو کام بھی شروع کرتے تھے کامل اعتماد کے ساتھ شروع کرتے تھے۔ اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے مناسب اور موزوں طریقے استعمال کرتے تھے۔ اس امید پر کبھی نہ بیٹھے رہتے تھے کہ جو کچھ ہوگا سو ہو جائیگا ؂

اگر مسلمان رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سیرت کا بغور مطالعہ کریں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے میدانِ عمل میں جن باتوں کو

ملحوظِ خاطر رکھا انہیں وہ بھی پیشِ نظر رکھیں تو یقیناً ان کیلئے بھی کامیابی کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ اگر ہر معاملے میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اسوہ کو پیشِ نظر رکھیں۔ کوئی کام شروع کرنے سے قبل اس کے نشیب و فراز پر اچھی طرح غور کر لیا کریں۔ جو کام کریں اسے کامل عزم، پوری تیاری اور مناسب حال طریقے استعمال کرتے ہوئے انجام دیں۔ تو نہ وہ کبھی حوادثِ دہر کا شکار ہوں اور نہ میدانِ عمل میں ان کی مخالف قوتیں ان سے آگے بڑھ سکیں ؎

آج مسلمان نہ صرف خارجی سیاست میں اپنی حریف طاقتوں سے مار کھا رہے ہیں بلکہ داخلی طور پر بھی ان میں انتشار برپا ہے۔ اس انتشار کو دور کرنے کے لئے بھی انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اسوۂ حسنہ کو اپنانا ہوگا۔ اگر انہیں یہ معلوم ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صحابہ سے کس طرح مروّت، ہمدردی اور شفقت کا سلوک کرتے تھے۔ اور مسلمانوں میں سے جو شخص کسی وجہ سے اپنے دین سے منحرف ہو جاتا تھا اُسے کس طرح نرمی اور محبت سے سمجھاتے تھے، تو یقیناً وہ بھی اپنا طرزِ عمل بدلنے پر مجبور ہو جائیں گے ؎

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے تمام عُمر دو اصول پیشِ نظر رکھے۔ (۱) مخالف کو دلیل سے قائل کیا جائے۔ اور (۲) پیار، نرمی

اور محبت و شفقت کے ساتھ تبلیغ کا فریضہ انجام دیا جائے۔ اگر مسلمان بھی ان زرّین اصولوں کو حرزِ جان بنالیں تو ان کا باہمی عناد اور داخلی انتشار دونوں یک دم ختم ہو جائیں۔ اور وُہ ایک ٹھوس اور متحدہ طاقت بن کر تمام دنیا کو اپنے زیرِ نگین لے آئیں۔